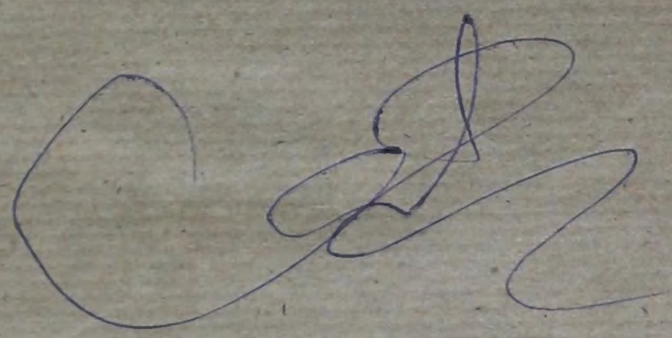


ان من الشعر لحکمة وان من البیان لسحرا

(شعر حکمت سے بھرا ہوتا ہی، رہا بیان، وہ تو جادو کا کام کرتا ہی)

چہ خیزد از سخنے کز درونِ جاں نہ بود

بریدہ باد زبانے کہ خوں چکاں نہ بود

دیوانِ بشیر

خاکسار بشیر الدین احمد دہلوی تعلقہ دار پنشنر

سرکار عالی نظام ادام اللہ اقبالہم

کی تک بندی

سنہ ۱۳۴۳ھ

۱۹۲۴ء

دلی پرنٹنگ ورکس دہلی میں باہتمام لالہ ٹھاکر داس اینڈ سنز چھپا



مصنف



مصنف

نذر

عاجز نواز میرے بڑا تو قدیر ہے | یارب میں پاشکستہ ہوں تو دستگیر ہے
نہ سعدی است نہ فردوسی درجہاں باقی ست | ولے مناقب و ذکرِ سخنوران باقی ست
جہاں و آنچہ در وہست جملہ وقفِ فناست | ولے ز فیضِ سخن حالِ رفتگاں باقی ست

اگرچہ اس ہیچ مداں کو حضرت داغ دہلوی تَغَمَّدَہُ اللہُ بِالعَفْوِ وَالغُفْرَان، سے شرفِ تلمذ حاصل نہیں مگر اس بات کا فخر ضرور ہے کہ جنابِ معز جس خطۂ پاک مینو سواد شاہجہاں آباد دہلی صَانَہُ اللہُ تعالیٰ عَنِ الشَّرِّ وَالفَسَاد میں پیدا ہوئے تھے یہ خاکسار سراپا گنہگار بھی اُسی کا نام لیوا ہے وَکَفیٰ بِہٖ فَخْرًا ؎

چپے چپے پہ ہیں یاں گوہرِ یکتا تہِ خاک | دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانہ ہرگز

دوسرے یہ کہ وہ میرے والدِ بزرگوار کے ملنے والوں میں تھے اور مجھ پر بچپنے ہی سے پدرانہ و بزرگانہ شفقت فرماتے تھے تیسرے یہ کہ بلدۂ حیدر آباد فرخندہ بنیاد اَبقَاہُ اللہُ تعالیٰ الیٰ یَوْمِ التَّنَاد میں برسوں اُن کی خدمت سراپا برکت سے مستفید ہوتا رہا ہوں۔ ؎

سگِ اصحابِ کہف روزے چند | پئے نیکاں گرفت و مردم شد

انہیں وجوہ و اسباب کی بنا پر میری تمنائے دلی اور آرزوئے قلبی نے مجھے آمادہ کیا ہے کہ میں ان معدودے چند اوراقِ پریشان یعنی دیوان کو تیمناً و تبرکاً و تفاؤلاً، تعویذ جادو طلسم اعجاز، آتشکدۂ عشق صنم خانۂ حسن طراز، ترانۂ جاں نواز بلبلِ ہندوستان، مقربِ خاقان، اُستادِ سلطانِ دکن نواب میرزا خاں داغ دہلوی المخاطب بہ نواب فصیح الملک بہادر کی نذر گزرانوں اگر اُس بحرِ ذخارِ معانی، فارسِ میدانِ سخن سنجی و سخن دانی، چشمۂ فیض لاثانی کی ایک چھینٹ بھی مجھ تشنہ کام پر پڑ جائے تو خوش نصیب میرا بیڑا پار ہو جائے اور یہ کلام مقبولِ خاطر انام ہو جائے اور یوں اس گم نام کا کام بن جائے "بیک کرشمہ دو کار" کام کے ساتھوں ساتھ نام بھی ہو جائے ؎

ہمت از مردمِ کریم طلب | خاک از تودۂ کلاں بردار

فہرست نظم ہائے "دیوانِ بشیر"

تمت

جناب شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم و مغفور کی تصنیفات کی مجملی فہرست

نام کتاب	قیمت مجلد	بلا جلد	محصول	نام کتاب	قیمت مجلد	بلا جلد	محصول
قرآن شریف کلاں دو صفحہ مترجم	سے	عـه	۱ر عـہ	حمائل شریف مترجم ۱۶×۲۲	۱ہ ر	للعہ	۸ر
قرآن شریف متوسط ۲۲×۲۹	معہ	۸ہ ر	۱۴ر	وہ سورہ مترجم		۱۰ر	۳ر
غرائب القرآن ترجمہ بر صفحہ مقابل کاغذ سفید حنائی دبیز ـہ للعہ ہیر جلد			۱ر عـہ	ادعیۃ القرآن		۱۲ر	۳ر

نام کتاب	قیمت	محصول	نام کتاب	قیمت	محصول
مطالب القرآن نامکمل تفسیر کلام مجید	عیمہ ۴ر	۵ر	الحقوق والفرائض (۳) حصہ	عہ ۸ر	۱ر
اجتہاد	عہ ۴ر	۵ر	مراۃ العروس۔ بنات النعش۔ توبۃ النصوح	فی عہ	۵ر
محصنات۔ ایامیٰ۔ رویائے صادقہ	فی عہ ۴ر	۵ر	ابن الوقت	عہ ۸ر	۵ر
موعظہ حسنہ	عیمہ ۴ر	۵ر	منتخب الحکایات۔ چند پند	فی ۸ر	۲ر
صرف صغیر۔ نصاب خسرو۔ رسم الخط	فی ۶ر	۳ر	مبادی الحکمتہ (منطق)	عہ	۴ر
مائیگنیک فی الصرف (عربی گرامر)	۱۲ر	۴ر	مجموعہ لکچر دو جلد	عہ ۸ر	۱۴ر
نظم بے نظیر (نظموں کا مجموعہ)	عہ ۴ر	۵ر	حیات النذیر سوانح عمری معہ فوٹو	سے	۱۴ر
امہات الامہ ازواج مطہرات کے حالات (زیر طبع)	عہ ۸ر	۵ر			

فہرست کتب مصنفہ مولوی بشیر الدین احمد صاحب

اقبال دلہن۔ حسن معاشرت۔ اصلاح معیشت۔ لخت جگر (دو حصہ)۔ فغان اشرف۔ یہ پانچوں کتابیں ہر عمر کی لڑکیوں کو تعلیم خانہ داری سکھلانے کی ہیں۔ حرز طفلاں۔ نشاط عمر۔ عصائے پیری۔ شمع ہدایت تعلیم خلاق و نیک کرداری کی کتابیں کم عمر لڑکوں۔ نوجوانوں اور عمر رسیدہ لوگوں کے لیے۔

عزم بالجزم۔ استقامت ارادہ پر ایک چھوٹا سا دلچسپ قصہ۔ مثنوی درد دل مصنف پر گزرا ہوا دل ہلا دینے والا واقعہ۔ بچیوں سے دو دو باتیں۔ تعلیم اخلاق و نیک کرداری کی دلچسپ کتاب۔ انشائے بشیر۔ عورتوں کے لیے خطوط نویسی کی بہترین کتاب۔ خیالات شہباز۔ مولوی عبد الغفور صاحب شہباز کی نظموں کا مجموعہ۔ واقعات مملکت بیجاپور دکن کی مکمل تاریخ تین جلد مع نشانہ فوٹو۔ واقعات دار الحکومت دہلی۔ دہلی کی قدیم زمانے سے اب تک کی مکمل تاریخ تین جلدوں میں عمارتوں کے نقشے (۲۰۹) فوٹو (۹) قیمت مجلد ہر سہ جلد جدا جدا محصول

ملنے کا پتہ

دہلی کھاری باؤلی۔ بشیر الدین احمد تعلقہ دار

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہست کلید درِ گنجِ حکیم — هستت نہالے زریاضِ قدیم

ہشت نہالے زریاضِ قدیم … که بر بنده درہائے معنی کشاد
خدا را کنم بر سرِ نامہ یاد

(حمد)

گوہر کو صدف میں آبرو دیتا ہی — بندے کو بغیر جستجو دیتا ہی
انسان کو رزق گل کو بو سنگ کو لعل — جو کچھ دیتا ہی جس کو تو دیتا ہی

(نعت)

دُنیا میں محمدؐ سا شہنشاہ نہیں — کس راز سے خالق کے یہ آگاہ نہیں
باریک ہی ذکرِ قربِ معراجِ رسُول — خاموش کہ یاں سخن کو بھی راہ نہیں

(مناجات)

یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر — ای ابرِ کرم خشکِ زراعت پہ کرم کر
تو فیض کا مبدا ہی توجہ کوئی دم کر — گمنام کو اعجازِ بیانوں میں رقم کر

جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلیمِ سخن میری قلم رو سے نہ جائے

اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری — بلبُل کی زباں پر ہی تری شُکر گزاری
ہر نخل برومند ہی یا حضرتِ باری — پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری

وہ گُل ہوں عنایت چمنِ طبع نکو کو
بلبُل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بو کو

بھر دے دُرِ مقصود سے اس دُرجِ دہاں کو — دریائے معانی سے بڑھا طبعِ رواں کو
آگاہ کر اندازِ تکلم سے زباں کو — عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حسن بیاں کو
تحسیں کا سماوات سے غُل تا بہ سمک ہو
ہر گوش بنے کانِ ملاحت وہ نمک ہو (میر انیس)

عرضِ حال

کر عجز اگر عاقل و فرزانہ ہے — دانائی پہ بھولا ہے تو دیوانا ہے
تسبیح کے دانوں پہ نظر کر ناداں — گردش میں گرفتار ہے جو دانا ہے
کس مُنہ سے کہوں کہ لائقِ تحسیں ہوں میں — کیا لطف جو گُل کہے کہ رنگیں ہوں میں
ہوتی ہے حلاوتِ سخن خود ظاہر — کہتی ہے کبھی شکر کہ شیریں ہوں میں
آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں — غالبؔ سر برِ خامہ نوائے سروش ہے

حمد و نعت کے بعد عرض ہے کہ شاعری تو بڑی چیز ہے ؎
میں کہاں اور کہاں ہوائے بہشت — ناز کُی زیبدم بطلعتِ زشت
مجھے سرے سے شعر گوئی ہی کا دعویٰ نہیں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ **دیوان** کیسا اور یہ تکلیف مالا یُطاق اور سمع خراشی کیوں؟ جواب اس کا صرف یہ ہے کہ ع ہر شخص بخیالِ خویش خبطے دارد۔ اَلشِّعرُ شُعْبَۃٌ مِنَ الْجُنُون (شعر گوئی بھی جنون کی ایک شاخ یعنی لہر ہے) اس کے لیے کسی معذرت کی ضرورت نہیں ع کس بشنود یا نشنود مَن گفتگوئے می کنم۔ بات یہ ہے کہ اشعار گو کسی پایہ کے نہ ہوں، جانچ تول میں پورے اُتریں یا نہ اُتریں، یہ دلِ خستہ اور قلب مجروح کی صدائے بازگشت اور خاطرِ مغموم و محزون کی آہ و فغاں تو ضرور ہیں اور اگر یہ ہے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ بھی نہیں ؎

(۱) فریاد کی کوئی لَے نہیں ہے — نالہ پابندِ نَے نہیں ہے (غالب)
(۲) اے شعر دل پسند نہ ہو تو تو غم نہیں — پر تجھ پہ حیف ہے جو نہ ہو دل گداز تو (حالی)

ہندوستان جنت نشان میں فنِ شاعری کا آفتاب جب معراجِ کمال پر تھا وہ دورِ سلاطینِ مغلیہ تھا جس کی نسبت واجبی طور پر مشہور ہے کہ "بادشاہانِ ہند بادشاہی نمی کنند خدائی می کنند" اُس زمانے میں کمی کس بات کی تھی۔ سخن گو، سخن سنج، سخن فہم، نقاد سب ہی تھے۔ شعرار کی آؤ بھگت قدر و منزلت، عزت و توقیر کا کیا ٹھکانا تھا، اُن کے گھروں پر ہاتھی جھومتے تھے۔ داد و دہش بخشش و عطا، جود و سخا کا ذکر کیا منصب و جاگیر۔ خطاب و خلعت، انعام و اکرام اور کیا اور کیا، سب ہی کچھ تھا خلاصہ یہ کہ جب زمانہ موافق و سازگار تھا تو موسمِ بہار تھا، خوشی و خرمی کا لیل و نہار تھا۔ دن عید رات شب برات تھی۔ بلکہ شب برات بھی اُس کے آگے مات تھی۔ دُنیا کا یہی قاعدہ مستمر ہے کہ جس چیز کی ضرورت اور مانگ ہوتی ہے فطرت خود بخود دیر سویر مہیا کر دیتی ہے اور جس چیز کی سرے سے مانگ ہی نہ ہو تو وہی چیز صفحۂ دُنیا سے بتدریج معدوم ہو جاتی ہے جب کان نظم کے دل دادہ اور شیدا تھے اور شعرار کی طلب صادق تھی تو خلاقِ لوح و قلم شعرار ذی کمال کو پیدا بھی کرتا تھا جو نظموں کے باغ پُر بہار لگاتے اور اپنی بے نظیر نغمہ سنجیوں اور گوہر فشانیوں سے دلوں کو لبھاتے اور ولولۂ شوق کو گرماتے تھے۔ صدیوں یہی سماں رہا لیکن بمصداق ع ہر کمالے را زوالے کب تک اور تابکے۔ بادِ حوادث کے تند جھونکے اور گردشِ لیل و نہار کے سر چکرا دینے والے چکر ایسے آئے کہ دیکھتے دیکھتے بساطِ سلطنت اُلٹ گئی اور سلطنتِ مغلیہ کا ٹمٹماتا اور جھلملاتا ہوا چراغ ہمیشہ ہمیشہ کو گُل ہو گیا سلطنت کی رَو میں شعرار بھی بہہ گئے۔ "چراغ گُل پگڑی غائب"۔ نہ وہ قدرداں رہے نہ وہ شاعر، نہ وہ زمانہ رہا نہ وہ ماہر۔ وہ زمانہ کچھ ایسا سازگار، موافق و مُساعد تھا کہ شاعری کی کھیتی ایسی بھبک اُٹھی کہ آسمان سے باتیں کرنے لگی جس کی قدردانی سے سیرابی اور داد و دہش سے آبیاری کی جاتی تھی پھر کیوں نہ لہلہاتی اور پھولتی پھلتی۔ اُس زمانے کی داد و دہش کے افسانے نہیں واقعے ہماری سمجھ میں نہیں آتے اور کیوں کر آتے کہ ہم نے اپنی مدت العمر میں نہ دیکھے نہ سُنے ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ لیکن واقعاتِ تاریخی جن کی بنا روایاتِ معتبر پر ہو کب غلط یا مبالغہ آمیز ہو سکتے ہیں "مشتے نمونہ از خروارے" یہاں دو ہی روایات کے نقل کرنے پر

بخوف طوالت اکتفا کرتا ہوں:۔

(۱) دکن کی سلطنت بہمنیہ کا حال کون نہیں جانتا سنہ ۱۴۲۲-۳۵ء تک سلطان احمد شاہ ولی البہمنی نے دار السلطنتِ بیدر (مملکتِ سرکارِ عالی نظام) میں قلعہ کے اندر ایک عالی شان محل بنوایا تھا جس کا نام تخت محل تھا اور جس کے کھنڈر اب تک موجود اور زبانِ حال سے اپنی وسعت اور عظمت کا نشان دے رہے ہیں۔ اس محل کی طیاری پر شیخ آذری اسفرائینی نے ذیل کی رباعی کہی جسے ملا شرف الدین مازندرانی مشہور خوش نویس نے نہایت جلی قلم سے لکھ کر بادشاہ کے حضور میں گزرانی۔ یہ رباعی اب تک اُس محل کے روکار پر موجود ہے۔ دہو ہذا۔

حبذا قصرِ مشید کہ زفرطِ عظمت (رباعی) آسماں شدہ از پایۂ ایں درگاہ ہست
آسماں ہم نہ تواں گفت کہ ترکِ ادب ہست قصرِ سلطانِ جہاں احمد بہمن شاہ است

بادشاہ نے شاعر کو مالا مال کر دیا۔ بادشاہ کی قدردانی دیکھیئے کہ شیخ آذری اس قدر مقرب بارگاہِ سلطانی اور موردِ مراحم خسروانی تھا کہ گھڑی بھر کو اُس کی جدائی گوارا نہ تھی۔ آخر کار اُس نے شہزادہ علاء الدین سے سفارش کرائی اور عرض کروایا کہ اگر مجھے وطن جانے کی اجازت مل جائے توحجِ اکبر کا (جو میں نے کیا ہے) آدھا ثواب حضور کی خدمتِ اقدس میں پیش کرتا ہوں۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور خزانچی کو بلا کر حکم دیا کہ چالیس ہزار تنگۂ سفید (جو ایک تولہ نقرۂ خالص کا ہوتا ہے) شیخ کو دیا جائے۔ شیخ تنگوں کا اتنا ڈھیر دیکھتے ہی بے ساختہ پکار اُٹھا۔ لا یَحْمِلُ مَطَایَاکُمْ عَطَایَاکُمْ (حضور کے اس گراں قدر عطیئے کو آپ کے مویشی بھی اُٹھا نہیں سکتے) بادشاہ ہنسا اور فرمایا بیس ہزار تنگہ اور دو اور خلعتِ خاصہ اور پانچ غلام ہندی دے کر رخصت کیا

(۲) مآثر الامراء میں عبد الرحیم خاں خاناں کی نسبت لکھا ہے کہ:۔

"کمر شعراء را در صلہ بزر سرخ بسنجید۔ روزے ملا نظیری گفت کہ "یک لک روپیہ چہ قدر تودہ می شود؟ نہ دیدہ ام"۔ فرمود از خزانہ بیارند و چوں جمع کردند ملا گفت "شکر آلہد کہ بسببِ نواب من ایں قدر زر دیدم" فرمود کہ ہمہ بہ ملا دہند کہ حالا شکرِ الٰہی کند"۔ یہ وزیر کا حوصلہ تھا اور

بادشاہوں کی جود و سخا ۔ بے حد لاتحصیٰ ولا تعد تھی۔ کیا سخاو عطا و داد و دہش کی ایسی ایک مثال بھی اب پیش کی جاسکتی ہے؟ لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ (نہ آنکھوں دیکھی نہ کانوں سُنی) اب شاعری کو کوئی دو کوڑی کو بھی نہیں پوچھتا۔ جب کس مپرسی کا یہ عالم ہے اور ناقدردانی اور کساد بازاری کا یہ دَور دورہ ہے تو شاعروں کا وجود ہی نابود ہوگیا۔ ع آں قدح بشکست و آں ساقی نماند۔ آپ کہیں گے کہ زمانہ کبھی اہلِ کمال سے خالی نہیں رہتا۔ میں بھی اس بات کو تسلیم کرتا ہوں لیکن پھر بھی میرا یہ دعویٰ ضرور ہے کہ اب اُس زمانے کے سے ہر فن اور اُستاد فقید المثال ایک بھی نہیں۔ دَورِ ماضیہ کو چھوڑ دیجیے کہ ہر فن کے اہلِ کمال سے لبریز تھا۔ جن کے سامنے زانوئے ادب سب تہ کرتے تھے بسو برس کے اندر اندر کا حساب کیجیے۔ ذوق۔ غالب۔ انیس۔ دبیر اور سب سے آخیر داغ دہلوی اور امیر مینائی جیسی ایک فرد بھی اگر نکال دیجیے تو میں کان پکڑ لوں۔ یہ لوگ اپنے وقت کے خدائے سخن تھے۔ میر انیس کیا خوب فرمانے اور بجا فرماتے ہیں۔ ؎

سبک ہو چلی تھی ترازوئے شعر　　مگر ہم نے پلہ گراں کر دیا

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل　　(غالب)　　سُن سُن کے اُسے سخنورانِ کامل

آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش　　گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

اُردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ　　ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

(داغ) غیروں کا اختراع و تصرف غلط ہے داغ　　اردو ہی وہ نہیں جو ہماری زباں نہیں

(امیر) دعویٰ زباں کا لکھنؤ والوں کے سامنے　　اظہارِ بوئے مُشک غزالوں کے سامنے

اب بھی معدودے چند شعرا ایسے ہیں جن کا کلام لاکلام ارفع و اعلیٰ ہے۔ مگر وہ ناقدردانی کا شکار ہیں جو حالتِ کس مپرسی اور قعرِ گمنامی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اُن کو ایسا گہن لگا ہوا ہے کہ اُن کی روشنی ماند ہے اور ہوئے نہ ہوئے برابر۔ اس کساد بازاری اور قحط الرجال کا کھلا سبب یہی ہے کہ فی زمانہ ان کی مانگ ہے نہ قدر۔ نہ قدرداں رہے نہ شائقِ سخن ؎

بینا اگر نہ ہو تو سخن خود ہی رائگاں　　بے لطف ہے سخن جو نہ ہو کوئی قدرداں

بے کار ہے ریاض جو حاصل ثمر نہیں   عنبر بھی خاک ہے کوئی خواہاں اگر نہیں

وہ زمانہ جو شعرا کے عروج کا تھا ایسے اطمینان اور فارغ البالی کا تھا کہ اب سوائے "یادش بخیر" کے اور کیا کہا جائے۔ قیامت تک وہ زمانہ آنے والا نہیں، آنکھیں اُس دَوْر کو ترستی ہی رہیں گی۔ ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ معاش کی طرف سے بے فکری، داد و دہش وہ کہ مالا مال کردے۔ دُنیا و مافیہا سے مستغنی کردے۔ ایسی بے فکری کے زمانے میں کہ شعرا کو سوائے "فکرِ سخن" کے اور کوئی فکر نہ تھی اور طبیعت کی یکسوئی اور خاطر جمعی، فارغ البالی ایسی کہ ہاتھ باندھے سامنے کھڑی، اگر شاعری کو ترقی نہ ہوتی تو تعجب تھا۔ اب ہم کو پیٹ کے دھندے ہی سے فرصت نہیں تو شعر گوئی جو پیٹ بھروں کا دل بہلاوہ ہے ہمارے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتی۔ صدہا کڑیاں جھیل کر اور ہزارہا روپیہ صرف کرکے اگر کسی خوش نصیب کو یونیورسٹی کے کوئی دو حروفِ مفرد مل گئے تو وہ گویا ایک دیوانے کے مقابلے میں دیوانی کی ڈگری ہے۔ جو سوائے شہد لگا کر چاٹنے کے کسی کام کی نہیں۔ یونیورسٹی کے ڈگری یافتہ کی مثال "اُزیں سو رانده وزاں سو در مانده" کی سی ہے۔ آبائی پیشہ کرنے میں اُن کو عار، رہی نوکری وہ صرف واہمہ میں موجود مگر وجود فی الخارج کے اعتبار سے مفقود۔ علم کی کسی شاخ کو لیجیے ساری عمر جو پاپڑ بیلتا ہے وہی کچھ کمال پیدا کرتا ہے۔ یہاں حال یہ ہے کہ "ہر فن میں ادھورے کسی فن میں نہ اُترے پورے"۔ زمانِ سلف کی تاریخ بقیدِ سن اِن کی نوکِ زبان ہے۔ گو گرہ میں دمڑی نہ ہو۔ مگر حساب کروروں کا سُن لیجیے۔ صحت اور توانائی کا یہ حال کہ یونیورسٹی کے ہال سے نکلے تو نڈھال بدحال طاقت و توانائی، امنگ، جودت، حوصلہ، ولولہ سب نذر کرآئے۔ ع عطائے تو بلقائے تو بخشیدم گویا کسی نے پکڑ کر ست کھینچ لیا نرے پھوک رہ گئے۔ بصارت، ہیں پڑھتے پڑھتے ضعف آگیا عینک کی مدد سے کام چلتا ہے وہ بھی بہ مشکل۔ دماغ میں جو کچھ جوہر تھا اس مختصر و محدود خزانے پر مطالعہ کا ایسا دھاوا ہوا کہ سِٹّی بھول گئے۔ خللِ دماغ تو میں کہہ نہیں سکتا۔ مگر دماغ کم زور ضرور ہے اور جس دماغ سے ایسا ڈٹ کر کام لیا جائے تو وہ جھوجرا ہوا ہی چاہیے۔ جن کے پیچھے اتنی بلائیں پنجے جھاڑ کر گلے کا ہار رہوں وہ کیوں نہ ہمت ہار جائیں اور کیوں نہ بیمار سے بدتر ہوں۔ ان

بے چاروں کو شاعری کی طرف رُخ کرنے کی نہ فرصت نہ جرأت ؎

شب چو عقد بر نماز بر بندم ❊ چہ خورد بامداد فرزندم

غرض شاعری تو یوں ماری پڑی۔ پہلے سنتے تھے "شکار کارِ بے کاران ست" اب میں کہتا ہوں کہ "شاعری کارِ بے کاران است"۔ اگلے زمانے میں مشاعروں کی مجلسیں گرم رہتی تھیں۔ ایک شاعر دوسرے کا کلام سُنتا تھا اپنا کلام سُنا کر جوابانِ داد ہوتا تھا۔ غرض اچھا دل خوش کن مشغلہ اور بڑی چہل پہل کا سماں تھا۔ طبیعت اور شوق بڑھتا تھا۔ ایک دوسرے کے کلام کو جانچنے اور پرکھنے کا خوب موقع ملتا تھا۔ کبھی کبھی نوک جھوک اور مہذب چوٹیں بھی ہوجاتی تھیں جن میں بڑا لطف آتا تھا۔ غالب اور ذوق کی جھڑپ قابلِ ملاحظہ ہے۔ نواب زینت محل کو بہادر شاہ بادشاہ کے مزاج میں بڑا دخل تھا۔ مرزا جواں بخت اُن کے بیٹے تھے اور باوجودیکہ بہت سے مرشد زادوں سے چھوٹے تھے مگر بیگم کی خاطر سے اُن کی ولی عہدی کے لیے کوشش کر رہے تھے اُن کی شادی کا موقع آیا بڑی دھوم دھام کے سامان ہوئے۔ بیگم کی ایما سے غالب نے ایک سہرا زرنگار کاغذ پر لکھ کر ایک سونے کی کشتی میں رکھ کر بڑے تکلف کے ساتھ حضور میں گزرانا عمداً یا ارادۃً مقطع میں ذوق پر بے ڈھب چوٹ کر گئے ؎

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں ❊ دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بہتر سہرا

جب سہرے کو ملاحظہ فرمایا تو مقطع کو بھی دیکھ کر حضور کو خیال بلکہ ملال ہوا کہ میرے اُستاد پر تعریض کی بادشاہ نے ذوق کو دکھایا اور فرمایا کہ تم بھی ایک سہرا کہہ دو اور تم نے مقطع کو بھی دیکھا؟ ذوق نے اپنے سہرے میں غالب کو یہ جواب دیا ؎

جن کو دعویٰ ہو سخن کا یہ سُنا دو اُن کو ❊ دیکھو اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

مرزا بڑے ادا شناس تھے سمجھے کچھ اور ہوگیا کچھ کا کچھ۔ معذرت کا ایک قطعہ لکھ کے پیش کیا اُس کے چند شعر یہ ہیں ؎

اُستادِ شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال ❊ یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے

مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اس سے قطعِ محبت نہیں مجھے
روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ
سودا نہیں جنون نہیں وحشت نہیں مجھے

اسی طرح میر انیس اور مرزا دبیر کی بھی نوک جھوک چلی جاتی تھی مگر کیا مجال کہ ذرا بھی احاطۂ تہذیب کے باہر قدم دھریں۔ میر صاحب ایک سلام میں فرماتے ہیں ؎

سدا ہے فکرِ ترقی بلند بینوں کو
ہم آسمان سے لائے ہیں ان زمینوں کو
لگا رہا ہوں مضامینِ نَو کے پھر انبار
خبر کرو مرے مضموں کے خوشہ چینوں کی

اور ایک رباعی بھی ملاحظہ ہو۔

مضمونِ انیس کا نہ چہرہ اُترا
اُترا بھی تو کچھ بگڑ کے نقشا اُترا
نقاش نے سو طرح کی کھینچی خفت
تصویر نہ کھینچ سکی تو چہرا اُترا

مرزا صاحب فرماتے ہیں :- رباعی

افسوس مری قدر نہ جاہل سمجھے
سمجھا یا تو نقطۂ مقابل سمجھے
معنی ہیں یہی نزاعِ لفظی کے دبیر
خاموش جو ہم ہوئے تو قائل سمجھے

خیر وہ بات کو بکن کی گئی کو بکن کے ساتھ۔ اب کیا ہو رہا ہے ملاحظہ ہو ؎

زمانِ عیش و مسرت تو اک فسانہ ہے
وہ وقت بھی تھا کبھی یہ بھی اک زمانہ ہے

اب جس کو دیکھئے عیب چینی پر تلا ہوا ہے۔ ہنر اور خوبی کو پسِ پُشت ڈالنا اور طرح طرح کے عیب نکالنا بس لے دے کے یہی ایک ہنر رہ گیا ہے۔ غالب مرحوم کی وہ گت بنی ہے کہ ہیں انگشت بدنداں ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نقاد صاحب اُستادِ زماں ہیں اور غالب طفلِ دبستاں۔ مگر چاند پر خاک ڈالے سے کب پڑتی ہے۔ سید احمد حسن شوکت میرٹھی ایک بڑے قابل ادیب اور بے نظیر شاعر تھے اُن کی بھی بے طرح خبر لی گئی ہے۔ داغ اور امیر کا جھگڑا اُسی طرح چلا جاتا ہے۔ جیسے انیس اور دبیر کا۔ کوئی انیسیئے ہو گئے کوئی دبیریئے۔ بس اسی پر لڑے مرتے ہیں کہ محمد شاہ کی ڈاڑھی بڑی تھی یا سلیم شاہ کی۔ میں کہتا ہوں کہ اس کج بحثی اور آئے دن کی جھک جھک اور زق زق بق بق سے فائدہ؟ دونوں

ایک آفتاب ہیں ایک ماہتاب دونوں اپنے اپنے رنگ میں لاجواب چلو چھٹی ہوئی آپکو کوئی شعر پسند نہیں چھوڑ دیجیے نہ پڑھیے یا غایت ما فی الباب یہ کہ اپنا دل ٹھنڈا کرنے کو دیوان میں سے کاٹ دیجیے مگر مرے ہوؤں پر طعن و تشنیع اور سب و شتم کرنا اُن کو نااہل و نالائق بتانا کیا یہی مقتضائے شرافت یا یہی طریقۂ اظہارِ لیاقت ہی؟ مولانا حالیؔ مرحوم کے دیوان کی ادھیڑ پنچ نے وہ دھجیاں بکھیریں اور چھیچالیدر کی کہ ہم نے تو کانوں میں اُنگلیاں دے لیں

؎ اَخُ اَلعَدَاوَۃِ لا یُمرُّ بِصَالِحٍ ‌ ‌ ‌ اِلَّا وَیَلمِزُکَ بِکَذَّابٍ اَشِرٍ

؎ نورِ گیتی فروز چشمۂ ہور ‌ ‌ ‌ زشت باشد بچشمِ موشکِ کور

غرض یہ کہ میرے دیکھنے میں تو معترضین کی سنگ باری سے کوئی بچا نہیں. جب بڑے بڑوں کی ہمارے دیکھتے دیکھتے یہ گت بن رہی ہی تو بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی" مجھ غریب کو اپنی خیر نظر نہیں آتی. میر اشعرا کے زمرے میں داخل ہونا گو وہ پائینِ مجلس ہی میں کیوں نہ ہو مصداق اس کا ہی کہ ع مینڈکی کو بھی لو زکام ہوا ہم بدنصیبی سے ایسے زمانے میں پیدا ہوئے ہیں. کہ جب بہار جا کر گلشن میں خزاں ہی خزاں ہی نسیمِ سحری اور بادِ بہاری کی جگہ لوں اور سموم نے لی ؎ مٹتے مٹتے اثرِ صدق و صفا کچھ نہ رہا آخری دور میں تلچھٹ کے سوا کچھ نہ رہا شاعری کا میدان شعرائے نامدار کا کھوندا اور روندا ہوا ہی. کون سا مضمون ہی جو اُن سے باقی رہ گیا ہی. اگر آپ جدت کے متلاشی ہیں تو جدت ناممکن ہی. ہمارے چبانے کو وہی پرانے ٹکڑے اور وہی چچوڑی ہوئی ہڈیاں ہیں. اور بس عاشق و معشوق کا راز و نیاز، ہجر و وصال، رنج و ملال، حسن و جمال، خزاں و بہار، نالۂ بلبل وغیرہ وغیرہ سارے مضامین شعرائے کرام باندھ چکے ہیں اور اس خوبی سے موتی پرو گئے ہیں کہ اُن سے بہتری کا دعوٰی کرنے والا تو مُنہ کی کھائے پر کھائے مجھے تو اُن کی برابری میں بھی کلام ہی. غرض کہ کوئی مضمون نہیں سوجھتا جسے اچھوتا کہہ سکیں، کوئی رستہ ایسا نظر نہیں آتا جس پر ہزارہا نقشِ قدم موجود نہ ہوں ؎

شاعرانِ حال کیا مضمونِ نو پائیں اسیر ‌ ‌ ‌ ڈھونڈتے ہیں، پر تخلص بھی نیا ملتا نہیں

پس ایسی حالت میں توارد خیالات ایک ناگزیر امر ہی. ہاں یہ بات دوسری ہی کہ ہم کایا ہی پلٹ دیں معشوق کی کمر کو ہاتھی کی کمر باندھیں. دہنِ معشوق کی تنگی کو بھاڑ سا مُنہ پھاڑ دینا لکھیں. چشمِ مست و میگوں کو نرگس شہلا سے تشبیہ نہ دے کر چُندھی اور چپڑی جیسی دھنسی ہوئی مچچاتی چیپڑ بھری آنکھوں کی تعریف کریں.

زلفِ مسلسل اور پیچ در پیچ کی جگہ "بندر بندر یا چابے پان۔ اُڑ گئی چٹیا رہ گئے کان" کو سراہیں یا یوں کہیئے جیساکہ نسیم دہلوی کہہ گئے ہیں سے زمنبورِ سیاہ خال اُس کے ؛ برگد کی جٹائیں بال اُس کے وقس علی ہذا غرض یہ کہ دن کو رات اور رات کو دن کردیں اور جب یہ ممکن نہیں تو توارد خیالات و تصادمِ تخیلات ایک لازمی اور بدیہی بات ہے جس سے محفوظ و مصئون رہنا ناممکن و محال ہے خدا کو خدا ہی کہیں گے یا کچھ اور؟ یا محض اس ڈر سے خدا کو خدا کہنا چھوڑ دیں گے کہ ماسبق لوگ اس نام سے پکارتے تھے تو ہم کسی اور نام سے معبود کو یاد کریں۔ یہ ایسی نرالی منطق ہے کہ جس کی لغویت ظاہر و باہر ہے۔ اچھا اگر ہم نے بھی خدا کو خدا کہہ دیا تو کیا گناہ ہوا؟ اگر ہماری پاس خاطر اور کچھ مروت اور لحاظ ہے۔ تو معترضین نے کہدیا کہ خیال لڑ گیا، توارد ہوا خیر جان بچی لاکھوں پائے" لیکن ستم تو یہ ہے۔ کہ قلمروِ شاعری میں بلا اخذِ جواب و ترتیبِ فردِ جرم ہم پر سرقہ کا جرمِ فوجداری لگا دیا جاتا ہے جس کی داد نہ فریاد جس کا مرافعہ نہ اپیل، نہ نگرانی نہ نظرِ ثانی، نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ سرگردانی، حیرانی اور پریشانی خالاں کہ ہمارے فرشتوں کو بھی خبر نہیں کہ کوئی کیا لکھ گیا ہے۔ اور یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر اُس کا لکھنا جائز و مستند ہے تو ہمارا کیوں نہ ہو۔ ہم نے کیا کسی کا کولھا کاٹا ہے۔ اس توافقِ خیال پر انصافاً سرقہ جیسے جُرمِ قبیح کی تعریف صادق نہیں آتی اور سوائے اس کے علاج نہیں کہ اس کو بخل اور تنگ نظری کہا جائے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ خیر مجھ بے گناہ کو اگر آپ سرقے ہی کی سزا دینے پر تُلے ہوئے ہیں تو بسم اللہ!

زنداں میں جو زندہ بھیجنا ہو ؎ اپنے دلِ تنگ میں جگہ دو

شاعری کی مشکلات سے میں نابلد نہیں اور پھر مجھ جیسے کم مایہ و بے بضاعت کے لیئے تو جتنی مشکلیں ہوں کم ہیں، جب امیرِ مینائی جیسے نامور شاعر عجز کا اظہار اس طرح کریں سے

امیر اک مصرعِ تر تب کہیں صورت دکھاتا ہے ؎ بدن میں خشک جب ہوتا ہے شاعر کا لہو برسوں

تو مجھ جیسے اناڑی کا اس بحرِ بے پایاں میں ڈبکیاں لینا کچھ تعجب کی بات نہیں۔ جب یہ حال ہو تو میں کس مُنہ سے شاعر ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہوں اور میرا شمار کب شعرا میں ہو سکتا ہے۔ سے

غنچۂ واشدہ را باد بر د یا گلچیں ؎ فاش یارب نشود پردۂ پنہانِ کسے

کریم تجھ کو سمجھ کر غرور میں نے کیا (رباعی) الٰہی تو ہی بتا کیا قصور میں نے کیا

کسی گناہ کی بابت جو ہوگا مجھ سے سوال   کہوں گا سر کو جھکا ہاں حضور میں نے کیا"

ایک بات یہ بھی قابلِ غور ہے کہ کسی شاعر کا کلام خواہ وہ کتنا ہی بلند پایہ اور ماہر کیوں نہ ہو بہ اعتبارِ حسن و خوبی، فصاحت و بلاغت، ابر جستگیٔ مضامین، چستیٔ بندش، غرض یہ کہ جس پہلو اور جس اعتبار اور جس لحاظ سے چاہو دیکھو، اٹھو لو، جانچو، تولو، ممکن نہیں کہ کانٹے کی تول یکساں ہو، اور سر مو فرق نہ نکلے میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اس میں کوئی ہلکا ہوگا کوئی بھاری کوئی آمد ہوگا کوئی آورد یعنی کوئی فرسٹ کلاس ہوگا کوئی سکنڈ کوئی تھرڈ (جسے بھرتی کے شعر سے تعبیر کرتے ہیں) جس کے کلام میں خوبیاں زیادہ ہوں اور نقص کم وہ زرِ خالص ہے۔ باقی عیار، قریب قریب یہی حال ان چند اوراقِ پریشاں کا بھی ہے جن کو دیوان کہتے ہوئے بھی مجھے شرم آتی ہے۔ رطب و یابس جیسا کچھ ہے حاضر ہے

بینا ہیں رقومات ہنر چاہیئے اس کو   سودا ہے جواہر کا نظر چاہیئے اس کو

ہاں انصاف شرط ہے، مگر افسوس کہ انصاف کا میدان صاف ہے۔ ؎

عالم ہے مکدر کوئی دل صاف نہیں ہے   اس عہد میں سب کچھ ہے پر انصاف نہیں ہے

اب میری آبرو ناظرین پُر تمکین کے ہاتھ ہے ؎ چشمِ ہنر بیں بود از عیب پاک۔ وہ بے ہنر از عیب بجوید چہ باک خاکسار نے نثر میں تو کئی کتابیں لکھی ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ وہ اچھی ہیں ع کس نگوید کہ دوغ من ترش است۔ ہاں کان بے شک گنہگار ہیں ع آدمی فربہ شود از راہِ گوش۔ یہ سُن سُن کر میں بھی خوش ہوتا ہوں کہ لوگ پسند کرتے ہیں، میں خوشی سے بغلیں بجاتا اور فخر کرتا ہوں کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔ جس طرح میرے والدِ ماجد (شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم و مغفور) نے آخری عمر میں نظم کی طرف توجہ کی تھی میں نے بھی وہی ڈھنگ اختیار کیا ہے۔ اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ ؎

گرچہ خوردیم نسبتے ست بزرگ   ذرّۂ آفتابِ تابانیم

باپ پوت پتا پر گھوڑا بہت نہیں تو تھوڑا ہی تھوڑا"۔ وہ لکچروں کے ساتھ اس خیال سے ضرور نظم پڑھا کرتے تھے

؎ سخن ہا را بدستورِ خرد مند   ز نظم و نثر باید داد پیوند

کہ گاہے طبع زیں آرام یابد   زمانے زاں دگر ہم کام یابد

رہا میں چوں کہ میں ابھی الکھیرا رہیں ہیں نے کچھ تک بندی شروع کی ہے اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ
میرے حسب حال حضرت اکبر الہ آبادی فرماتے ہیں۔ وللہ درّ من قال ؎

کھولی ہے زباں خوش بیانی کے لیئے (رباعی) اُٹھا ہے قلم گہر فشانی کے لیئے
آیا ہوں کوچۂ سخن میں اکبر نظارۂ شاہدِ معانی کے لیئے

اتنی تمام مغز خراشی کے بعد سیرِ عجز خم کرکے بصد ادب عرض ہے کہ اگر میری جگر کاوی آپ کے پسند آگئی تو میں نے مُنہ مانگی مراد پائی ورنہ اب کھائی تو کھائی پھر کھاؤں تو رام دُہائی" ؎

کاغذ تمام کِلک تمام اور ہم تمام پر داستانِ شوق ابھی ناتمام ہے

یا بہ قول غالب مرحوم ؎ نہ ستایش کی تمنا نہ صلے کی پروا ٭ گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

آخر میں میں جناب ابو المعظم نواب محمد سراج الدین خاں صاحب سائل دہلوی و جناب وحید الدین صاحب بیخود دہلوی۔ جناب سید احسن صاحب احسن مارہروی کا ممنون ہوں کہ ان صاحبوں نے میری متعدد غزلوں کو بہ نظرِ اصلاح ملاحظہ فرمایا ہے اور سب سے زیادہ جناب محمد نوح صاحب نوحِ ناروی کا شکر گزار ہوں کہ صاحب ممدوح الشان نے باوجود تردد و افکار میرے دیوان کو شروع سے آخر تک بہ نظرِ غائر ملاحظہ فرمایا۔ اور اِس قدر توجہِ خاص سے جا بجا حک و اصلاح فرمائی کہ دیوان کی شکل نکل آئی۔ جزاکم اللّٰہ اَحْسَنَ الْجَزَا۔ جناب نوح کی عنایت بے غایت کے شکریئے سے عہدہ برآ ہونا میرے امکان سے باہر ہے۔ اُن کے حق میں دل سے بے ساختہ یہ دعا نکلتی ہے۔ کہ خدا عمرِ نوح عطا کرے۔

وَفَّقَنَا اللّٰہُ بِمَا یُحِبُّ وَیَرْضٰی وَخَتَمَ اَحْوَالَنَا وَآمَالَنَا وَآجَالَنَا بِالْخَیْرِ وَالْحُسْنٰی

مقام دہلی۔ اکتوبر سنہ ۱۹۲۴ء

حررہُ العبد المذنب

بشیر الدین احمد

کانَ اللّٰہُ لَہٗ وَلِوَالِدَیْہِ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

و

نصلّی علی رسولہ الکریم

ردیفِ الف

(۱) (حمد) (۱/۱۴)

حمدِ خدا بشر سے ہو مقدور کیا بھلا — ایسا خدا کہ جس سے نہیں کوئی بھی بڑا
طوبیٰ کی شاخِ تازہ کا لازم ہے وہ قلم — کوثر کے حوض میں جو ہو غوطہ دیا ہوا
بے عیب بے قصور، وہن بھی بیاں بھی ہو — اُس وقت ہو یہ قصد تو کچھ بات ہے بجا
ہو روشنائی ایسی کہ ہو چاند جس سے ماند — ایسی دوات ہو جو ہو سورج سے پُر ضیا
کاغذ وہ ہو کہ نور کا پھیلا ہوا ہو فرش — یا تختۂ بلور کی جگمگ ہو جا بجا
ہر حرف اُس کا درِ عدن کا جواب ہو — سطریں وہ ہوں کہ جن پہ ہو سلکِ گہر فدا
حدِّ عبودیت سے نہ باہر ہوں دائرے — نُقطے فلک پہ جیسے ستارے ہوں خوش نما
عمدہ نشست نوک پلک سے درست ہو — تختہ ہو صحنِ باغ میں پھولوں کا اک کھِلا
خوشبو ہو عطرِ بیز مہک اُس کی تیز ہو — یا رب رسا ہو عرشِ بریں تک مری دُعا
ہوں قافیے درست تو اشعار بھی ہوں چُست — سُنتے ہی لوگ کہہ اُٹھیں کیا خوب مرحبا
ہو جائے ایک حرف جو اس کا وہاں قبول — مجھ جیسے ہیچ کارہ کو درکار پھر ہے کیا
بے شک گناہگار ہوں میں شرمسار ہوں — مایوس پھر بھی تو نہیں بخشش سے اے خدا
اپنے کرم کو دیکھ مری معصیت نہ دیکھ — مژدہ خوشی کا اب دلِ غمدیدہ کو سُنا
کہہ ڈالوں میں جو دل میں مرے مدتوں سے ہے — خاموش کس سبب سے ہوں کھولوں تو مُنہ ذرا
ایسی قدیر قادر و قیوم ہے وہ ذات — ہے جس کی قدرتوں کی نہیں کوئی انتہا
واحد ہے لازوال ہے مختارِ جزو و کُل — بس حکم کی ہے دیر کہا اور ہو گیا

وہم و خیال کا بھی گزر ہی وہاں محال
پھر ذہن کو جو دیکھیے وہ بھی نہیں رسا

انساں فقط بنا ہی عبادت کے واسطے
سب جانتے ہیں نفع ہی اس میں بہت بڑا

اور اس پہ بھی جو لوگ چراتے ہیں جان کو
دشمن ہیں اپنے آپ نہیں اس میں شک ذرا

ماں باپ سے زیادہ ہی بندوں پہ وہ شفیق
داد و دہش ہی ایسی کہ کہتا نہیں ہی "لا" [نہیں]

عفو و کرم زیادہ عقوبت برائے نام
رہتا ہی درِ جناں کا ہمیشہ کھلا ہوا

کالی گھٹا گناہوں کی چھائی ہی سر بسر
باقی نہیں ہی نور کی دل میں ذرا ضیا

شرمندہ ہوں کہ نیک عمل کچھ کیا نہیں
بخشش کی ہو امید پھر ایسے میں کیا روا

کردار ناسزا پر امیدِ نجات ہی
سوچوں تو ہی فضول یہ درخواست تا کجا

ہاں اپنے فضل سے مرا پردہ وہ ڈھانک لے
رسوائیِ گناہ سے عاصی کو لے بچا

اُس کی یہی ہی شان کہ بخشے مرے قصور
بندے کی کچھ نہیں ہی سوا اس کے التجا

ہوتا ہوں اب خدا سے مخاطب بصد ادب
کافی ہی میرے واسطے یا رب تیری رضا

اپنے کیے پہ آپ پشیمان ہوں بہت
مجھ کو نہیں ہی دعویِ پرہیز و اتقا

کچھ ہو کسی کو زعم تو نادان ہی بہت
جھوٹا ہی اُس کا قول غلط اُس کا ادعا

جانے نہ جانے اور کوئی جانتا ہوں میں
جو مجھ میں تجھ میں فرق ہی ظاہر ہی برملا

پتلا ہوں خاک کا جو بنا مشتِ خاک سے
تیرا وہ نورِ پاک کہ از ارض تا سما

ہوں دست و پا شکستہ گرفتارِ غم بھی ہوں
دنیا کے مخمصوں سے مری جان دے چھڑا

عقبیٰ میں میری شرم گنہ تیرے ہاتھ ہی
دوزخ سے تو بچا مری بگڑی کو تو بنا

دیکھا جہاں کو تو ہیں غم و رنج ہر طرف
کوئی مرا معین نہیں ہی ترے سوا

مُلک و زر و جواہر و اولاد و مال سے
کچھ فائدہ نہیں مجھے یہ ہیں نری بلا

کشتی پھنسی بھنور میں ہی گرداب میں ہوں میں
منجدھار میں گھرا ہوا ہوں پار تو لگا

روشن ہو گوشۂ لحد ایماں کے نور سے
ہو خوف بعدِ مرگ نہ منکر نکیر کا

ہو قبر بھی کشادہ نہ ہو کچھ فشار بھی
آسان ہو یہ منزلِ دشوار اے خدا

تن ہے ضعیف اور بہت ناتوان ہے
اس کو فشارِ قبر کی لازم نہیں سزا

دوزخ کی آنچ اور لپٹ کا بڑا ہی ہول
تو اُس کو سرد کر دے مرے حق میں کبریا

اس غم سے میری جان گھلی جا رہی تھی آہ
تھا سر فگندہ محوِ تصور کھڑا ہوا

ناگاہ دی ندا مجھے ہاتف نے غیب سے
پہونچایا میرے کان میں مژدہ بہ جاں فزا

مقبولِ بارگاہِ خدا التجا ہوئی
جنت ملی تجھے ترا بر آیا مدعا

بخشش ہے بے حساب وہاں کچھ کمی نہیں
نادان آنکھ کھول کہ دیکھا ہے تو نے کیا

سارے گناہ بخش دیئے عفو کر دیئے
تو اِس طرف جھکا تو ملا یہ تجھے صلا

دروازے تیرے واسطے جنت کے کھل گئے
بے روک ٹوک جا کے وہاں تو مزے اُڑا

(۲)
یہ مژدہ سُن کے کھل گئیں باچھیں مری بشیر
با صد نیاز شکر کے سجدے کو جھک پڑا
(۲/۷)

نعت

مداح دل سے ہوں میں رسالت مآب کا
آیا ہے خوب ہاتھ وسیلہ جناب کا

جب آپ سا شفیعِ قیامت ہو دستگیر
پھر خوف کیا رہے مجھے روزِ حساب کا

ایمان ہے خدا پہ اور اُس کے رسول پر
مضمون ہے یہ ہی مرے دل کی کتاب کا

پھر خوف کیا ہو مجھ کو کہ اُمت میں ہوں تری
پیری میں ہے کھچا ہوا نقشہ شباب کا

بے شک گناہگار ہوں میں شرمسار ہوں
حاکم مگر خدا ہے عذاب و ثواب کا

بخشش کا کیا حساب کریم و رحیم ہے
جو چاہے مانگ کچھ نہیں موقعہ حجاب کا

(۳)
اُمیدوارِ فضل و کرم کا بشیر ہے
مِل جائے حکم اُس کے لیئے فتحِ باب کا
(۳/۹)

جفا کیجیئے گا ستم کیجیئے گا
محبت بڑھا کر نہ کم کیجیئے گا

انہیں بددعا دوں تو میں کیا سمجھکر
رقیبوں کے مرنے کا غم کیجیئے گا

مرے حال پر اور میرے مکاں پر
خدا جانے کس دن کرم کیجیئے گا

جو ابرو کماں ہی تو ہیں تیرِ مژگاں
نہ تیر و کماں کو بہم کیجیئے گا

بہت دن سے ہی حسرتِ قتل مجھ کو
مرے سر کو کس دن قلم کیجیئے گا

مری لاش کی اس سے قیمت بڑھے گی
جو تکلیف اک دو قدم کیجیئے گا

مرے دل پہ ہی آپ کا نقشِ الفت
مرا نام دل پر رقم کیجیئے گا

نہ تڑپائیے گا دمِ جلوہ ہم کو
ادہر رخ خدا کی قسم کیجیئے گا

بشیر اب تو دُنیا سے عزمِ سفر ہی
ذرا پڑھ کے قرآن دم کیجیئے گا

(۴) (۴/۱۱)

چراغ اسُ نے بجھا بھی دیا جلا بھی دیا
یہ میری قبر پہ منظر نیا دکھا بھی دیا

یہ چھیڑ کیا ہی یہ کیا مجھ سے دل لگی ہی کوئی
جگایا نیند سے جاگا تو پھر سُلا بھی دیا

اُدھر تھا لطف و کرم اُن کا اس طرف تھا عتاب
چراغ اُمید کا روشن کیا بجھا بھی دیا

یہ شوخیاں نئی دیکھیں تمہاری چتون میں
کہ پردہ رخ پہ لیا اور پھر اُٹھا بھی دیا

اِدھر لگاؤ اُدھر برہمی کے ہیں آثار
مجھے پھنسا بھی لیا اور پھر چھُڑا بھی دیا

نکل گئے مری آنکھوں سے سینکڑوں آنسو
خزانہ جمع کیا اور پھر لُٹا بھی دیا

نیا ہی حُسن کے بازار کا اُتار چڑھاؤ
چڑھایا سر پہ نگاہوں سے پھر گرا بھی دیا

ذرا تو پاسِ طلب عاشقوں کا تم کرتے
بُلایا پاس بھی پھر پاس سے ہٹا بھی دیا

یہ انُ کا کھیل تو دیکھو کہ ایک کاغذ پر
لکھا بھی نام مرا اور پھر مٹا بھی دیا

اگرچہ راہِ محبت ہی تنگ و تار مگر
اسی کے ساتھ ہیں عقل کا دیا بھی دیا

بشیر سینگ کٹا کر ملے ہیں بچھڑوں میں
بنے جوان بڑھاپے کا غم بھُلا بھی دیا

(۵) (۵/۱۰)

کیا دل کی تڑپ ہے کہ سنبھالا نہیں جاتا
کانٹا سا کھٹکتا ہے نکالا نہیں جاتا

اُس زلفِ گرہ گیر میں دل اپنا پھنسا ہے
پھندا وہ پڑا ہے کہ نکالا نہیں جاتا

بیماریِ اُلفت کا نہیں کوئی طلبگار
یہ روگ ہی ایسا ہے کہ پالا نہیں جاتا

ہے صدمۂ فرقت سے مری جان لبوں پر
بیٹھا ہے دل ایسا کہ اُچھالا نہیں جاتا

بے طور پیامِ اجل آتا ہے اچانک
کچھ پیش وہاں حیلہ حوالا نہیں جاتا

عصیاں کی کدورت سے نہ ہو قلب مکدّر
ہوتا ہے یہ مَیلا تو اجالا نہیں جاتا

ہم کھاتے ہیں غم تیری محبت میں شب و روز
اب اُس کے سوا ایک نوالا نہیں جاتا

بیمار ہوں کروٹ کا بدلنا بھی ہے مشکل
ہے جس کی پتک دل کا وہ چھالا نہیں چلتا

سرکارِ نظامؔ ایسی ہے بس جس کی زبان پر
جز کلمہ شہادت کے کبھی "لا" (یعنی نہیں) نہیں جاتا

(۶) دو پشت سے سرکارِ دکن کا ہوں نمک خوار
جو حکم بشیرؔ آئے وہ ٹالا نہیں جاتا (۶/۹)

اے قلم جُھک سر کے بَل دانش سے تجھ کو بھر دیا
مثلِ شاخِ خشک تھا لیکن ثمر وَر کر دیا

شُکر تیرا کیا ادا ہو نعمتیں ہیں بے شمار
تو نے اپنے فضل سے کہتر کو بہتر کر دیا

عشق نے پھونکی تنِ قاصد میں جب اک تازہ روح
پر لگا کر شوق نے اُس کو کبوتر کر دیا

اُس کے چہرے کے مقابل چاند بھی تو ماند ہے
چار چاند اس کو لگا کر اُس سے بہتر کر دیا

آئینہ ہے سامنے سُلجھاتے ہیں وہ اپنے بال
دیکھیئے شانے کا رتبہ سر کے ہمسر کر دیا

پھیلی ہے چاروں طرف خوشبو معطّر ہے دماغ
تو نے زلفوں سے زمانے کو معنبر کر دیا

تو نے مشتِ خاک کا رتبہ بڑھایا کس قدر
قطرۂ ناچیز تھا جس کو سمندر کر دیا

سینے میں لیتا ہے لہریں جوشِ بحرِ معرفت
ہے تعجب بند کوزے میں سمندر کر دیا

(۷) واہ کیا کہنا ہماری طبع موزوں کا بشیرؔ
ہم سخن ور ہو گئے اُس نے سخن ور کر دیا (۷/۹)

کہیں کیا حال بربادی کا ہم اے باغباں اپنا
بہارِ گل میں ہم سے چھوٹتا ہے خانماں اپنا

چمن سے ہو کے رخصت ہم نہ کیوں ہوں نالہ کش ہر دم
ملا صیاد کا گھر اور چھوٹا آشیاں اپنا

کریں فریاد تو کس سے کہیں حالاتِ غم کس سے
نہ ہمدم ہے نہ مونس ہے نہ کوئی رازداں اپنا

سرشکِ اشک بہتے ہیں پڑے آٹھوں پہر میرے
نہ پوچھو دل کی حالت چھٹ گیا ہے جانِ جاں اپنا

گلے کا ہو گیا ہے ہار جائے گا یہ جی لے کر
بھلا کب چین لینے دے گا دردِ جانستاں اپنا

مزا ہو خوب ہی مل جائے موقعہ سے جو محشر میں
خدا سے مانگ لوں تجھ کو کہ ہے تو دلستاں اپنا

نہیں ہے کوئی خواہاں جس کا وہ ہوں جنسِ ناقابل
چھپایا قعرِ گمنامی میں ہیں نے خود نشاں اپنا

رہا دنیا میں جب تک سینکڑوں آرام تھے مجھ کو
نہ اطمینان تھا غم سے نہ دل تھا شادماں اپنا

(۸)
بشیر اب کیا نتیجہ ہند کے مہمان رہنے سے
مدینے چل کے دیکھیں ہے وہ کیسا میزباں اپنا
(۸/۱۲)

دل مرا عشق سے معمور ہوا خوب ہوا
اور جو کچھ تھا الم دور ہوا خوب ہوا

ٹھوکریں کھائیں حوادث کی ہزاروں ہیں نے
نفسِ سرکش مرا مجبور ہوا خوب ہوا

ایک دو ہوں تو کہوں کیا ہو مصائب کا شمار
دل جو آرام سے رنجور ہوا خوب ہوا

ہو گئی اس میں کھپت رنج و الم کی مشکل
شیشۂ دل جو مرا چور ہوا خوب ہوا

پہلے جس زخمِ جگر کا کوئی کرتا تھا علاج
اب اسی زخم میں ناسور ہوا خوب ہوا

اب تو حسرت کسی رستے سے نکل جائے گی
دل مرا خانۂ زنبور ہوا خوب ہوا

اب نہ احساس خوشی کا ہے نہ غم کا کچھ غم
ہوش بھی دل سے جو کافور ہوا خوب ہوا

سالکِ منزلِ مقصود ہے تکلیف سے خوش
غم میں یہ کہہ کے وہ مسرور ہوا خوب ہوا

کرتا کچھ کسبِ کمال ایسا مقدر تھا کہاں
بے کمالی ہی میں مشہور ہوا خوب ہوا

نفسِ سرکش نے ابھارا تھا مجھے بھی لیکن
خود گرا اور یہ مجبور ہوا خوب ہوا

عمر تو رندی و مستی میں گزاری میں نے
اب مے عشق سے مخمور ہوا خوب ہوا

(۹)

ہاتھ خالی ترے دربار میں آیا تھا بشیر
پا کے وہ خلد کو مسرور ہوا خوب ہوا

(۹/۹)

کیوں سر پہ لیا بار اگر ہو نہیں سکتا
ہمت نہ ہو تو معرکہ سر ہو نہیں سکتا

روشن ہے زمانے پہ یہ معلوم ہے مجھ کو
بڑھ کر ترے چہرے سے قمر ہو نہیں سکتا

دن رات ترے عشق و محبت میں ستمگر
کرتا ہوں بہت صبر مگر ہو نہیں سکتا

انساں کے سوا کوئی نہیں اشرفِ مخلوق
ہر قطرۂ ناچیز گہر ہو نہیں سکتا

کھوٹے کو کھرا مان لے کیوں کوئی مبصر
تانبے پہ ملمع ہو تو زر ہو نہیں سکتا

اچھے برے انساں ہیں موجود جہاں میں
ہر شخص کو دیکھو تو بشر ہو نہیں سکتا

ہر باغ میں ہیں سیکڑوں ہی قسم کے پودے
ہر نخل تو طوبیٰ کا شجر ہو نہیں سکتا

دُنیا میں ہمیں شاکیِ قسمت بھی ملیں گے
ہر شاخ پہ ڈھونڈیں تو ثمر ہو نہیں سکتا

(۱۰)

اچھا ہے بشیر اب جو چھپاتے ہیں وہ آنکھیں
دل اب ہدفِ تیرِ نظر ہو نہیں سکتا

(۱۰/۹)

دل میرا مچلتا ہے سنبھل جائے تو اچھا
بے تاب کا یہ حال بدل جائے تو اچھا

مشکل ہے ترا وصل مگر پھر بھی ہوں طالب
ارمان مرے دل کا نکل جائے تو اچھا

الفت میں کسی کے مجھے سودائے جنوں ہے
سر سے یہ بلا مرے جو ٹل جائے تو اچھا

گن گن کے ستم تو نے کیے ہم نے سہے سب
تلوار کا اک وار بھی چل جائے تو اچھا

جو پیچ ترے دل میں پڑا میری طرف سے
سامان ہو ایسا کہ نکل جائے تو اچھا

اشکوں سے تو ہم سینچتے ہیں اس کو شب و روز
گلزارِ تمنا کبھی پھل جائے تو اچھا

گُل شمعِ تمنا تو ہوئی بادِ مخالف
تقدیر موافق ہو وہ جل جائے تو اچھا

کس کام کا وہ دل ہے نہ ہو جس کا مکیں تو
ویرانہ مکاں جو ہو وہ جل جائے تو اچھا

کیا شرم نہیں تجھ کو بشیر اپنے کیے پر
جو طرز ترا تھا وہ بدل جائے تو اچھا

(۱۱) خانۂ دل حسرتوں سے اُس نے کیسا بھر دیا — کیا بھلا چنگا تھا میں دیوانہ مجھ کو کر دیا (۱۱/۱۲)

ہم بھٹک کر لذتوں تک جا بجا پھرتے رہے — لیکن آخر کار ہم کو خوب اک رہبر دیا

یوں تو لاکھوں اہلِ لعنت ہم نے دیکھے خلق میں — عشق میں کامل وہی ہی جس نے اپنا سر دیا

شکر تیرا کس طرح سے ہو ادا طاقت نہیں — کیسی النعمت کی عطا جو سایۂ داور دیا

غور سے دیکھو کوئی مفلس کوئی محتاج ہی — ہم پر اُس کا فضل ہی لاکھوں سے بہتر کر دیا

مرتبہ اُس نے بڑھایا کیا ہی مُشتِ خاک کا — اک خزف سے دیکھیئے انساں کو جوہر کر دیا

قدرتِ حق ہر طرف ہی خلق میں پھیلی ہوئی — کس طرح اُس نے صدف کو موتیوں سے بھر دیا

چشم وا ہو تو ہمیشہ دیکھیئے قدرت کے کھیل — ایک کو مفلس بنایا دوسرے کو زر دیا

کس کی ہمت ہی کہ دعویٰ پرورش کا کر سکے — کیا ہی یہ دنیا کسی نے ایک دو دن گر دیا

مشکلیں آسان ہوں دونوں جہاں کی ای خدا — پار اگر بیڑا ہمارا روزِ محشر کر دیا

گھر ہی بیٹھے روز پوہنچاتا ہی روزی بے گماں — جتنا تو نے جس کسی کے ہی مقدّر کر دیا

(۱۳) شکر کرنا چاہیئے ممنون ہونا چاہیئے — مال و دولت سے بشیر اُس نے ترا گھر بھر دیا (۱۲/۱۳)

دامانِ صبر غم میں ترے چاک ہو گیا — دل جل گیا کباب ہوا خاک ہو گیا

وہ دوست جس سے مجھ کو بہت کچھ تھی تقویت — کیسی نگاہ پھیر کے سفاک ہو گیا

جس پر ہمیشہ میں رہا سو جان سے نثار — کیسا وہ اب بدل گیا بیباک ہو گیا

دل سے جو وہ گئے تو گئی وہ نشاطِ دل — عشرت کدہ یہ سارا المناک ہو گیا

ایسی گھٹا ہی چھائی مصائب کی کچھ نہ پوچھ — ساری خوشی ہوا ہوئی غمناک ہو گیا

تقدیر کا بگاڑ بھلا کیا سنور سکے — تھا جو مکاں چمن بخس و خاشاک ہو گیا

مرنے سے پہلے موت کی لذت اُٹھائی ہی — دُنیا ہی میں کفن مری پوشاک ہو گیا

کیسی خوشی کہاں کا الم میں نے جان دی — دیکھو سرے سے قصّہ ہی اب پاک ہو گیا

دُنیا کے رنج و غم کو نہیں جب ثبات کچھ
دامانِ صبر کس لیئے پھر چاک ہو گیا

عصیاں کی تیرگی سے ہوا کیا ہی روسیاہ
دل جو خدا کا گھر تھا وہ ناپاک ہو گیا

دُنیا بھلی کٹی کہ بُری اس کا غم نہیں
میں دین کے الم سے المناک ہو گیا

محشر میں پار ہو گئی کشتی گناہ کی
میرا جو ناخدا شہِ لولاک ہو گیا

(۱۳)
روئے بشیر یوں دمِ تحریر آرزو
کاغذ ہمارے نامے کا نمناک ہو گیا
(۱۳/۹)

کیا انقلابِ عشق زمانے میں ہو گیا
جاگا جو ایک بار مقدّر وہ سو گیا

مُلکِ عدم سے کوئی بھی اب تک پھرا نہیں
نکلا نہیں حصار سے وہ اس کے جو گیا

عیش و نشاط ہی کا مرے دل کو غم نہیں
وہ دن بھی چل دیئے وہ زمانہ بھی تو گیا

دُنیا میں چین کس کو ملا ہے تمام عمر
اول جو ہنس دیا وہی آخر کو رو گیا

نکلا ہے جستجو سے یہ اچھا مآلِ عشق
سعی و تلاش میں تری میں آپ کھو گیا

(۱۴)
وہ زندہ دل بشیر کہ جن کی ہر ایک بات
دُنیا میں مانی جاتی تھی، دُنیا سے لو گیا
(۱۴/۱۲)

اُس ناوکِ نظر کے کمالوں کو دیکھنا
دل میں ہے زخم کے چھالوں کو دیکھنا

اس روئے پُر جمال پہ بالوں کو دیکھنا
گوروں کے بعد چاہیئے کالوں کو دیکھنا

اے دل نگاہ گیسوئے پیچیدہ پر نہ کر
لٹکیں گے جب کمر پہ تو بالوں کو دیکھنا

دل چھید کے رہ گیا کبھی آنکھیں اگر لڑیں
اُن کی نگاہِ ناز کے بھالوں کو دیکھنا

دل بدحواس ہے تو جگر بے قرار ہے
ہاں تم ان اپنے ناز کے پالوں کو دیکھنا

کیا اور مشغلہ ہے مرا مشغلہ یہ ہے
رہ رہ کے روز حور جمالوں کو دیکھنا

جو کچھ نصیب میں ہے وہ پیش آئے گا ضرور
بیکار ہے یہ آپ کا فالوں کو دیکھنا

بیٹھے ہیں جھونپڑے میں مگر دھن محل کی ہے
اچھا نہیں ہے خام خیالوں کو دیکھنا

گزرے ہیں کیسے کیسے زمانے میں اہلِ عشق
سب پر ہے فرض اُن کی مثالوں کو دیکھنا

تعلیم کا ہے شوق تو تم علمِ دیں پڑھو
کام آئے گا نہ کچھ بھی رسالوں کو دیکھنا

آئندہ کا خیال کرو تم فضول ہے
گزرے ہوئے زمانے کے سالوں کو دیکھنا

(۱۵)

پژمردہ دل ہے بادِ حوادث سے اے بشیر
پت جھڑ ہوئی تو کیا ہے نہالوں کو دیکھنا

(۱۵/۱۶)

رہنے کو تو جہان میں برسوں بشر رہا
لیکن قضا کا غم رہا مرنے کا ڈر رہا

دامان آنسوؤں سے ہمیشہ ہی تر رہا
افسوس اپنے آپ پہ ہے کیوں نہ مر رہا

ہر وقت عشقِ یار کا مجھ پر اثر رہا
سوزِ جگر رہا کبھی دردِ جگر رہا

اب کیا اُمید ہو کہ مرے گھر وہ آئیں گے
نالہ بھی جا کے تا بفلک بے اثر رہا

دُنیا میں آ کے چین نہ پایا تمام عمر
جب تک جیئے ہمیشہ غمِ دردِ سر رہا

فتنہ فساد شور و شغب لوٹ مار بھی
دیکھا جدھر جہاں میں یہی شور و شر رہا

شاخِ مراد سوکھ کے بے کار ہو گئی
میرا نہالِ غم ہی مگر بار ور رہا

عقبیٰ کی فکر بھول کے بھی تو نے کچھ نہ کی
ہے حیف کیسا بند یہ توبہ کا در رہا

تم نے جفا سے کام لیا تو یونہیں سہی
شرطِ وفا دکھاؤں گا زندہ اگر رہا

کیسا جوابِ نامہ مرا کیا پیامِ شوق
پھروں کسی کے در پہ کھڑا نامہ بر رہا

مضمونِ شوق طول، مگر وقت مجھ کو کم
نامہ اگر لکھا تو وہی مختصر رہا

میں دشمنوں سے ظلم کی فریاد کیوں کروں
یہ وہم یہ گمان تمہیں بیشتر رہا

مجھ کو خبر نہیں ہے مرے حالِ زار کی
آنے کا انتظار ترا عمر بھر رہا

بھولا نہیں ہوں میں تجھے مرنے کے وقت بھی
مجھ کو ترا خیال رہا کس قدر رہا

ہر چند تو نے ظلم کیے جور بھی کیے
لیکن خیال تیرا ہی آٹھوں پہر رہا

حالِ بشیر سے تمہیں کیا آگہی نہیں
دُنیا کے گوشے گوشے میں وہ نامور رہا

(۱۶) مدعا جینے کا حاصل مجھے اے دل نہ ہوا
عمر برباد گئی حق سے بھی واصل نہ ہوا (۱۶/۱۱)

مجھ کو دنیا سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا
جیسا جاہل تھا رہا ویسا ہی عاقل نہ ہوا

کوچۂ عشقِ بتاں میں ہوئی اُس کی ذلّت
مسلکِ عشقِ حقیقی پہ جو مائل نہ ہوا

وہ برُا اور ہے قسمت بھی بہت اُس کی بُری
اچھے لوگوں میں جو دم بھر کو بھی شامل نہ ہوا

توڑ ڈالا بُتِ کافر نے اُسے ہاتھوں سے
ایک پتھر کے برابر بھی مرا دل نہ ہوا

دل قناعت سے ہے لبریز طبیعت ہے غیور
اپنے مالک کے سوا غیر سے سائل نہ ہوا

تو نے بھولے سے بھی اک روز نہ کی یاد اُس کی
ایک دم بھی جو تری یاد سے غافل نہ ہوا

ہار پھولوں کے مقدر پہ ہیں اپنے نازاں
ہاتھ گردن میں مرا اُس کی حمائل نہ ہوا

زندگی ختم ہوئی شوقِ شہادت میں مری
مستعد قتل پہ اک روز وہ قاتل نہ ہوا

بے کمالی میں بھی کامل نہ ہوا ہائے نصیب
کچھ ہنرمند ہوں یہ نقص ہے جاہل نہ ہوا

(۱۷) نقص کا اپنے مجھے آپ ہی اقرار بشیر
ساری باتوں میں ادھورا رہا کامل نہ ہوا (۱۷/۱۸)

مرے دل کو آرزو تھی کہ وہ ہمکنار ہوتا
نہ یہ اضطراب ہوتا نہ یہ انتشار ہوتا

مرے بخت میں جو لکھا کبھی وصلِ یار ہوتا
نہ تو غم زدہ ہی ہوتا نہ تو دل فگار ہوتا

جو وہ نونہالِ خوبی کبھی ہمکنار ہوتا
بڑے لطف سے گزرتی دلِ پُر بہار ہوتا

ترے دل کے آئینے میں جو وفا کے نقش رہتے
تو صفائے باہمی سے نہ کبھی غبار ہوتا

ہمیں یہ جنوں نہ ہوتا تو نہ خستہ حال ہوتے
نہ ہمارا یوں گریباں کبھی تار تار ہوتا

وہ جو بھولے سے بھی کرتا ہمیں یاد دو گھڑی کو
تو خوشی سے پھول جاتا مجھے افتخار ہوتا

جو نگاہِ مہر اُس کی کبھی ایک بار پڑتی
تو نہ شکوہ بے رخی کا مجھے بار بار ہوتا

کبھی خواب میں بھی ہوتا جو کسی کا وصل حاصل
تو نہ اس طرح تڑپتا نہ میں اشکبار ہوتا

ہے یہ وصل کا تصور سببِ قرارِ خاطر
وہ تو بات اور ہوتی جو وہ ہمکنار ہوتا

ترے وعدے کو غلط ہیں جو کہوں تو کیوں کہوں میں
جو مجھے یقیں نہ آتا تو نہ انتظار ہوتا

مری خوش نصیبیاں تھیں اگر آتا وہ ستم گر
کبھی جان صدقے کرتا کبھی میں نثار ہوتا

جو مجھے خبر یہ ہوتی کہ کٹھن ہے راہِ اُلفت
تو اُدھر کا رخ نہ کرتا نہ میں اشکبار ہوتا

یہ غضب ہے دل مرا ہی نہیں سنتا بات میری
جو مرے کہے میں ہوتا تو نہ بے قرار ہوتا

مری دل کی آرزوئیں جو بر آتیں اہلِ گلشن
یہ چمن شگفتہ رہتا نہ یہ خار زار ہوتا

یہ مصیبتیں جہاں کی مرے ہی نصیب میں تھیں
جو نہ ہوتا بخت ایسا تو نہ خلفشار ہوتا

مرا دستِ شوق ہوتا جو تمہاری زیبِ گردن
مرے پاس غم بھٹکتا نہ گلے کا ہار ہوتا

مرے کام اچھے ہوتے تو میں خوار ہی نہ ہوتا
وہیں قرب میں کسی کے مرا بھی مزار ہوتا

(۱۸)
نہیں اے بشیر اپنا کوئی دوستِ عاشقی میں
بھلا کس کو یہ پڑی تھی کہ وہ یارِ غار ہوتا
(۱۸/۱۲)

دم رہا جب تک مسلّط غم رہا
روز مجھ کو اک نیا ماتم رہا

میں اٹھاؤں آپ کے ظلم و ستم
اس قدر مجھ میں کہاں اب دم رہا

مجھ سے پوچھو دہر کی نیرنگیاں
جب نظر کی اک نیا عالم رہا

میرے دل کو کب مِلی غم سے نجات
جس طرح تھا اُس طرح پیہم رہا

محو اُس کی یاد دل سے کب ہوئی
نقش جو دل میں پڑا وہ جم رہا

ہر طرف بھٹکا پھر لبے سود میں
کچھ نہ پایا اور نامحرم رہا

اپنے عصیاں کی گرانی کیا کہوں
جس سے مدِ راست میں بھی خم رہا

دیکھیئے ہوتا ہے کیا انجامِ کار
دغدغہ اس بات کا ہر دم رہا

نامۂ اعمال اشکوں سے دُھلا
گریۂ پیہم سے کاغذ نم رہا

تھا جو عشقِ اقدس کا کُل سب مجھے
اُس کا مرتے وقت تک کچھ غم رہا

حشر کو یارب نہ دامن تر اُٹھوں
خوف دامن گیر یہ ہر دم رہا

(۱۹)

کون سی نیکی ہوئی تجھ سے بشیر
اتنے دن زندہ رہا کیا کم رہا

(19/11)

دُنیا میں ہم نے اگر پُر لطف خواب دیکھا
جو کچھ نہ دیکھنا تھا وہ بے حجاب دیکھا

دل پر جو مرے گزری کیا آپ کو بتاؤں
دُنیا میں سَو طرح کا میں نے عذاب دیکھا

کب سوزِ غم سے پائی میں نے نجات ہمدم
سینے پہ جب نظر کی دل کو کباب دیکھا

جس زندگی پہ غافل ہے نازِ فخر تجھ کو
بحرِ جہاں میں اُس کو مثلِ حباب دیکھا

کیا طرفہ ماجرا ہے ہاں غور سے جو دیکھو
ثمرہ کیے کا اپنے ہم نے شتاب دیکھا

گو بھول کر کسی دن ہم راستی سے بھٹکے
بے شک نتیجہ اُس کا بالکل خراب دیکھا

نیکی کا پھل ملے گا، نیکی کرے تو کوئی
کارِ ثواب کر کے کس نے عذاب دیکھا

بچپن کے دن تو سارے نادانیوں میں گزرے
پھر ہوش جب سنبھالا اپنا شباب دیکھا

پیری جو سر پہ آئی آفت ہزار لائی
ہم نے نئی مصیبت تازہ عذاب دیکھا

مذہب کی چاشنی بھی کچھ ایسی بامزہ ہے
جس کو یہاں پہ دیکھا کیا مستطاب دیکھا

(۲۰)

کیا ہو بشیر خوش دل جب غم میں وہ گھرا ہو
پُر اضطراب پایا پُر اضطراب دیکھا

(۲۰/۹)

جو غافل جوانی میں سوتا رہے گا
ضعیفی میں پچھتا کے روتا رہے گا

یہ دن پھر میسر کہاں تجھ کو ہوں گے
اگر تو یونہیں ان کو کھوتا رہے گا

ترے سب گنہ عفو ہوں گے، اگر منہ
ندامت کے اشکوں سے دھوتا رہے گا

نہیں اشکباری جو اپنے کیے پر
تو کیا نام اپنا ڈبوتا رہے گا

تجھے این و آں کا تردد عبث ہے
مقدر میں جو ہے وہ ہوتا رہے گا

(۲۱)

بشیر اپنی طبع گہر بار سے اب
لڑی موتیوں کی پروتا رہے گا

(۲۱/۱۲)

[illegible]

(١٨)

[illegible]

[illegible]

کیا لکھیئے اُسے شکوہ، قلم اُٹھ نہیں سکتا
پھر ضبط کریں تو یہ ستم اُٹھ نہیں سکتا

کٹتی ہے شبِ ہجر مصیبت سے ہماری
یہ کہہ نہیں سکتے کہ الم اُٹھ نہیں سکتا

محشر کا وہ کھٹکا ہے کہ اوسان خطا ہیں
اب آخری منزل سے قدم اُٹھ نہیں سکتا

کم حوصلہ دل، اپنے مقدر کو بدل ڈال
دُنیا کا اگر تجھ سے الم اُٹھ نہیں سکتا

لائے جو رخِ صاف، ہوئے وہ سیہ رُو
مُنہ اُن کا سوئے مُلکِ عدم اُٹھ نہیں سکتا

دل دے کے کسی شوخ کو دی جانِ حزیں بھی
اب میری محبت کا بھرم اُٹھ نہیں سکتا

دونوں سے ہوں مردود نہیں ایک کا پابند
رُخ اپنا سوئے دیر و حرم اُٹھ نہیں سکتا

وہ بارِ گراں ہے ترے احسان کا سر پر
سر مجھ سے مرا تیری قسم اُٹھ نہیں سکتا

مانا تمہیں اللہ نے دی دولتِ دارین
بے کار ہے جب دستِ کرم اُٹھ نہیں سکتا

دُنیا سے چلے ٹھاٹھ امیری کے نہیں ساتھ
کیا کیجیے کہ نقارہ علم اُٹھ نہیں سکتا

تقدیر کا لکھا کبھی میٹے سے مٹا ہے
جو حرف ازل سے ہے رقم اُٹھ نہیں سکتا

(۲۲)

کیوں کر نہ کرے آہ بشیر جگر افگار
ہر روز کا ہر وقت کا غم اُٹھ نہیں سکتا

(۲۲/۸)

وہ ہو گئے ہمارے لیئے چاند عید کا
مشتاق سال بھر ہمیں رکھتے ہیں دید کا

جی چاہتا ہے مُلکِ عدم کا سفر کریں
ہونا ہے اپنا قصد مقامِ بعید کا

اُس شوخ کو گئے ہوئے برسوں گزر گئے
یہ کیا ستم ہے خط بھی نہ بھیجا رسید کا

تم آؤ تو ابھی تنِ مُردہ میں جان ہے
بیمارِ عشق رکھتا ہے ارمان دید کا

مانا کہ قیمتی ہے، مگر مفت نذر ہے
موقع یہ خوب ہے مرے دل کی خرید کا

عاشق پر اس قدر ہوں ستم ہے ستم کی بات
ہاں بے وفا، یہ وقت ہے ہَل مِن مزید کا

دُنیا میں تو نہ چین ملا کوئی دم مجھے
اک اُڑ دل کو دھڑکا ہے یوم الوعید کا

کیوں در بدر بھٹکتا ہے، کیا فائدہ بشیر
دامن پکڑے تو کسی فردِ فرید کا

دیکھ کر اُن کو نہیں رہتے مرے ہوش و حواس
لیکن ایسا بھی نہیں ہوں کہ پھسل جاؤں گا

بے رُخی جتنی ہو وہ شوق سے کرتے جائیں
اُن کے در سے نہ ٹلا ہوں نہ تو ٹل جاؤں گا

ظرفِ عالی ہے مرا حوصلہ کچھ تنگ نہیں
بات وہ کون سی ہے جس سے اُبل جاؤں گا

اپنے مذہب کا ہوں پکا نہیں کچھ شک اس میں
ایسے مسلک سے بھلا کیوں کے ٹل جاؤں گا

غرقِ دریائے معاصی ہوں مگر ہے اُمید
میں سہارے سے شفاعت کے اُچھل جاؤں گا

جی نہ گھبرائے گا تنہائیِ مرقد سے بشیر
اُس کی تصویر لیے زیرِ بغل جاؤں گا

(۲۵) ($\frac{۲۵}{۱۵}$)

کچھ شغل نہیں میرا، جز آہ و بکا کرنا
فرقت میں تری رونا، یا ہاتھ ملا کرنا

مجھ کو تو شکایت ہے، مجھ کو تو گلا کرنا
اور آپ کو لازم ہے، دل لے کے دغا کرنا

نادان ہیں اب تک وہ، واقف ہی نہیں اس سے
کیا چیز محبت ہے، کیا شے ہے وفا کرنا

یہ بات تمہاری بھی، دُنیا سے انوکھی ہے
اپنوں سے لڑا کرنا، غیروں سے مِلا کرنا

جو دل میں ہے کہہ ڈالو، جو ہونا ہے ہو جائے
ہے فکرِ عبث تم کو، کیوں سوچ ہے کیا کرنا

جو پند و نصیحت کی، ناصح نے بجا وہ کی
جب دل نہ ہو کہنے میں، فرمایئے کیا کرنا

دلدار ہیں بے دل ہیں، کیا فرق ہے بس یہ ہے
بیدل کو وفا کرنا، دلبر کو جفا کرنا

تم ظلم کے عادی ہو، غم سہنے کا میں خوگر
ہے دونوں میں کون اچھا، انصاف ذرا کرنا

کیوں ایسی رکاوٹ ہے، کیوں اتنی بناوٹ ہے
کیوں صاف نہیں کہتے، منظور ہے کیا کرنا

خنجر بھی نکلتے ہیں، تیور بھی بدلتے ہیں
اُن کی تو یہ عادت ہے، میرا نہ کہا کرنا

گھونگھٹ بھی نہیں اُٹھتا ہے لب پہ خموشی بھی
کب رسمِ مروت ہے، خلوت میں حیا کرنا

اُمید نہ بر آئی، یہ دل کی رہی دل میں
اب رازِ محبت کا اظہار ہی کیا کرنا

میں اپنوں سے کہہ آیا، صحرا ہے مرا مسکن
تم چاک گریباں کو، آ آ کے سیا کرنا

سودا ہے یہی سر میں، قدموں پہ ترے سر ہو
دل تجھ کو دیا ہے تو، دم تجھ پہ فدا کرنا

(۲۶)

گھبرا کے بصد حسرت، کہتا ہے بشیر احمد
کب تک غمِ فرقت میں، مر مر کے جیا کرنا

(۲۶/۱۴)

سامنے میرے ترا روئے درخشاں نہ رہا
زیست بے لطف ہے جب زیست کا ساماں نہ رہا

قدرداں جب نہ ہوا کیا قدرِ کارو نارو ئیں
جنس کیا پیش ہو جب جنس کا خواہاں نہ رہا

آپ دل میں نہ رہیں آپ کا ارماں تو رہے
گھر وہ کس کام کا جس میں کوئی مہماں نہ رہا

جوشِ وحشت نے کیا تیز وہ ناخن کو مرے
تارِ داماں نہ رہا تارِ گریباں نہ رہا

چارہ سازی کی مری فکر ہے احباب کو کیوں
سب ہے جب سُن چکے ہیں قابلِ درماں نہ رہا

دل سنبھالے سے سنبھلتا ہے کہیں اے ناصح
غم کی غایت نہ رہی ہاں رنج کا پایاں نہ رہا

آپ کو دل سے غرض ہے کہ صفت ہے دل کی
دل کی تعریف ہی کیا جب کوئی ارماں نہ رہا

آدمی نام کے دُنیا میں ہزاروں دیکھے
فی الحقیقت کوئی اب کام کا انساں نہ رہا

سرگزشتِ دلِ بے تاب وہ کیا پوچھتے ہیں
دل اگر ہے بھی تو اُس میں کوئی ارماں نہ رہا

ادعا دین کا پھر دین کے برعکس عمل
ہر طرف دیکھ لیا کوئی مسلماں نہ رہا

اگلی سی باتیں کہاں، اگلے سے اخلاق کہاں
دَوْر تو دَوْر اب اُس دَوْر کا انساں نہ رہا

ہم کو یہ علم ہے ہم جانتے ہیں خوب اِسے
علم کا حرف بھی تحصیل کے شایاں نہ رہا

(۲۷)

اس کو کہتے ہیں اثر موجِ حوادث کا بشیر
ناؤ ڈوبی نہیں، وہ ناؤ کا ساماں نہ رہا

(۲۷/۱۴)

جلوہ افروز اگر قلب میں ایماں نہ ہوا
وہ مسلمان ہوا تو بھی مسلماں نہ ہوا

جلوۂ معرفتِ حق سے وہ تاباں نہ ہوا
جزو جس سینے میں سی پارۂ قرآں نہ ہوا

جس کی فطرت میں نہیں جوشِ محبت کا وجود
عقل انساں میں تو انساں وہ انساں نہ ہوا

کس کو زحمت نہ ہوئی کس کو ندامت نہ ہوئی
کون حیراں نہ ہوا کون پریشاں نہ ہوا

غم و اندوہ و الم حسرت و یاس و حرماں
کون سا دن تھا جو دل میں مرے مہماں نہ ہوا

وہ بھی ہیں کوئی کہ ارمان بر آئے جن کے
جیتے جی اپنا تو پورا کوئی ارماں نہ ہوا

دھجیاں جیب و گریباں میں نہ باقی رہتیں
کیا کروں ہاتھ مرا دستِ گریباں نہ ہوا

میں سبکدوش ہوا بارِ امانت سے مگر
تجھ سے سفاک کا منت کشِ احساں نہ ہوا

صدمے پر صدمے سہے اور نہ اُف کی ہم نے
اور اس پر بھی وہ بے درد پشیماں نہ ہوا

میں جو کہتا ہوں سمجھئے اسے پتھر کی لکیر
یہ مرا قول ہی کچھ آپ کا پیماں نہ ہوا

بات میری کبھی مانی ہی نہیں اُس بُت نے
کہنا اُس کا ہی ہوا میرا کبھی ہاں نہ ہوا

شاعری ہو چکی اب نثر فقط باقی ہے
غالب و ذوق سا کوئی گہر افشاں نہ ہوا

کرتے ہیں لوگ بڑے درد سے احساس بشیر
سب نوا سنج ہوئے تو ہی غزل خواں نہ ہوا

(۲۸/۱۲)

(۲۸)

چاک وحشت میں گریباں ہوا تھا سو ہوا
میں کبھی اتنا ہراساں نہ ہوا تھا سو ہوا

بخت واژوں سے ہوا مجھ کو میسر نہ فراغ
رنج و زحمت کا جو ساماں نہ ہوا تھا سو ہوا

بے طرح مجھ کو کیا کیسا حوادث نے تباہ
آج تک ایسا پریشاں نہ ہوا تھا سو ہوا

لے گئی کھینچ کے پاس اُن کے مری حسرتِ دل
دیکھ کر میں اُنہیں حیراں نہ ہوا تھا سو ہوا

رات کاٹے نہ کٹی مجھ کو تڑپتے گزری
صدمہ ایسا شبِ ہجراں نہ ہوا تھا سو ہوا

اس کو کہتے ہیں اثر نام ہے اس کا تاثیر
میرے رونے پہ وہ گریاں نہ ہوا تھا سو ہوا

زخم ہائے دلِ جاں باز کی لذّت کو نہ پوچھ
دل مرا وقفِ نمکداں نہ ہوا تھا سو ہوا

تیر سینے میں گڑا آنکھوں نے خوں برسایا
زخمِ دل روح کا سوہاں نہ ہوا تھا سو ہوا

میری تقدیر کی گردش کے کرشمے میں یہ سب
جو نہ ہونا تھا ہوا، ہاں نہ ہوا تھا سو ہوا

یہ کوئی عشق و محبت کی کرامت دیکھے
دل کبھی اپنا پشیماں نہ ہوا تھا سو ہوا

کھینچ کر لائی مری موت مجھے مرقد میں
آج تک گور کا مہماں نہ ہوا تھا سو ہوا

کیا خدا داد اثر ہے تری باتوں میں بشیر
فضلِ حق دیکھ سخنداں نہ ہوا تھا سو ہوا

(۲۹) آپ گھر سے مرے پھر جایئے گا — پہلے فرمایئے کب آیئے گا (۲۹/۱۴)
جَور کرنے سے نہ گھبرایئے گا — ظلم پر ظلم کیے جایئے گا
ظلم پر آپ نے باندھی ہے کمر — میں کہے دیتا ہوں پچھتایئے گا
شوق سے آپ ستالیں مجھ کو — اِس ستانے کا مزہ پایئے گا
دل میں جو کچھ ہو وہ کہہ ڈالیئے اب — کچھ سُنوں میں بھی تو فرمایئے گا
میں تو اظہارِ وفا کرتا ہوں — سیدھی باتوں کو نہ اُلجھایئے گا
پھنس گیا گیسوئے پُرپیچ میں دل — اب اسے آپ ہی سُلجھایئے گا
اک نہ اک دن تو کھُلے گا سچ جھوٹ — اب قسم جھوٹی نہ پھر کھایئے گا
قدر اُس وقت مری کچھ ہوگی — جب عدو سے کوئی دکھ پایئے گا
آپ کا حسن ہے دل کش لیکن — کچھ سمجھ سوچ کے اترایئے گا
میں تو کہہ دوں گا پتے کی باتیں — آپ سن کر تو نہ شرمایئے گا
اور کیا کیجیئے گا اُلفت میں — کشتۂ ناز کو تڑپایئے گا
قبر میں آئی یہ کہہ تیری یاد — خانۂ تنگ میں گھبرایئے گا
غیر کے سوگ میں گھُل جائے گا وہ — دل کو اپنے جو نہ بہلایئے گا
اس خموشی سے اُلجھتا ہوں میں — کچھ نہ کچھ آپ کہے جایئے گا

(۳۰) کون ہے آپ کا ہمدرد بشیر
زخمِ دل کس کو یہ دکھلایئے گا (۳۰/۱۴)

کب سوزِ دروں شتاب نکلا — جب ہو گیا دل کباب نکلا
یا رخ سے نقاب اُٹھائی تم نے — یا ابر سے آفتاب نکلا
چلمن سے لگے وہ بیٹھے ہیں آج — بارے کچھ کچھ حجاب نکلا
روئے پیٹے ہزار لیکن — پر دل کا نہ اضطراب نکلا

پیری نے بجھائے ولولے سب ہر عیش شباب خوار نکلا
سمجھے تھے رہے گا کچھ دنوں تک پیری آئی شباب نکلا
ڈالی جو نظر تو دیکھتا ہوں وہ مصحفِ رخ کتاب نکلا
پوچھا کئی بار حال میرا مُنہ سے نہ مرے جواب نکلا
دُنیا میں زمانے میں جہاں ہیں مجھ سا نہ کوئی خراب نکلا
یہ عشق نہیں بلائے جاں ہے جیتے جی کا عذاب نکلا
دل تم نے دُکھایا دوسرے کا کیا اس میں کوئی ثواب نکلا
کل جاؤں گا گھر سے میں سفر کو کیوں آج سے پا تراب نکلا

(۳۱)
کی خوب بشیر سیرِ عالم
کچھ بھی نہ بجز سراب نکلا
(۳۱/۱۱)

دُنیا کی زندگی کا ہم نے وبال دیکھا جس جس کو بھر کے دیکھا آشفتہ حال دیکھا
دُنیا میں ہر کسی کا ہم نے زوال دیکھا جو کان سے سنا تھا آنکھوں سے حال دیکھا
اپنوں سے اپنے دل میں اس کا قلق نہ کیوں ہو اپنوں کے دل میں کس دن اپنا خیال دیکھا
ہر چیز دیکھی فانی ہر چیز ہے آنی جانی پایا کمال جس میں اُس کا زوال دیکھا
ہر دم کا ایک الم ہے ہر وقت اک ستم ہے جو یار سال دیکھا وہ ایسے سال دیکھا
افلاس کی بلا نے بے طرح ہم کو گھیرا خالی خزانے پائے گم گشتہ مال دیکھا
کیا کیا ہوس سے مملو قلبِ گدا و شہ ہے پھیلاتے ہم نے سب کو دستِ سوال دیکھا
ہر سمت کوئی جھگڑا ہر سمت کچھ لڑائی اس قال کو سنا ہے یہ ہم نے حال دیکھا
اس سے ملالِ خاطر اُس سے فضول رنجش اک دل نہ صاف دیکھا، دیکھا یہ جال دیکھا
کردار کی بُرائی کرتی کہاں بھلائی جیسا کیا تھا ویسا ہم نے مآل دیکھا
شیریں سخن سُنا تھا جیسا بشیر تجھ کو ویسا ہی ہر سخن میں شیریں مقال دیکھا

(۳۲) نہ پچھلا قلق تھا نہ پچھلا الم تھا ہوا مہرباں وہ تو پھر کس کو غم تھا (۳۲/۲۲)

زمانے کو بخشی زمانے کی نعمت خدا کا یہ بندوں پہ کیسا کرم تھا

تھی منظور اس پردے میں آزمائش وہ اُس کا کرم تھا نہ ہم پر ستم تھا

خطا سر بسر تھی ہماری سمجھ کی بس اُس کا ہی دَیر اور اُسی کا حَرَم تھا

ہمیشہ توجہ رہی اُس کی سب پر جو اب ہے وہ پہلے بھی ناز و نعم تھا

وہ دولت مِلی جس کی کچھ حد نہیں ہے خوشی ہی خوشی تھی نہ صدمہ نہ غم تھا

اگر شکر کرتا کوئی زندگی بھر تو بے شک وہ کم تھا یقیناً وہ کم تھا

محمدؐ کو بھیجا ہدایت کی خاطر یہ اللہ کا خاص فضل و کرم تھا

نکالا بتوں کو حرم سے نکالا خدا کا بنا گھر جو بیت الصنم تھا

وہی بخشوائے گا محشر میں سب کو درود اُس پہ بھیجیں بڑا ذی ہمم تھا

وہ محبوب بھی اور مطلوب بھی ہے اُسی کا جو خلاقِ لوح و قلم تھا

نہ دُھل جاتے کیوں سب کے داغِ معاصی جو رحمت کا بادل تھا زخّارِ یَم تھا

نہیں مثل جس کا ملی جنت ایسی جو چاندی کی چھت تھی تو سونے کا تھم تھا

کوئی چشمِ عبرت سے کسریٰ کو دیکھے وہ کی روز کی دن کا جاہ و حشم تھا

مبدّل ہوا حالِ شاہانِ عالم نہ اِس کا نشاں تھا نہ اُس کا عَلَم تھا

اسی نے پھنسایا گناہوں میں ہم کو کہ تاثیر میں نفسِ سرکش بھی سَم (زہر) تھا

وہ جھگڑے جہاں کے رہے سب جہاں ہیں پسِ مرگ باقی نہیں تھا نہ ہم تھا

یہاں سے اُٹھے تو وہاں جلد پہنچے یہ تھا مُلکِ ہستی وہ مُلکِ عدم تھا

کبھی عیش دیکھے کبھی رنج اُٹھائے کہ لوحِ مقدّر میں سب کچھ رقم تھا

نہ نکلے کسی کام کے بھی یہ سکّے ہمیں دل کے داغوں پہ کیا کیا بھرم تھا

گناہوں میں عمرِ عزیز اپنی گزری مگر توبہ جاری تھی لب پہ جو دم تھا

(۳۳)

بشیر اپنے دل میں تھیں ساری یہ باتیں
مگر کب کھلی آنکھ جب وقت کم تھا

(۱/۱۳)

(غزل)

مکھڑا ہے اُس کا چاند سا ہے کیسی آب و تاب — کھل جائے چاندنی وہ اُٹھا دے اگر نقاب
تعریف تیرے حسنِ خداداد کی ہو کیا — شرمندہ آفتاب ہے محجوب ماہتاب
صدموں سے چھلنی ہو گیا فرقت میں دل مرا — اس واقعہ پہ کیوں نہ ہیں شک اب شتاب
میں دیکھتا ہوں دل میں مرے خونِ دل نہیں — مدت ہوئی کہ ہو گیا جل کر جگر کباب
بندِ قبا کو کھولیے آرام کیجئے — کب تک رہے گا آپ کا بے موقع یہ حجاب
کم سن ہیں جانتے نہیں دنیا کی اونچ نیچ — ہم سے ملیں گے خود وہی آنے تو دو شباب
وہ آئیں وہ نہ آئیں تو اب ہم کو موت آئے — کب تک الٰہی سہتے رہیں ہجر کا عذاب
چونکو کہ ختم ہو گئی غفلت میں ساری عمر — وہ دیکھو آ گیا ہے لبِ بام آفتاب
مانا بہت ہیں میرے گنہ بے شمار ہیں — بخشش بھی اُس کی وہ ہے کہ جس کا نہیں حساب
رحم و کرم کا جوش ہے بخشش کی موج ہے — فیضِ عمیم کا ہے کھلا میرے حق میں باب
تیرے کلام میں ہو اثر ہو وہ دل گداز — لکھ وہ غزل کہ لاکھ میں ہو ایک انتخاب
سنتے ہی دل پھڑک اُٹھیں اور واہ واہ ہو — بے ساختہ زبان سے نکلے کہ لاجواب

(۳۴)

توبہ کا در کھلا ہے ابھی کچھ نہیں گیا
حاصل ہے اے بشیر تمہیں موقعِ ثواب

(۲/۱۴)

ایفائے وعدہ کیجئے کدھر ہے کہاں ہے اب — نام اور ذکر آپ کا وردِ زباں ہے اب
دل لے کے اُس کو مدِّ نظر امتحاں ہے اب — کھلتا نہیں یہ راز وہ کیوں بدگماں ہے اب
لطفِ بہار کیا ہو چمن میں خزاں ہے اب — جس کو میں ڈھونڈتا ہوں وہ پیدا کہاں ہے اب
تیرے فراق میں میں ہوا زار و نیم جاں — سچ تو بتا تو کس جگہ جا کر نہاں ہے اب
غصّہ کو روکیں وہ نہ سنائیں بُری بھلی — میں بھی کہوں گا میرے بھی منہ میں زباں ہے اب

ہے جلوہ گاہ یا کوئی یہ قتل گاہ ہے
مژگان و ابروِ آپکے تیر و کماں ہیں اب

وہ جی ٹٹولتے ہیں مرا بات بات پر
دل اُن کا ہو چکا ہے تو کیوں امتحاں ہے اب

سَو سَو طرح سے آپ مجھے آزما چکے
لے لیجئے جو باقی رہی تن میں جاں ہے اب

وحشی نے اپنے گھر کو بیاباں بنا لیا
سر تک چھپانے کو نہیں ملتا مکاں ہے اب

لہو و لعب میں حیف ہوئی عمر رائگاں
بے کار ہے لبوں پہ جو آہ و فغاں ہے اب

پیری میں جُھک گئی جو کمر تو سبب یہ ہے
سر پر مرے گناہوں کا بارِ گراں ہے اب

پیری نے آکے حوصلے سب پست کر دیئے
وہ جوش وہ شباب وہ طاقت کہاں ہے اب

ہوش و حواس، عقل و خرد، طاقت و تواں
ملکِ عدم کو قافلہ اپنا رواں ہے اب

(۲۵)
توشہ عمل کا ساتھ لو تم جلد اے بشیر
یہ سانس چند روز کا بس میہماں ہے اب
(۳/۱۴)

پوچھتے ہیں وہ عشق کا مطلب
اب نکل جائے گا مرا مطلب

اُس پہ ظاہر ہوا مرا مطلب
کاش پورا کرے خدا مطلب

کہہ دیا اُن سے بر ملا مطلب
اب خدا چاہے تو ہوا مطلب

بات پوری ابھی نہیں نکلی
مُنہ سے، تم لے اڑے مرا مطلب

کہتے ہیں عرضِ وصل پر وہ، کہو
دوسری بات دوسرا مطلب

ہے یہ مطلب نہ کچھ زباں سے کہوں
میں سمجھتا ہوں آپ کا مطلب

جو تمنا ہے تم پہ ظاہر ہے
ہر گھڑی پوچھنے سے کیا مطلب

دل میں جو کچھ تھا اُن سے کہہ نہ سکا
لب پہ آ آ کے رہ گیا مطلب

مدعا ہے وہی جو پہلے تھا
اور میں کیا کہوں نیا مطلب

روبرو اُن کے بات کر نہ سکا
خط میں آخر کو لکھ دیا مطلب

بات کیا ہے وہ مجھ سے پوچھتے ہیں
واقعہ، قصہ، ماجرا مطلب

واسطہ غیر کا نہیں اچھا — خوب بنتا ہے برملا مطلب
تم جو مل جاؤ کام بن جائے — اور اس کے سوا ہے کیا مطلب

(۳۶)
آج خوش خوش بشیر پھرتے ہیں
نکلا ارمان، مدعا، مطلب
(۴/۱۲)

ہر وقت ذکر تیرا ہی وردِ زباں ہے اب — دنیا کے کاروبار کی مہلت کہاں ہے اب
لطفِ بہار ساتھ جوانی کے جا چکا — کچھ ہے برائے نام وہ وقتِ خزاں ہے اب
وہ شوق، وہ امنگ، وہ ارماں، وہ دل کہاں — سچ پوچھیئے تو زیست ہی بارِ گراں ہے اب
خنجر ہے دستِ ناز میں ابرو میں ان کے بل — ظاہر ہے اس سے صاف مرا امتحاں ہے اب
تیرے مریضِ عشق میں کچھ بھی نہیں رہا — دو چار دن کا سانس فقط میہماں ہے اب
لاکھوں طرح کے رنج ہزاروں طرح کی فکر — دم لینے کی بھلا مجھے فرصت کہاں ہے اب
ہر چند کی تلاش نہ پایا نشاں کہیں — اللہ کس حجاب میں کوئی نہاں ہے اب
پیکِ خیال کی بھی رسائی محال ہے — کہتے ہیں عرش اس کو وہ رہتا جہاں ہے اب
تجھ کو خبر نہیں جو گزرتی ہے رات دن — ہر دم ترے فراق میں لب پر فغاں ہے اب
جس کے لیئے اٹھائیں زمانے کی سختیاں — کیا بدگمانیاں ہیں کہ وہ بدگماں ہے اب
کیا پوچھتے ہو کشتۂ ناز و ادا کا حال — مدت ہوئی وہ مٹ چکا باقی کہاں ہے اب

(۳۷)
جو نامور تھے زیرِ زمین دفن ہو گئے
کوئی نہیں بشیر فقط نوحہ خواں ہے اب
(۵/۱۳)

رکھ کے تربت میں ہمیں چل دیئے سارے احباب — پھر دوبارہ کبھی آئے نہ ہمارے احباب
قبر تک لائے وہ اور اس کے سوا کیا کرتے — فاتحہ پڑھ کے بصد رنج سدھارے احباب
عرصۂ حشر میں یہ جانچ لیا دیکھ لیا — کام آئے نہ تمہارے نہ ہمارے احباب
ناتوانی نے کیا قافلے والوں سے الگ — دیر تک مجھ کو بصد شوق پکارے احباب

کوئے جاناں کو چلو محفلِ جاناں میں چلو
مجھ سے کرتے ہیں یہ در پردہ اشارے احباب

دلِ بے تاب سنبھالے سے سنبھلتا ہی نہیں
اس کو سمجھانے ہی سمجھانے میں ہارے احباب

موج زن دل میں تھا دریائے محبت ایسا
مُنہ سے کچھ کہہ نہ سکے جوش کے مارے احباب

سعی کی لاکھ مگر کچھ نہ بنائے سے بنی
دیکھتے ہی رہے سب ہائے بچارے احباب

چھوڑ کر مجھ کو یہ تنہا کہیں جاتے ہی نہیں
دوستی میں بڑے پکّے ہیں کرارے احباب

کیا وہاں کھینچیں انہیں ہم کو یہ وہم آتا ہے
ٹوٹ کر اُن سے نہ مل جائیں ہمارے احباب

بگڑی تقدیر سنورنے سے سنورتی ہے کہیں
توڑ کر لائیں گے کیا عرش کے تارے احباب

وصفِ اصحابِ رسولِ عربی کیا لکھیئے
ایسے ملتے ہیں کسے حق کے پیارے احباب

(۳۸)	خوب لکھی ہے غزل تو نے بشیرِ خوش گو مرحبا صلِّ علیٰ کہتے ہیں سارے احباب	(۱/۸)

جب ملیں گے کہ اب ملیں گے آپ
نہیں معلوم کب ملیں گے آپ

جائیے جائیے خدا حافظ
دیکھیئے بچھڑے کب ملیں گے آپ

حشر میں آپ ہی ملیں گے کیا
ایک سے ایک سب ملیں گے آپ

ہو گا میرے لیئے وہ عید کا دن
آپ سے آ کے جب ملیں گے آپ

عہد کے ساتھ یہ بھی ہو ارشاد
کس طرح اور کب ملیں گے آپ

زندگی میں تو مِل نہیں سکتے
ہوں گا جب جاں بلب ملیں گے آپ

وعدہ وصل پر نہ کیوں خوش ہوں
میں نے سمجھا کہ اب ملیں گے آپ

(۳۹)	نہیں دُنیا میں جب بشیرِ حزیں کس طرح اُس سے جب ملیں گے آپ	(۲/۱۹)

اتنا کہا تھا آئے مِرے گھر کدھر سے آپ
اس پر عبث خفا ہوئے بے وجہ بر سے آپ

میں زلفِ خم بخم کی محبت میں پھنس گیا
اب رحم کر کے ٹالیں بلا میرے سر سے آپ

یہ حسن یہ ادا یہ کہاں اُن میں بانکپن
ہیں بالیقیں بڑھے ہوئے شمس و قمر سے آپ

وعدہ کیا تھا آنے کا لیکن یہاں نہ آئے
آتے ہی آتے رہ گئے دشمن کے ڈر سے آپ

یہ آپ کی جدائی ہے مجھ کو پیامِ مرگ
کیوں بے اثر ہیں شدّتِ دردِ جگر سے آپ

خالی نہ جائے گی دلِ ناشاد کی تڑپ
واقف نہیں ابھی کششِ پُر اثر سے آپ

ہر نقش پا ہے شوخیٔ رفتار کا نشاں
اک حشر تھا گزر گئے جس رہگزر سے آپ

کچھ میں نیا نہیں ہوں نہ کچھ آپ ہی نئے
ہاں جانے بوجھے بیر تو ہیں عمر بھر سے آپ

تقدیر سیدھی ہو تو نہ ہو فصل بعد وصل
باہر قدم نکالیں نہ پھر میرے گھر سے آپ

کوئی خطا بھی ہے کوئی میرا قصور بھی
پھر کیوں اٹھا رہے ہیں مجھے اپنے در سے آپ

بھولے ہیں آپ ہو گئے ہیں ان کے نہ آئیے
بچتے رہیں رقیب کے فتنے سے شر سے آپ

رہنا ضرور چاہیئے پہلو میں رات بھر
جاتے ہیں کیوں یہ پہلے ہی وقتِ سحر سے آپ

ترچھی نگاہ خنجر و شمشیر بن گئی
اب دیکھ لیں ذرا مجھے سیدھی نظر سے آپ

پہلو میں دل مرا تہ و بالا بھی ہو گیا
واقف نہیں زمانے کے زیر و زبر سے آپ

محشر کے روز ملنے میں دشواریاں نہیں
پہچان جائیں گے مجھے وہ چشمِ تر سے آپ

دولت کی قدر واں نہیں پرسش عمل کی ہے
مانا کہ ہیں بھرے پُرے آسودہ گھر سے آپ

مسجد میں ہیں کبھی کبھی مےخانے میں جناب
پھر کیا بچیں گے سوزشِ نارِ سقر سے آپ

میرا کلام قدر کے قابل ہے لاکلام
کر لیں ابھی مقابلہ لعل و گہر سے آپ

(۴۰)

وہ ہے نہ بُت کدے میں نہ کعبے میں اے بشیر
سر پھوڑتے ہیں کس لئے دیوار و در سے آپ

(۱/۱۲)

ردیف ت (۱)

فرقت میں ہر اک اشک پروتا تھا گُہر رات
بادل سے برستے ہی رہے دیدۂ تر رات

دن کاٹ دیا لوگوں میں ہنس بول کے میں نے
حیران ہوں کس طور مگر ہوگی بسر رات

شب کیا تھی بلا تھی کہ نہ گھٹتی تھی نہ کٹتی
تقدیر میں لکھی تھی قیامت کی سحر رات

دیکھو تو یہ اعمال کی شامت ہے عاشق
سیرت میں قیامت کہ صورت میں سقر رات

گردن پہ چھری پھیر کے دی جان شبِ ہجر
سوجھی نہ مجھے اور کوئی راہِ مفر رات

یہ چھیڑ بُری ہے یہ ستانا نہیں اچھا
کیوں پوچھتے ہو کیسا رہا دردِ جگر رات

اُمید نے اُٹھنے نہ دیا ہم کو جہاں سے
ہونے کو تو سو بار ہوا قصدِ سفر رات

تم آگئے پہلو میں تو لطف آگیا اس کا
کیا خوب ہے کیا خوب ہے اے رشکِ قمر رات

خورشید کے انداز حسینوں نے اڑائے
یہ دن کے تو نکلے ہوئے روز آتے ہیں گھر رات

یہ کہیے یہ فرمایئے مجھ سے ہو یہ ارشاد
چھپے ہوئے جاتے تھے بھلا آپ کدھر رات

تھے منتظرِ جلوۂ محبوبِ خدا یوں
مصروفِ عبادت تھے سب جنّ و بشر رات

جو دن ہے ترا کم نہیں وہ عید کے دن سے
ہو قدر تجھے کچھ تو شبِ قدر ہے ہر رات

(۱۴۱)

افسوس ترے حال پہ آتا ہے بشیر آہ
گزری ہے تڑپتے ہی تجھے چار پہر رات

(۱۴۲)

اڑتی اڑتی خبر یہ پائی رات
تم نے اغیار میں گنوائی رات

دن کٹا آفتوں میں جھگڑوں میں
چین آیا مجھے جو آئی رات

ایک مدت سے منتظر تھا میں
شکر ہے وصل کی اب آئی رات

آگئے تھے وہ مرے پہلو میں
داستاں ہجر کی سنائی رات

میری تکلیف کا یقیں آیا
اُن کے سر کی قسم جو کھائی رات

وصل سے دل کو اپنے شاد کیا
آتشِ شوق یوں بجھائی رات

ایک مدت میں ہوئی تھی نصیب
ہم نے شکووں میں کیوں گنوائی رات

باتوں باتوں میں وہ بگڑ بیٹھا
نئی آفت یہ اُس نے ڈھائی رات

کچھ خوشامد سے کچھ لجاجت سے
بات بگڑی ہوئی بنائی رات

اپنے پہلو میں دیکھتا ہوں انہیں
میری قسمت نے یہ دکھائی رات

دل کے ارمان ہوگئے پورے
میری تقدیر اُن کو لائی رات

دی مؤذن نے جلد بانگِ سحر
وصل میں کس قدر گھٹائی رات

خوب موقع مِلا بشیر تجھے
تو نے پٹی اُنہیں پڑھائی رات

(۴۲) (۳/۱۰)

بند کی نامہ و پیام کی بات
کہیئے حضرت یہ کیا ہے کام کی بات

وعدہ کرکے نہ آپ آئے کیوں
کیا کچھ اس میں تھی اہتمام کی بات

دل سے جب دل کسی کا ملتا ہے
نہیں سُنتا وہ خاص و عام کی بات

اہلِ عشق اپنی دھُن کے پکے ہیں
نہیں سُنتے وہ عشقِ خام کی بات

ہاتھ اُٹھانے دیا نہ آپنے کیوں
رہ گئی کس لیئے سلام کی بات

اس قدر جلد آپ بھول گئے
صبح ہوتے ہی ساری شام کی بات

عشق و الفت میں مجھ کو مٹنا تھا
اس میں تھی خاص میرے نام کی بات

آج چک جائے روز کا جھگڑا
صاف ہو جائے اختتام کی بات

نہیں اچھا یہ طرزِ خاموشی
کہیئے کچھ کلمہ و کلام کی بات

چھیڑ در پردہ تو نے کی ہے بشیر
کہ بُتوں سے ہے رام رام کی بات

(۴۳) (۴/۱۹)

کہنے والے نے گو بنائی بات
نہیں رُکتی زباں پر آئی بات

ساری دُنیا کی مجھ پر آئی بات
کیسی لوٹی لگی لگائی بات

ساری دُنیا میں ہوگئی مشہور
آپ نے گو بہت چھپائی بات

مجھ سے ناراض ہو گیا کوئی
بگڑ ہی کیسی بنی بنائی بات

کم سے کم مجھ سے پوچھنا تھا ضرور
مانی کیوں کر سُنی سُنائی بات

آنے والے ہیں نامہ بر وہ یہاں
جاں فزا تو نے یہ سنائی بات

میں نے دی جان اُن کی الفت میں
جس طرح بن پڑی نبھائی بات

کان رکھ کر کبھی سُنی ہی نہیں
لاکھ میں نے اُنہیں سُنائی بات

سچ کہو تم کو میرے سر کی قسم
کیا رقیبوں نے کچھ سکھائی بات

وہ ہمیشہ رہے خلاف مرے
کون سے دن تھی میری بھائی بات

جو میں کہتا ہوں غور سے سُن لو
مان لو میری ہی یہ بھائی بات

خطِ پُرشوق وہ نہیں پڑھتے
میرے دشمن کی ہے پڑھائی بات

دل سے نکلی زبان پر آئی
نہیں چھپتی کبھی بنائی بات

کیا مری بات تم سمجھ لیتے
یہ کسی نے تمہیں سجھائی بات

کیوں نہ میں آپ سے کہوں دل کی
ہے زباں پر چڑھی چڑھائی بات

ہوش میں آؤ ہے خیال کدھر
مان لی کیوں اُڑی اُڑائی بات

بات اِس کان سے سُنی تم نے
مگر اُس کان سے اُڑائی بات

مان لی جلد اُس ستم گر نے
آج اچھی مری بن آئی بات

(۴۴)
اتنا سمجھائے گئے بشیر مگر
کچھ سمجھ میں نہ اب بھی آئی بات
$(\frac{5}{16})$

حسن انداز بہت آن بہت شان بہت
دل ٹھکانے ہو تو فرحت کے ہیں سامان بہت

دن اگر عید ہے تو رات شبِ قدر مجھے
تم سلامت رہو عشرت کے ہیں سامان بہت

سر جدا کیجئے اک اور زیادہ ہو جائے
میں نے مانا مری گردن پہ ہیں احسان بہت

جس کو انسان کہیں ہم نہیں ایسا کوئی
یوں تو کہنے کو نظر آتے ہیں انسان بہت

دل میں سب رکھتے ہیں پوشیدہ بتوں کی الفت
یوں بظاہر تو جہاں میں ہیں مسلمان بہت

گر نہ توفیقِ عمل ہو تو نہ حاصل کچھ ہو
طوطے کی طرح رٹا کرتے ہیں قرآن بہت

جاگتے سوتے تری یاد مجھے رہتی ہے
ہر گھڑی تیرا ہی رہتا ہے مجھے دھیان بہت

اپنے وعدے پہ جو قائم رہے سچا ہے وہی
جھوٹا اقرار تو کر لینا ہے آسان بہت

کس طرح وصل کے اقرار کو سچا مانوں
تم نے دو ایک نہیں توڑے ہیں پیمان بہت

بچ گئی جان شبِ ہجر تو جانا ہم نے
کہ بُرے وقت میں کام آتے ہیں ارمان بہت

سنتے جھوٹے جو کہا بات ہمیں یاد نہیں
کہیے سچ آپ کو کب سے ہوا نسیان بہت

ایک مدت سے نہیں دل مرا قابو میں مرے
دردِ سر رہتا ہے اے گردشِ دوران بہت

تم بھی آ جاؤ تو کچھ اور سوا ہو رونق
خانۂ دل میں مرے رہتے ہیں ارمان بہت

یوں تو دعویٰ ہے بہت آپ کو طرّاری کا
جب پتے کی کہو بن جاتے ہیں انجان بہت

شاعری سہل نہیں سہل نہیں مشکل ہے
عام نے اُس کو سمجھ رکھا ہے آسان بہت

(۴۵)

دردِ سر مول لیا دل انہیں کیوں دے کے بشیر
جب کبھی دیکھیے رہتے ہو پریشان بہت

(۱/۱۴)

ردیف (ٹ)

اُس نے جب تاک کر لگائی چوٹ
دلِ مضطر پہ سخت آئی چوٹ

تیرِ مژگاں کی پہلے کھائی چوٹ
ایک نظر کی لگی سوائی چوٹ

سامنا ہو گیا نگاہوں کا
نہ بچا گو بہت بچائی چوٹ

ہے عجب لطف دردِ الفت میں
شوق سے میں نے آپ کھائی چوٹ

دل سے میرے جگر کو کیا مطلب
کون لے اپنے سر پرائی چوٹ

قہر ہیں زخمِ عشق و زخمِ فراق
چوٹ پر ایک اور آئی چوٹ

ٹھوکریں کھا کے بھی نہ سنبھلے ہم
ہر قدم پر نئی اُٹھائی چوٹ

جب نہ ہو دل میں ہی جگہ تیرے
درد کیوں ہو کہ ہے پرائی چوٹ

عشق میں بھی یہ ضبط کی کوشش
روز کھائی مگر چھپائی چوٹ

زخمِ دل اُن کو جب نظر آیا
بولے کیا خوب تم نے کھائی چوٹ

اُن کے دل پر ہوا نہ کچھ بھی اثر
آہ کی میں نے گو لگائی چوٹ

کیوں گئے تھے تم اُس کے کوچہ میں
ہی سراسر یہ بے حیائی چوٹ

دلِ مضطر تری سزا تھی یہی
بہت اچھا ہوا جو کھائی چوٹ

کیوں بشیر آہ آہ کرتا ہی
کہیں الفت کی اُس پہ آئی چوٹ

(۴۶) (۱/۹)

ردیف ث

زندگی اپنی گزری ہی ساری کی ساری کیا عبث
شرم نہیں ہیں ہی کیوں دعویٔ اتقا عبث

مجھ میں نہیں رہا ہی کچھ اچارہ گرو اُٹھاؤ ہاتھ
کیسی دوا دوش ہی یہ موت کی ہی دوا عبث

میرے گناہ الحذر احین کا نہیں شمار کچھ
خاک دعا قبول ہو عفو کی التجا عبث

مستِ ادا وہ ہو گیا ہوش اُسے نہ کچھ رہا
جو ہی سوال وہ ہی ردّ کہنا ہی اُس سے تھا عبث

کوئی اگر مرے تو کیا دل پہ نہیں وہاں اثر
اُس کی بلا کو کیا غرض کیوں وہ کرے وفا عبث

تم نے بنا ہی کب بھلا اوروں کا تم کو کیا گلا
فائدہ اس سے کیا ہوا تم نے تو کی دغا عبث

دہر کے کام رہ گئے سارے کے سارے نا تمام
موت کا کوئی وقت تھا آئی مری قضا عبث

زہد پہ اپنے ناز کیوں اور ہی افتخار کیوں
وہ نہ کرے اگر قبول تو ہی کیا دھرا عبث

تو نے بشیر یہ غزل خوب کہی ہی برمحل
مدح جہان میں نہیں اب تری جابجا عبث

(۴۷) (۱/۱۵)

ردیف ج

محفل میں چلا تا ہی کوئی تیرِ نظر آج
جل جائے کہیں سے مجھے پتھر کا جگر آج

بھولے سے کیا رخ نہ کبھی ہیں تے اُدھر کا
اس واسطے کچھ ساتھ نہیں زادِ سفر آج

جب وقت آخیر آئے گا مہلت نہ ملے گی
کرنی ہو جو کچھ فکر وہ کر دیر نہ کر آج

کیوں آپ نے برقع رُخِ روشن سے اُٹھایا
کچھ ہوش نہ مجھ کو ہی نہ ہی اپنی خبر آج

آنسو نہیں رُکنے نہیں رُکتے نہیں رُکتے
لے ڈوبے گا آنکھوں کو مرا دیدۂ تر آج

منت کی خوشامد سے مری ایک نہ مانی
انجام کو قدموں پہ بھی رکھنے لگا سر آج

آنے کا تھا وعدہ مگر آئے نہ وہ اب تک
ظاہر ہی دعا میں نہیں کچھ میری اثر آج

وہ بام پر آتے ہیں پئے سیر و تماشا
ہے اُن کی طرف دیکھنے والوں کی نظر آج

کچھ غیر نہیں ہیں کہ ہوا تم کو تامل
بے کھٹکے بلا عذر رہو بھی مرے گھر آج

آتے نہ ہوئی دیر کہ گھر جانے کی سوجھی
سُن لو مری مدّت میں تم آئے ہو ادھر آج

بے وجہ یہ آرائشِ گیسو نہیں ہرگز
فرماؤ تو سچ سچ تمہیں جانا ہے کدھر آج

برسوں میں مِلا ہے مجھے مل جانے کا موقع
وہ شوخ ہے پہلو میں ہو شب کی سحر آج

ارمان مرے دل کے نکل جائیں سرِ بزم
اُس بُت کو اگر دیکھ لوں میں ایک نظر آج

اندیشۂ فردا سے تغافل نہ ہو ہرگز
ہر روز یقیں کر کہ ہے دُنیا سے سفر آج

(۴۸)

ہے خاک بشیر اِس چمنِ دہر کی ہستی
کل اِس کو نہ دیکھو گے جو آتا ہے نظر آج

(۱/۸)

ردیف چ

میرے دل کی اِس طرح تصویر کھینچ
اے مصوّر دل کے اندر تیر کھینچ

اے دلِ بے تاب وہ بے تاب ہوں
ایک ایسی آہِ پُر تاثیر کھینچ

مٹ نہیں سکتا مٹائے سے کبھی
جب خدا ہی دے خطِ تقدیر کھینچ

بن گئی ہے دم پر اے ناوک فگن
دیکھ میرے دل سے اپنا تیر کھینچ

یوں بگڑ کر مجھ سے وہ کہنے لگے
اب کوئی چلا پئے تسخیر کھینچ

نیم بسمل چھوڑ کر کیوں چل دیا
رخ پلٹ کر پھر ذرا شمشیر کھینچ

گر زباں میں ہو ترے تاثیر کچھ
اے قلم اور خاکۂ تقریر کھینچ

(۴۹)

عشق مجھ سے کہہ رہا ہے اے بشیر
آہ کھینچ اور آہِ پُر تاثیر کھینچ

(۲/۸)

کہتا ہوں دل سے خلق میں رنج و ملال کھینچ
لیکن جہان والوں سے دستِ سوال کھینچ

کچھ کام کر تو بیٹھا ہے بے کار کس لیے
خدمت سے باکمالوں کے سالک کمال کھینچ

گیسو کے وصف پر کوئی مجھ سے یہ کہہ گیا
دیکھ اِس طرح نہ بال کی ہر وقت کھال کھینچ

جوہر ہی کھینچنا خنجر و شمشیر کے لیئے	اپنے کو ہم سے دیکھ نہ اے خوش خصال کھینچ
بہتر ہی اس سے سختیِ دوراں کا کھینچنا	دھوکے سے تو کسی کا جہاں میں نہ مال کھینچ
کیوں طعن دوسروں پہ ہی اپنی خبر تو لے	لازم نہیں ندامتِ ردِّ سوال کھینچ
میں سخت جاں جو ہوں تو مرا امتحان لے	خنجر بھی تیغِ تیز بھی ظالم نکال کھینچ

(۵۰)

تو نے بشیر دل تو ستمگر کو دے دیا
تو رات دن فراق میں رنج و ملال کھینچ

(۱/۲۴)

ردیف ح

سناؤں دردِ دلِ زار داستاں کی طرح	کہ پہنچے کان تک اُن کے مری فغاں کی طرح
کہاں قفس میں ملا چینِ گلستاں کی طرح	نہ مہرباں ہوا صیاد باغباں کی طرح
جواں ہو کے بھی خوش ہم رہے جہاں میں کہاں	بہار آنے کو آئی مگر خزاں کی طرح
جگہ تو دی ہی دلِ زار میں اُنہیں لیکن	نکل نہ جائیں کہیں جانِ ناتواں کی طرح
وہ ناتواں ہوں کہ اُس کو نظر نہیں آتا	اجل بھٹکتی پھری گردِ کارواں کی طرح
تمہارے در سے کہیں اور جا نہیں سکتا	کہ جم کے بیٹھا ہوں میں سنگِ آستاں کی طرح
یہ کیا کرم ہی یہ کیا اُن کی مہربانی ہی	کبھی جو حال بھی پوچھا تو امتحاں کی طرح
دوپٹہ شانوں سے نیچے کھُلی ہوئی زلفیں	ذرا بتائیے مجھ کو یہ ہی کہاں کی طرح
چُبھیں نہ کس لیئے دل میں نگاہِ ناز کے تیر	کھنچے ہی جاتے ہیں ہر وقت وہ کماں کی طرح
سرائے دہر میں اک شب رہے قیام پذیر	جہاں میں آئے تھے ہم صرف میہماں کی طرح
پڑا تھا پردۂ غفلت کچھ ایسا آنکھوں پر	ہم آکے رہ پڑے دُنیا میں میزباں کی طرح
ہر ایک سمت سے گھیرا ہی آتشِ غم نے	جلا ہی جسم مرا مغزِ استخواں کی طرح
چبھے ہیں دل میں مرے خار بے شمار اتنے	کہ زخم آئے ہوئے چشمِ خوں فشاں کی طرح
نہیں ہی طاقتِ پرواز دم لبوں پر ہی	قرار مجھ کو نہیں مرغِ نیم جاں کی طرح
یہ زندگی بھی مری کوئی زندگی ٹھیری	پڑا ہی رہتا ہوں بیمارِ ناتواں کی طرح

زمانے میں ہے ضرورت بہت تکلف کی
بناؤں بات میں کیسے چنیں چناں کی طرح

الٰہی خانۂ صیاد پر گرے بجلی
کہیں جلے بھی قفس میرے آشیاں کی طرح

لیے تو جاتی ہے وحشت مجھے مگر ہے یہ فکر
ملے گا دشت میں آرام کیا مکاں کی طرح

اُنہیں ہوائے مخالف کا خوف کچھ بھی نہیں
ہمیشہ کھاتے ہیں جھونکے جو بادباں کی طرح

ہم اُن کے وصل سے مایوس ہو نہ جائیں کہیں
زباں سے وہ "نہیں" بھی کہیں تو ہاں کی طرح

اگرچہ دوست گنانے کو سیکڑوں ہیں مگر
وہی ہے دوست جو پیش آئے مہرباں کی طرح

زمیں کی خاک اُڑاتا ہوں جوشِ وحشت میں
تلاشِ یار میں پھرتا ہوں آسماں کی طرح

(۵۱)

کہاں بشیر بہارِ شباب کا وہ سماں
ضعیفی آگئی سر پر مرے خزاں کی طرح

(۱/۷)

ردیف خ

ہے نظر تیری کس بلا کی شوخ
یہ غضب کی ہے انتہا کی شوخ

چلبلی آپ کی طبیعت ہے
شوخ ہے اور انتہا کی شوخ

زلف منہ چوم لیتی ہے اُن کا
کس بلا کی ہے اس بلا کی شوخ

ناز و انداز پر نہیں موقوف
بات ہر اک ہے کج ادا کی شوخ

سب ادائیں تو اُس کی ایک طرف
ہے نظر کتنی بے وفا کی شوخ

پہلے اُس کو حجاب تھا کتنا
وہ نظر اب ہے انتہا کی شوخ

(۵۲)

ہم نے دیکھی غزل بشیر تری
یہ بلا کی ہے انتہا کی شوخ

(۱/۱۲)

ردیف دال

گناؤں تجھ کو اگر جورِ باغباں صیاد
تری زباں سے نکل جائے الاماں صیاد

کلیجہ چھلنی ہو دل شق ہو چشم پُرخوں ہو
اگر سُنیں مری فریاد انس و جاں صیاد

قفس میں جان نہ دے رو کے بلبلِ بے کس
غرض ہے کیا جو سُنے تیری داستاں صیاد

کتر کے پر مرے مجھ کو قفس میں بند کیا
قفس کو توڑ کے جاؤں گا اب کہاں صیاد

یقین ہے ابھی رنگِ چمن بدل جائے
ذرا بھی مجھ پہ جو ہو جائے مہرباں صیاد

پھنسایا جال میں کس چال سے مجھے افسوس
لگائے بیٹھا تھا پھندے کہاں کہاں صیاد

گھلا گھلا کے قفس میں تو مار ڈالے گا
سمجھتا چال ہوں تیری میں خوب ہاں صیاد

جلا دیا اُسے کیا تو نے آ کے گلشن میں
دکھائی کیوں نہیں دیتا اب آشیاں صیاد

بہارِ موسمِ گل دیکھنے نہیں پایا
اُجاڑ ڈالا وہ پُر لطف خانماں صیاد

نہ پھنستی تازہ مصیبت میں بلبلِ گلشن
اگر نہ دام کو کرتا یہاں نہاں صیاد

ہے بند راہ کدھر جائے بلبلِ شیدا
لگے ہیں باغ میں پھندے جہاں تہاں صیاد

(۵۳)

بشیر اب ہے رہائی تری بہت مشکل
پڑی ہے کیا جو سُنے دردِ داستاں صیاد

(۲/۸)

لازم ہے وہ وفا کریں اکثر جفا کے بعد
کچھ کچھ کرم بھی ہو ستمِ ناروا کے بعد

آنکھیں ترستی رہ گئیں دیدار کے لیئے
بے کار میرے پاس وہ آئے قضا کے بعد

محشر میں آج آپ کا میرا ہو فیصلہ
کیا کوئی اور دن بھی ہے روزِ جزا کے بعد

حکمِ خدا نہ ہو تو شفا خاک ہو ہمیں
بگڑا کچھ اور حال ہمارا دوا کے بعد

ہوتی ہے بعد رنج و الم کے خوشی نصیب
امید ہے کریں گے وفا وہ جفا کے بعد

یہ لطف دیکھنا یہ تماشہ تو دیکھنا
دیتا ہے بد دعا کوئی مجھ کو دعا کے بعد

آنسو بہا رہے ہیں وہ میرے مزار پہ
اظہارِ رنج کرتے ہیں اب وہ فنا کے بعد

(۵۴)

سستے چھُٹے بشیر جو دنیا سے چل بسے
بے کیف زندگی تھی دلِ مبتلا کے بعد

(۳/۹)

کچھ غم نہیں اس کا جو نہیں تم کو وفا یاد
کرتے ہو ستم شکر ہے اتنا تو رہا یاد

وعدے تو ہزاروں ہوئے پورا نہ ہوا ایک
کیا حافظہ ہے آپ کا ہے آپ کی کیا یاد

دُہراتا ہوں ہر دم سبقِ عشق و وفا کو
بس اس کے علاوہ مجھے کچھ بھی نہ رہا یاد

بے چین نہ میں کس لیئے ہوں اُس سے بچھڑ کر
ہی مجھ کو وہ غمزہ وہ کرشمہ وہ ادا یاد

کیوں تم سے کروں یاد نہ رہنے کی شکایت
اقرار ہوں جھوٹے تو رہیں تم کو وہ کیا یاد

وہ شکوۂ آزار پہ کہتے ہیں بگڑ کر
سب بھول گئے باتیں رہا تم کو گلا یاد

ارباب وفا سے کوئی مطلب نہیں تجھ کو
کیوں یاد مری آئے کرے تیری بلا یاد

آتا ہی تعجب ہمیں اقرارِ وفا پر
ہم کو تو رہا یاد تمہیں کیوں نہ رہا یاد

(۵۵) رکھیں نہ بشیرؔ آپ وفاؤں کی توقع
بس اُن کو ستم یاد ہی بس اُن کو گلا یاد (۴/۱۳)

ہی دُنیا میں زباں میری اگر بند
مگر معنی کے مجھ پر کب ہیں در بند

جو سب نامہ کیا آتا ہی دیکھیں
لکھا نامہ دیا قاصد کو سر بند

خدا جانے ہی اس میں مصلحت کیا
کھلی ہی راہ لیکن ہی خبر بند

رہائی جیتے جی ممکن نہیں ہی
قفس ہی آہنی در بند پر بند

کہیں بھی اب نہیں میرا ٹھکانا
کہ اک اک گھر ہی بند ایک ایک در بند

نہ کیوں تکلیف ہو ارماں کو دل میں
کہاں جائے کدھر جائے ہی گھر بند

مجھے آتا نہیں کیا کام کرنا
مگر بابِ دعا بند اور اثر بند

کہیں بھولے سے کوئی آ تو جائے
ہم اپنے دل میں رکھیں گے نظر بند

دعا یہ ہی کہ یارب مطمئن ہوں
ہو الفت میں کسی صورت سے شر بند

رازق رزق پہونچاتا ہی سب کو
کھلیں ستّر اگر ہو ایک در بند

برادر قوّتِ بازو ہی مانا
مگر فرزند ہوتا ہی جگر بند

مرا دل بھی طلسمی ہی خزانہ
کہ اس میں خیر بھی ہی اور شر بند

(۵۶) بشیرؔ اچھی زباں پائی ہی تو نے
تری دُرجِ دہن میں ہیں گہر بند (۱/۱۱)

ردیف (ذ)

کون پڑھتا ہے تپ رنج و محن کا کاغذ
اور پھر مجھ سے بھلا سوختہ تن کا کاغذ

کیا خوشی ہم کو ہو جب اُس کو نہیں پاسِ سخن
کیا کریں لے کے ہم اُس عہد شکن کا کاغذ

خطِ گلزار نہ دیکھا ہو تو اس نامہ کو دیکھ
عندلیب آ گیا اُس رشکِ چمن کا کاغذ

ڈھونڈتے کیا ہو ضعیفی میں جوانی کی بہار
دُھندلا ہو جاتا ہے تصویرِ کہن کا کاغذ

بارِ عصیاں سے کمر میری نہ کیوں کر خم ہو
یہ عمل نامہ ہے گویا کئی من کا کاغذ

بوجھ سا بوجھ ہے جس کا ہے اُٹھانا مشکل
توڑ ڈالے گا یہ گردن کا بھی منکا کاغذ

نوٹ ہو ہنڈوی ہو یا ہو کسی بینک کا چک
مال ہے نقد یہی ہے یہی دھن کا کاغذ

جان سے بھی ہے سوا مجھ کو خطابوں کی سند
قابلِ قدر ہے یہ فخرِ زمن کا کاغذ

ہے عجب لطف کلامِ شعرا میں اے دل
کیا مزا دیتا ہے اربابِ سخن کا کاغذ

کیسی بہتر ہے لکھی آپ نے دل چسپ غزل
خود مہکتا ہے پڑا مشکِ ختن کا کاغذ

(۵۷)

کہیں چھپتی ہے چھپائے سے لیاقت بھی بشیر
جلد بول اُٹھتا ہے ہر واقفِ فن کا کاغذ

(۱/۱۲)

ردیف (ر)

راتوں میں ترے وصل کی ہر رات ہے کچھ اور
کیا بات ہے اس رات کی ہے بات ہی کچھ اور

ہر بات کو وہ جانتا ہے بات ہے کچھ اور
کیا کہیے کہ ہیں اُس کے خیالات ہی کچھ اور

دل چھین لیا کرتے ہیں آنکھیں وہ ملا کر
سچ پوچھیے تو ہے یہ کرامات ہی کچھ اور

ترجیح نہ ہو کیوں تجھے خوبانِ جہاں پر
اندازہی کچھ اور تری بات ہی کچھ اور

حوروں کی تمنا نہیں اے حضرتِ زاہد
اپنی ہے غرض قبلۂ حاجات ہی کچھ اور

آگاہ نہیں عشق و محبت سے ابھی وہ
ہیں میرے مقدر میں یہ آفات ہی کچھ اور

گنوا نہیں سکتا ہوں یہ میں کہہ نہیں سکتا
ہے رنج و غم و درد کی بہتات ہی کچھ اور

شادابیِ الفت کی توقع نہیں مجھ کو
ہیں کشت میں اُمید کے پھل پات ہی کچھ اور

وہ کیا کریں تو قبرِ وفا قدرِ محبت
ہے دل میں بھری اُن کے خرافات ہی کچھ اور

ہم جانتے ہیں زُہد کو اے حضرتِ زاہد
ناحق کا ہی یہ فخر ہمیں بے ہنری پر

ہی ذاتِ شریف آپ کی بھی ذات ہی کچھ اور
ہیں اہلِ ہنر گے تو کمالات ہی کچھ اور

بگڑی ہی زمانے کی ہوا کیسی بشیر اب
رُت اور ہی وقت اور ہی دن رات ہی کچھ اور

(۲/۱۴)

(۵۸)

دل مرا چھین لیا مجھ سے ستمگر ہو کر
کیا ہی اچھا ہی سلوک آپ کا دلبر ہو کر

چین پائے دلِ بےتاب تو کیوں کر پائے
تیرِ مژگاں کا اُتر جاتا ہی نشتر ہو کر

وادیِ عشق میں کیا دل پہ بھروسہ ہو مجھے
کام رہزن کا یہ کرنے لگا رہبر ہو کر

خار چبھتا ہی تو دل میں مرے رہ جاتا ہی
جب نکلتا ہی نکلتا ہی وہ خنجر ہو کر

دل میں تیرے ہو ذرا سی بھی اگر جا میری
عذر مجھ کو نہ رہے رہنے میں چاکر ہو کر

وہ بھی اب کرنے لگے سوزِ محبت کا گلہ
آہِ سوزاں مری جا پہنچی ہی اخگر ہو کر

تم جدا ہم سے رہو اور یہاں ہم تڑپیں
زندگی خاک ہو یوں گزرے جو ابتر ہو کر

تیرگی میرے مقدّر سے نہیں جانے کی
اخترِ بخت نہ چمکے گا منوّر ہو کر

دلِ بےتاب کا الفت میں خدا حافظ ہی
کیا توقع کہ سنبھل جائے گا ابتر ہو کر

تیرا ہر ناز سما جاتا ہی میرے دل میں
تیری ہر بات اثر کرتی ہی منتر ہو کر

بال بکھرے ترے چہرے پہ نظر آتے ہیں
ناگ ڈستے ہیں مجھے زلفِ معنبر ہو کر

ہی قضا ایک طرف تیرِ نگہ کا زخمی
ہم نے دیکھا نہیں بچ جائے وہ جانبر ہو کر

آج موقع ہی جو کہنا ہو کہو بے کھٹکے
کیا عجب دل پہ اثر ہو لگے خوشتر ہو کر

ابھی معلوم نہیں آپ کو توقیر بشیر
بڑھ گیا سارے زمانے سے وہ کمتر ہو کر

(۳/۱۲)

(۵۹)

مرے دل میں مکاں تم نے بنایا نازنیں بن کر
حسیں بن کر حسیں ہو کر، حسیں ہو کر حسیں بن کر

یہ ہیں کیا جانوں تم نے کر لیا اقرار ملنے کا
لبِ نازک سے ہاں نکلی تو وہ نکلی نہیں بن کر

تماشا ہی دکھاتا ہی تماشا اس طرح کوئی
ہمیشہ تیرے در پر سر پٹکتے ہی گزرتی ہی
یہ حیرت ہی کہ میری جان بزمِ ناز میں جائے
مرا دل دن دہاڑے چھین لینا کیسی جرأت ہی
یہی شرطِ وفا ہی کیا یہی اندازِ الفت ہی
انھیں اُن کی اداؤں نے جفاؤں پر ابھارا ہی
نظر آتا ہی دھبّہ چاند میں یہ بے سبب کیسا
تمہارا حُسن کیا کم ہی پریزادوں سے بڑھ کر ہی
نہیں ممکن تمہاری یادِ دل سے محو ہو جائے

کسی دن دل نشیں ہو کر کبھی محمل نشیں بن کر
شکایت بھی نکلتی ہی تو لفظِ آفریں بن کر
چھُری بھی نکلے تو نکلے تری چینِ جبیں بن کر
بڑا اچھا پایہ مارا اُس حسیں نے دل نشیں بن کر
کہ چہرے پر دیا کرتے ہو پہرے ہم نشیں بن کر
پرائے مال پر ڈاکہ وہ ڈالیں کیوں حسیں بن کر
تمہیں نے اس کو شرمایا ہی شاید مہ جبیں بن کر
پری کی شکل و صورت آئے تھے تم بالیقیں بن کر
مرے دل پر تمہارا نام ہی نقشِ نگیں بن کر

(۶۰)
شمشیر خستہ کو کچھ بھی نہ ہاتھ آیا بجز حرماں
نہ تیرے کوچے سے وہ نکلا حزیں ہو کر حزیں بن کر
(۱۱/۴)

پھٹ پڑا کوہِ الم مجھ خانماں برباد پر
نالہ ہوتا ہی ہمیشہ ترجمانِ دردِ دل
ضبطِ شیون سے عنادل کے ابھی موجود ہی
عاشق و معشوق میں ہوتا ہی راز و نیاز
دیدۂ گریاں کی بارش ہی زمانے سے الگ
آپ تو ہیں آپ ہیں اپنے کو ہوں بھولا ہوا
اس سے کیا مقصود ہی کیا یہ بھی ہی کوئی ادا
مال کھوٹا ہی تو کھوٹا اُس کو کہہ دے گا جہاں
خود ہی جا کر طائرِ دل جب اسیرِ دام ہو
سخت جانی کی بدولت ہیں رہا محرومِ قتل

کیسی کیسی آفتیں آئیں دلِ ناشاد پر
کان دھرنا چاہیے مظلوم کی فریاد پر
ورنہ کب کا ٹوٹ پڑتا آسماں صیاد پر
مُنہ نہ آتا ربط و ضبطِ قمریٔ شمشاد پر
انحصار اس کا نہیں ہا ہستی ابر و باد پر
پڑ گئے ہیں کیسے پتھر ہائے میری یاد پر
یوں بگڑ جانا ذرا سے وہمِ بے بنیاد پر
کیا پرکھنے والے پر الزام کیا نقّاد پر
ہی غلط الزام رکھ دینا سرِ صیاد پر
کیا گلہ شمشیر کا الزام کیا جلّاد پر

(۶۱)

مستحقِ داد کب ہے شاعری میری بشیرؔ
میں مُجل ہوتا ہوں اربابِ سخن کی داد پر

(۱۶/۵)

سب پریشاں ہوتے ہیں مجھ کو پریشاں دیکھ کر
خانہ ویراں دیکھ کر بے ساز و ساماں دیکھ کر

لوگ ہیں مستفسرِ حالاتِ غم چپ ہے زباں
کر لیں اندازہ ہماری چشمِ گریاں دیکھ کر

کیا خبر تعبیر ہو کیا اس کی اے اربابِ عشق
میں اُٹھا ہوں آج اک خوابِ پریشاں دیکھ کر

لوگ کھاتے ہیں ترس جب دیکھتے ہیں حالِ زار
تم چلے جاتے ہو کیوں مجھ کو پریشاں دیکھ کر

آسیائے چرخ نے پیسا ہے دانے کی طرح
مزرعۂ آفاق میں ہم کو نمایاں دیکھ کر

مِٹ چکی جاتی رہی اپنی جوانی کی بہار
خاک ہو دل شادابِ سیرِ گلستاں دیکھ کر

یہ اُداسی اور یہ عبرت کا منظر الحفیظ
بے طرح بھر آیا دل شہرِ خموشاں دیکھ کر

دل مرا جاتا رہا اور ہوش بھی پرّاں ہوئے
رشکِ گل اک دیکھ کر سروِ خراماں دیکھ کر

کھو دیا توبہ نے لطفِ بادہ نوشی کیا کہوں
رو دیا میں آج لطفِ ابرِ باراں دیکھ کر

جوشِ وحشت میں نکل جاتا ہوں صحرا کی طرف
گُدگُدی سی اُٹھتی ہے خارِ مغیلاں دیکھ کر

کہتے ہیں اہلِ نظر مجھ کو اسے بھی ہے جنوں
چاکِ دامن دیکھ کر چاکِ گریباں دیکھ کر

صحبتِ صالح کا ہوتا ہے اثر صالح ضرور
سیکھ ہی لیتا ہے کچھ انساں کو انساں دیکھ کر

سعی و کوشش تو کسی کی رائگاں جاتی نہیں
ہو گیا معلوم یہ کارِ نمایاں دیکھ کر

دل جو گھبراتا ہے لکھ دیتا ہوں لکھیں دو چار شعر
میل کرتی ہے طبیعت فصلِ یاراں دیکھ کر

ہیں کہاں اشعار میرے دل گداز و دل فریب
دل مگر بڑھتا ہے عالم کو ثنا خواں دیکھ کر

اے بشیرؔ خستہ جاں ہے راہِ الفت خوفناک
کوئے قاتل میں قدم رکھنا تو ہاں ہاں دیکھ کر

(۶۲)

(۱۲/۶)

کام کرنے کے لئے پہلے جگر پیدا کر
پھر ہر اک کام میں اک خاص اثر پیدا کر

پھر تجھے آپ نگاہوں میں جگہ سب دیں گے
پیشتر سب سے دلِ یار میں گھر پیدا کر

صرف دعووں سے تو چلنے کا نہیں کام ترا
اُس کے قدموں پہ فدا کرنے کو سر پیدا کر

جلوۂ یار کو ہی چشمِ بصیرت درکار
شوقِ دیدار ہو تو پہلے نظر پیدا کر

یوں تصوّر میں تو کچھ لطف نہیں مِل سکتا
پہلے تو اُس کا دہن اُس کی کمر پیدا کر

لطف جینے کا بغیر اُن کے نہیں آسکتا
دردِ دل ذوقِ نظر سوزِ جگر پیدا کر

بے ہنر کی کوئی پرسش نہیں دُنیا میں کہیں
ہی غرض اس سے کہ اپنے میں ہُنر پیدا کر

ہوگی تو ہوگی یونہیں تیغ حوادث سے نجات
دین کی علم کی اک دُہری سپر پیدا کر

چُھٹنا دُنیا کے علائق سے بہت مشکل ہی
ہیں تو جب جانوں کوئی شکلِ مفر پیدا کر

دست و پا تیرے شکستہ ہیں کہاں طاقت ہی
قصدِ پرواز اگر کچھ ہو تو پَر پیدا کر

مزرعۂ کِشت ہیں دُنیا کے لگا تخمِ عمل
سعی تیری ہو جو مشکور ثمر پیدا کر

(۶۳)

سطحِ دریا سے تو ہوگا نہ کوئی نفع بشیرؔ
بحرِ وحدت میں لگا غوطہ گہر پیدا کر

(۷/۸)

بڑی اکسیر اگر پوچھو تو ہی ترکِ ہوس بہتر
ہمارے ایسے جینے سے ہی مرجانا ہی بس بہتر

پریشاں ہو کے بُلبُل باغباں سے کل یہ کہتی تھی
نہ ہو آرام اگر گلشن میں تو کُنجِ قفس بہتر

یہ مانا اشرفِ مخلوق تو ہی لیکن اِس پر بھی
ترے اطوارِ بد سے خصلتِ مور و مگس بہتر

جہاں میں ہر طرح کے لوگ خالق نے بنائے ہیں
ملیں گے تجھ کو دس بدتر ملیں گے تجھ کو دس بہتر

نہیں طوطی کی سُنتا جب کوئی نقارخانے میں
تو ایسی گفتگو سے ہی کہیں ضبطِ نفس بہتر

زباں قابو میں رکھ کیا فائدہ بیہودہ گوئی سے
سمجھ کے بات کرنے کے لیے ہی پیش و پس بہتر

خدا نے عقل دے کر مرتبہ تیرا بڑھایا ہی
کمالِ تاب و طاقت میں تو تجھ سے ہی فرس بہتر

(۶۴)

کہو کیا کر گئے دُنیا میں آکر تم بشیرالدیں
تمہارے جیسے ناکاروں سے تو ہی خار و خس بہتر

(۸/۱۲)

وہی فغاں مرے دل سے نکلی عجب طرح کی اُمنگ ہو کر
جو گڑ رہی تھی دلِ حزیں میں بہت نوں سے خدنگ ہو کر

یہ دل سنبھلتا ہی کب سنبھالے ہی کون ایسا اسے سنبھالے
سکون کہتا ہی جس کو عالم ہی میری چھاتی پہ سنگ ہو کر

ہنیں ہیں آثار اُن کے اچھے وہ عرضِ مطلب پہ روٹھتے ہیں
خدا ہی عزت بچائے میری کہیں نہ چھڑ جائے جنگ ہو کر

نگاہ بدلی ہی کیوں تمہاری کہو ہی کیا تم نے دل میں ٹھانی
غضب نہ ڈھائے دل و جگر پر ادا شوخ و شنگ ہو کر

ملی جو ہاتھوں میں تم نے مہندی تو ہوشیاری ہی ہمکو لازم
مری تمنا کی اس میں بو ہی کہیں نہ جم جائے رنگ ہو کر

دلِ مصفا کو پاک رکھنا غبار سے پاک و صاف رکھنا
بڑی ہی مشکل سے دور ہو گا جو جم گیا اس پہ زنگ ہو کر

لگیں ہیں پیچھے بلائیں کتنی کہاں سکون و قرار حاصل
نگل ہی جائیں گی اک نہ اک دن مجھے بشکل نہنگ ہو کر

عجب طرح کی ہی دل میں اُلجھن عجب طرح کا ہی سوزِ الفت
یقیں ہی مجھکو کہ جسم میرا کبھی اُڑے گا شرنگ ہو کر

نہیں ہی قابو میں دل ہمارا قرار اسکو کہیں نہیں ہی
کبھی زمیں پر ہی ذرہ ہو کر کبھی فلک پر پتنگ ہو کر

نگاہِ لطف و کرم ہو مجھ پر ادھر بھی ہو التفات اکثر
دبی دبائی مری اُمنگیں کبھی تو نکلیں ترنگ ہو کر

مجھے ہی پہلے ہی سے یہ خدشہ کہیں نہ ہوں وہ کشیدہ خاطر
نہیں ضرورت منائیں مجھ پر وہ اپنا سکہ دبنگ ہو کر

(۶۵)

بشیر دُنیا سے ہی کبیدہ، ملول سارے جہان سے ہی
وہ چھوڑ بیٹھا خدائی بھر کو، بہت ہوا تنگ ہو کر

(1/11)

(قطعہ)

نکلے جو راز زباں سے نہیں رہتا وہ راز
اور جو راز کہے اُس کو نہ سمجھو دمساز

ہم سے کچھ اور کہے آپ سے کچھ اور کہے
جانیئے اُس کو چغل خور سمجھیئے غماز

نہ جفا جو کوئی ایسا نہ وفادار ایسا
اُس پہ ہی فخر مجھے تو اُسے ہی مجھ پہ ناز

ایک مس باغ میں مصروف تھی سیرِ گل گشت
جس سے تھا گانٹھ رکھا میں نے بھی کچھ ساز و باز

میں بڑھا آگے تو کہنے لگی وہ شوخ و شنگ
"کم ہیر فار اے مِنٹ اینڈ ڈیر وِل یو پاز"

پھر لگی پوچھنے از راہِ محبت مجھ سے
"وہائی یو آر لکنگ سیڈ ادیر از سَم کاز"

ہم کو لالچ نہ اگر ہو تو رہیں چین سے ہم
در بدر ہم کو پھراتی ہی یہ حرص اور یہ آز

کوئی محروم رہے رزق سے ممکن ہی نہیں
اک در بند ہی تو دوسرا دروازہ ہی باز

چاہیئے خیر تو دُنیا سے الگ بھی رہیئے
کامیابی کے لیئے سیکھئے زمانے سے بھی ساز

ٹھوکریں کھا کے بھی بڑھتے ہی چلے جاتے ہو
کیسی شامت ہے تمہاری نہیں آتے تم باز

(۶۶)
نہ کرو اتنی نصیحت کہ بشیرؔ ناصح
جانتے سب ہیں زمانے کا نشیب اور فراز
(۲/۱۳)

بیداد و ستم روز ہیں آزار و الم روز
ہے اس سے یہ مطلب کہ مجھے ملتا ہے غم روز

عادت ہے عجب چیز ہے معمول عجب شے
بے چین رہوں مجھ پہ اگر ہو نہ ستم روز

انسان کو ان باتوں سے فرصت نہیں ملتی
تقدیر کے تدبیر کے جھگڑے ہیں بہم روز

صورت نظر آ جانے کی صورت نہیں کوئی
جانے کو کسی کوچے میں جاتے تو ہیں ہم روز

رونا ہے محبت میں یہاں مشغلہ ٹھیرا
اشکوں سے رہا کرتی ہیں آنکھیں مری نم روز

بے تابیِ دل لکھنے کی دے دے جو اجازت
اوصاف ترے ہوتے رہیں زیبِ رقم روز

ہو پاس حسینوں کو اگر اپنی زباں کا
کیوں وعدے یہ جھوٹے کریں کیوں کھائیں قسم روز

بخشش شئی بخشش ہے کرم سایہ کرم ہے
نعمت پہ مزید اور وہ کرتا ہے کرم روز

رزاق ہے راحم ہے، صفت ہو نہیں سکتی
بندوں کو عطا کرتا ہے وہ خوانِ نعم روز

کیا عقل کو میں اُن کی کہوں حضرتِ زاہد
دُنیا میں نظر آئیں جنھیں خوابِ ارم روز

مستغنیِ لذات نہ کیوں کر ہو مرا دل
رہتا ہو بچھا سامنے جب خوانِ کرم روز

ہے نثر کبھی نظم کبھی رزم کبھی بزم
بھرتا ہے طرارے مرا شبدیزِ قلم روز

(۶۷)
اب بھی ہے بشیرؔ اور تمنّا کوئی باقی
اللہ بڑھاتا ہے ترا جاہ و حشم روز
(۱/۱۶)

ردیفِ س

کس کو ہے ایسی پڑی آئے جو بیمار کے پاس
پھول جاتا ہے گلستاں میں کہیں خار کے پاس

بند کرتا ہے قفس میں اُسے صیّاد عبث
بیٹھ جاتا تو بھی ہیں مرغِ گرفتار کے پاس

میری تقدیر کی گردش نے پھنسایا مجھ کو
ورنہ جاتا ہے کوئی جان کے عیّار کے پاس

موت اچھی ہے جو آ جائے غمِ الفت میں
بھول کر بھی نہ کوئی جائے دلِ آزار کے پاس

ہر گھڑی اہلِ زمیں پر نئی ہوتی ہی جفا
کیا ہی اور اس کے سوا چرخِ ستمگار کے پاس

خالی مے خانہ ہی ساقی ہی نہ ہی جامِ وسبو
خاک ہو لطف نہیں خاک بھی مے خوار کے پاس

اس طرف کوئی بھی مفلس کا نہیں ہی ساتھی
اور جمگھٹ ہی اُدھر دیکھیے زردار کے پاس

سر جدا کرنے میں اب ہی تمہیں انکار عبث
مجھ کو معلوم ہی تلوار ہی سرکار کے پاس

مے عشرت کا چلے دَور چھلکتا رہے جام
آرزو ہی کہ رہوں میں کسی دلدار کے پاس

چشمہ شیریں ہو جہاں بھیڑ لگی رہتی ہی
کوئی آتا ہی بھلا مجھ سے بھی بے کار کے پاس

کعبہ و دَیر میں جلوہ نظر آتا ہی ترا
کیا قباحت ہی اگر سُبحہ ہو زُنّار کے پاس

جیتے جی نخلِ تمنّا تو نہ سرسبز ہوا
کاش بن جائے مری قبر ہی گلزار کے پاس

بے کسی کیسی برستی ہی ہمارے گھر پر
کوئی آتا نہیں بھولے سے بھی دیوار کے پاس

دیکھیے کیسی گزرتی ہی وہاں کا ڈر ہی
آبرو میری رہے مالکِ مختار کے پاس

ڈھونڈتی پھرتی ہی رحمت بھی بہانہ کیا کیا
دو قدم بڑھ کے ہی آتی ہی گنہگار کے پاس

(۶۸)

غاکساری نے ترا کام بنایا ہی بشیرؔ
کہ یہی چیز نہیں ایزدِ غفّار کے پاس

(۱/۱۵)

ردیف ش

حاصل جہان میں ہو مجھے گو ہزار عیش
ناپائدار عیش ہی ہی بے اعتبار عیش

تیرے قدم سے غمکدہ عشرت کدہ بنا
کیا کچھ مجھے دکھائے گا لطفِ بہار عیش

میرے علاوہ سارے زمانے کے واسطے
اک دو کا کیا شمار کہ میں بے شمار عیش

آئیں گے پھول پھل کبھی نخلِ مُراد میں
میرے گلے پڑے گا کبھی بن کے ہار عیش

دُنیا کے غم سے سستے چھُٹے جو چلے گئے
اب ہیں وہی منا رہے زیرِ مزار عیش

ممکن ہی اس سے سوزِ جگر میں کمی بھی ہو
شاید نکال دے مرے دل کا بخار عیش

ہی وہ سرور و عیش کہ ہی عیش بھی مگر
اب تک تھا میرے واسطے بے برگ و بار عیش

پھر چشمِ اشک بار کی تھم جائے گی جھڑی
برسائے گا زمیں پہ جو اپنی پھوار عیش

ابرِ بہار اُٹھا مجھے معلوم ہو گیا
دھو دے گا غم زدوں کے دلوں کا غبارِ عیش

یہ چیز وہ ہے جس کے لیئے بخت بھی ہے شرط
مانگے سے کیا ملے گا کسی کو اُدھارِ عیش

تیری خوشی پہ عیش ہمارا ہے منحصر
تجھ پہ نہ کیوں نثار کریں ہم ہزار عیش

وہ رشکِ گل نہیں تو کوئی لطف ہی نہیں
میری نگاہِ شوق میں ہے مثلِ خار عیش

آج اس کے واسطے ہے تو کل اس کے واسطے
کس سے کہیں یہ بات کہ ہے بے قرار عیش

دوزخ کا ڈر ہے کس کو ہیں ہوں اُمتِ رسول
جنّت کے در کھلے ہیں کہ ہوں ہمکنار عیش

(۶۹)
پژمردہ دل بشیرؔ کا کھلتا نہیں کبھی
گر ایک چھوڑ اُس کے لیئے ہوں ہزار عیش
(۱/۷)

ردیف ص

کیا خوب خود تو پیر ہوئے ہم جواں ہے حرص
پھر یہ بھی ادّعا ہے کہ دیکھو کہاں ہے حرص

یہ بھی کوئی اصول ہے یہ بھی کوئی طریق
ہر کام میں تمہارے رواں و دواں ہے حرص

میرا بھی تجربہ ہے یہ میری بھی رائے ہے
ہاں ہاں ضرور باعثِ نقصانِ جاں ہے حرص

مُنہ سے کہیں تو کہہ لیں کہ ہیں اس سے دور ہوں
لیکن جو پوچھو دل کی تو دامن کشاں ہے حرص

جس نے سمجھ لیا ہے کہ دُنیا ہے ہیچ ہے
اُس دل کے آس پاس بھٹکتی کہاں ہے حرص

میرے دبانے کے لیئے گویا ہے یہ زمیں
میرے مٹانے کے لیئے اک آسماں ہے حرص

(۷۰)
تم کہتے ہو بشیرؔ کہ دُنیا کو چھوڑ دو
لیکن تمہارے کاموں میں خود ہی نہاں ہے حرص
(۱/۱۴)

ردیف ض

کہتے ہیں جس کو غم نہیں آسان کوئی مرض
جائے گا جان لے کے یہ ہے جاں ستاں مرض

وہ جائے گا مگر یہ کسی دن نہ جائے گی
مہمان میری روح تو ہے میزبانِ مرض

کیوں پوچھتے ہو حالِ دلِ بے قرار کا
میرا عیاں مرض ہے نہیں کچھ نہاں مرض

مرنا بھی مجھ کو شاق تو جینا بھی ناگوار
مدّت سے میرے حال پہ ہے مہرباں مرض

الفت کے دم سے سینے میں لاکھوں ہیں داغِ دل
اس باغِ پُر بہار میں ہے باغباں مرض

لالے کی طرح رکھتا دلِ داغ دلدہوں
کیوں کر نہ میں کہوں کہ ہی یہ گلستاں مرض

ممکن نہیں شفا ہو مجھے دردِ عشق ہی
نام اس مرض کا جانیئے ہی دل ستاں مرض

تبرید سے ٹھنڈائی سے کچھ فائدہ نہیں
دیکھا طبیب نے بھی ہی ایسا کہاں مرض

جو کچھ گزرتی ہی دلِ بیمار ہی جانتا
کرتا کبھی سنا بھی ہی آہ وفغاں مرض

آثار ہیں بُرے کہ طبیعت نڈھال ہی
ظاہر ہی اس سے صاف نہ دے گا اماں مرض

کم سن ہیں دردِ دل سے خبردار ہی نہیں
وہ پوچھتے ہیں کیسا مرض ہی کہاں مرض

مجھ کو ہی ضعف اور مرض اشتداد پر
ہیں ناتواں بہت ہوں، نہیں ناتواں مرض

میت پر آکے کون کرے گریہ وُ فغاں
روئے تو روئے میرے لیئے مہرباں مرض

(۷۱)

دیکھا بشیرؔ کو وہ بہت خستہ حال ہی
پیری میں کیا سلوک کرے نوجواں مرض

(۱/۱۵)

ردیف ط

دعویٰ غلط، دلیل غلط، ادعا غلط
تم کو نہیں لحاظ یہ کہتے ہو کیا غلط

میرا تو قول راست بھی، اُن کے خیال میں
بے شک غلط ہی اور ہی کیسا لبسا غلط

ہوتا نہیں دروغ کو ہر گز کبھی فروغ
کیوں قول میرا آپ کے نزدیک تھا غلط

مانا وہ رات کو کہیں دن، دن کو رات بھی
لیکن غلط غلط ہی ہی اکب ہی روا غلط

سچ کہتا ہوں کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے
پھر بھی تو آپ کہتے ہیں اُس کو بھلا غلط

مرنے کے بعد قبر پہ میری نہ آؤگے
سب باتیں جب غلط ہیں تو ہی یہ بھی کیا غلط

گو مجھ کو دل کے دینے میں پروائے جاں نہیں
خاطر سے کہہ رہا ہوں کسی کی بجا غلط

سو بار تم نے مجھ سے کیا وعدہ دروغ
کیا ہو گیا جو میں نے بھی اب کے کہا غلط

ممکن ہی آدمی سے کبھی کچھ ہو بھول چوک
ہر بات آپ کہتے ہیں حد سے سوا غلط

یہ کیا ڈھٹائی ہی کہ نہیں جس کی کوئی حد
ہر وعدہ تم نے مجھ سے کیا برملا غلط

یہ کیا کہا کہ اور کو دل تم نے دے دیا
مجھ سے جو صاف پوچھو تو ہی یہ انتہا غلط

وعدے پہ وہ نہ آئیں کچھ عذر ہی کریں
اقرار میں جول کا ہے بدنما غلط

خط میں جو میں نے شوق کا اظہار کر دیا
اُس بدگماں نے جان کر اُس کو پڑھا غلط

میرے بیان کا اُنھیں آیا یقین کب
جب میں نے کچھ کہا تو کہا ہے سرا غلط

(۷۲)

دعویٰ تھا راستی کا بڑا آپ کو بشیر
لیکن بہت دنوں ہیں وہ آخر کھلا غلط

(۸/۶)

بھول جاتے ہو تم ہماری شرط
اور وہ شرط جو ہے پیاری شرط

کوئی کہتا ہے تم کو الفت ہے
لیکن اس میں ہے جاں نثاری شرط

ہے بشر کو غرور کب زیبا
خاک والے کو خاکساری شرط

آج کچھ کہتے ہیں وہ کل کچھ اور
ہر بشر کو ہے وضع داری شرط

بات پہ اپنی تم رہو قایم
قول میں رکھو پاس داری شرط

دشمنوں سے ہے دشمنی لازم
دوستوں سے ہے دوست داری شرط

قول کے تم سدا رہو پکے
وعدے میں رکھو استواری شرط

(۷۳)

پوچھ لو تم بشیر سے جا کر
عشق بازی میں کیسی ہاری شرط

(۹/۱)

ردیف ظ

تم کو نہ پاسِ وضع نہ کچھ بات کا لحاظ
اس پر بھی تو ہمیں ہے ملاقات کا لحاظ

معشوق کو تلافیِ مافات چاہیے
اس بات کا خیال ہو اُس بات کا لحاظ

فضلِ خدا سے جن کو ملی ہے تمیز و عقل
اُن کو ضرور چاہیے ہر بات کا لحاظ

ہو قدر تم کو دل سے جو اہلِ کمال کی
کرنا ضرور مردِ خوش اوقات کا لحاظ

جو عیب جوئی کرتے ہیں وہ شوق سے کریں
کرتا ہے کون ایسی خرافات کا لحاظ

(۷۴)

مرغوب عاشقی میں نہیں نالہ و فغاں
تم کو بشیر چاہیے اس بات کا لحاظ

(۱۰/۱)

ردیفِ ع

سحر کے ساتھ ہی رخصت ہے زندگانیِ شمع
یہ بات ہم نے سُنی بزم میں زبانیِ شمع

جو ہم نے غور کیا تو سحر کو کچھ بھی نہ تھا
تھی ایک رات کی مدت حیاتِ فانیِ شمع

پتنگے جل کے ہوئے خاک صبح ہونے تک
تمام رات رہی خوب مہربانیِ شمع

مٹائی اپنی تجلّی سے اُس نے ظلمتِ شب
سبب تھی رونقِ محفل کا گُل فشانیِ شمع

جُدا ہوئی پر پروانے سے بہت رو کر
یہ جھلملانا بتاتا ہے ناتوانیِ شمع

جلی تو ایسی جلی، راکھ ہو گئی جل کر
بیان مجھ سے ہو کیوں کر یہ سخت جانیِ شمع

سکھا گئی ہے وہ جلنا ہمیں سرِ محفل
سمجھ لیں جاننے والے یہ نکتہ دانیِ شمع

تھی ایک رات کی مہمان جل بجھی دمِ صبح
نہ کم سنی ہی نہ ظاہر ہوئی جوانیِ شمع

یہ اپنے دل کو جلاتی ہے سب کے ماتم میں
نہیں ہے گورِ غریباں پہ کوئی ثانیِ شمع

(۷۵)
بشیر درسِ تپِ عشق دے کے محفل میں
تمام بھی کرو تم اب یہ نوحہ خوانیِ شمع
(۱/۲)

ردیفِ غ

بے موقع بے محل ہے عجب طور کا دروغ
یہ کچھ ڈھکا چھپا نہیں ہے برملا دروغ

ہر بات میں ہماری تو ہے شک کا شائبہ
پاتا ہے ہاں فروغ تمہارا کھلا دروغ

میری تو بات بات پہ ہے، تم کو اعتراض
پر تم تراشتے ہو ہمیشہ نیا دروغ

دل سے بنا ہی لیتے ہیں اک بات جھوٹ موٹ
وہ بولتے ہی رہتے ہیں بے انتہا دروغ

جب کہہ دیا کہ جھوٹ ہے یہ بات آپ کی
وہ بول اُٹھے کہ "مصلحت آمیز تھا دروغ"

آمین گو ہوں میں مجھے حجت سے کیا غرض
جا سر ہے یہ دروغ نہیں ناروا دروغ

(۷۶)
کہتے ہیں اے بشیر وہ اظہارِ عشق پر
یہ بے محل ہے بات، یہ ہے بے تُکا دروغ
(۱/۱۲)

ردیفِ ف

چشمِ عتاب اُن کی ہے اغیار کی طرف
ہے مہر کی نظر نہیں دو چار کی طرف

دل کی طرح نگاہ بھی دلدار کی طرف
یعنی ہے میرا رُخ اُسی عیّار کی طرف

بھولے سے بھی اِدھر کو وہ اب دیکھتے نہیں
ہے ٹکٹکی بندھی ہوئی اغیار کی طرف

ہوتا ہے جس مکاں میں مرا اُن کا سامنا
مُنہ اپنا پھیر لیتے ہیں دیوار کی طرف

آئینے میں نہ دیکھ سکے اپنی شکل کو
پھسلی نظر بھی جب پڑی رخسار کی طرف

دل کو مَسَل رہے ہیں وہ حُسنِ خرام سے
میں دیکھتا ہوں شوخیِ رفتار کی طرف

سودا نہیں ہوا کسی یوسف جمال کا
احباب دوڑے جاتے ہیں بازار کی طرف

اب موت بھی نہیں مری پُرسانِ حال ہے
کس کو پڑی ہے آئے جو بیمار کی طرف

کس وقت کس بلا کا جہاں میں نہ دل ہو
آنکھیں لگی ہیں چرخِ جفاکار کی طرف

جاتا تو میں ہوں لیکن ادبے خیال سے
کیوں کر قدم بڑھاؤں گا سرکار کی طرف

محشر میں پھر ہو کس لیئے زحمت سے واسطہ
رحمت سے وہ جو دیکھے گنہگار کی طرف

(۷۷) بے طور اب بشیر مصیبت میں پھنس گیا
مائل ہے اُس کا دل کسی دلدار کی طرف (۱/۱۱)

ردیف ق

دل جلانے کے ہیں ہزار طریق
کہ ستانے کے ہیں ہزار طریق

کچھ لجاجت سے کچھ خوشامد سے
دل لگانے کے ہیں ہزار طریق

آئے دن کیوں نیا بہانہ ہے
آنے جانے کے ہیں ہزار طریق

آنا چاہیں تو وہ چلے آئیں
ہاں بہانے کے ہیں ہزار طریق

ہے محبت جو واقعی دل میں
مُنہ لگانے کے ہیں ہزار طریق

دل مِلانے کے ڈھنگ لاکھوں ہیں
دل دُکھانے کے ہیں ہزار طریق

خلق میں پاس آبرو جو نہیں
مانگ کھانے کے ہیں ہزار طریق

ہجو لکھیں کسی کی مدح کریں
یوں کمانے کے ہیں ہزار طریق

آپ ہی کا نہیں ہے کچھ ٹھیکا
اِس ٹھکانیکے ہیں ہزار طریق

شکوۂ ظلم پر وہ کیوں بگڑیں
روٹھ جانے کے ہیں ہزار طریق

ہے بشیر آپ کو جو شرم و لحاظ
مُنہ چھپانے کے ہیں ہزار طریق

(۷۸) (۱/۸)

ردیف ک

کون جیتا ہے دعاؤں کا اثر ہونے تک
مر ہی جاؤں گا شبِ غم کی سحر ہونے تک

نہ تو ہمدم ہے نہ مونس ہے نہ غمخوار کوئی
ختم ہو جائیں گے ہم اُن کو خبر ہونے تک

نخلِ امید میں کلیوں کا ابھی ذکر نہیں
وہ مزے لے گا جیئے گا جو ثمر ہونے تک

اس سے پہلے ہی محبت میں یہ مٹ جائے گا
دل ہی ہوگا نہ مرا خونِ جگر ہونے تک

ہے یہی طرزِ تغافل تو یقیں ہے ہم کو
ہم نہ زندہ رہیں گے اُن کی نظر ہونے تک

واقعی رنج کا گھر ہے یہ سرائے عالم
ہوں گے غم سیکڑوں دنیا سے سفر ہونے تک

بحرِ الفت میں ہیں طغیانِ حوادث کیا کیا
مشکلیں کتنی ہیں قطرے کو گہر ہونے تک

چشمِ بد بیں سے ستمگر کی خبردار بشیر
کون جیتا ہے بھلا سینہ سپر ہونے تک

(۷۹) (۲/۱۷)

کھلے گا غنچۂ امید اپنا ہاں کب تک
بہار آئے گی گلشن میں باغباں کب تک

یہ ضبطِ درد و غم و نالہ و فغاں کب تک
رہے گی دل میں کوئی آرزو نہاں کب تک

بہارِ گل کوئی لحظے میں ہوتی ہے رخصت
خزاں اب آنے کو ہے سیرِ بوستاں کب تک

ہمیشہ دہر میں رہنا کسی کا کیا ممکن
کوئی نہ ٹھہرا تو ٹھہریں گے ہم یہاں کب تک

یہ کہہ کے وہ نہیں سنتے ہیں داستانِ فراق
بس اب خموش کیے جاؤ گے بیاں کب تک

سرائے فانیِ دُنیا کا اعتبار نہیں
کوئی رہے تو رہے اس میں میہماں کب تک

فنا ہے سب کے لیے ہے بقا اُسی کے لیے
غرور و نخوت و کبر و منی ہے ہاں کب تک

کہاں شباب کا وہ جوش ہے ضعیفی میں
جوانی جا چکی اب ہم رہیں جواں کب تک

نظر میں ضُعف کمر میں بھی خم حواس بھی گُم
سکت بدن میں نہیں تاب و تواں کب تک

غلط ہے چین زمانے میں ہم کو مل جائے
قرار کب ہے یہاں اور پھر اماں کب تک

وہ کہہ رہے ہیں ترے گھر ضرور آئیں گے
یقین چاہیئے یہ وہم یہ گماں کب تک

بڑے بڑوں کا تو ملتا نہیں سراغ ہمیں
ہماری قبر کا دیکھیں رہے نشاں کب تک

بڑھاپے میں بھی ہے تصویر اُس کی زیرِ بغل
رکھیں گے آپ اسے کہیئے حرزِ جاں کب تک

کہاں سے ڈھونڈ کے لائیں کلیجہ پتھر کا
اُٹھائیں اہلِ زمیں جورِ آسماں کب تک

کروں نہ کیوں دلِ پُر اضطرار کا شکوہ
یہ مجھ کو رکھے گا برباد نیم جاں کب تک

کچھ انتہا بھی لجاجت کی ہے خوشامد کی
ملائے جائے کوئی اُن کی ہاں میں ہاں کب تک

(۸۰)
بشیر ضبط سے لے کام اب وہ بات کہاں
چلے ہی جائے گی قینچی سی یہ زباں کب تک
(۱/۴)

ردیف گ

کیوں کر بجھے بجھائے سے اب میرے دل کی آگ
دیکھو بھڑک رہی ہے دلِ مشتعل کی آگ

گو رو رہا ہوں دیکھ کے فردِ گناہ کو
پھر بھی سُلگ رہی ہے دلِ منفعل کی آگ

جلنے سے بچ سکے گا نہ پردہ حجاب کا
کر دے گی خاک اس کو بھی چشمِ خجل کی آگ

مرنے کے بعد سوزِ محبت فضول ہے
تم لے کے کیا کرو گے مرے مُردہ دل کی آگ

جل کے کباب ہو گیا سوزِ فراق سے
اب کیوں کریدتے ہو دلِ مضمحل کی آگ

(۸۱)
اک اک کو سوزِ عشق کا شکوہ ہے اے بشیر
پھیلی ہوئی جہان میں ہے میرے دل کی آگ
(۱/۱۴)

ردیف ل

ہماری عمرِ گزشتہ ہے خواب میں داخل
جو آنے والی ہے وہ ہے عذاب میں داخل

قصور جتنے کیئے ہوں رقیب نے سرِ بزم
انہیں بھی تم کرو میرے حساب میں داخل

لہو لگا کے شہیدوں میں مل گیا کیسا
ہوا ہے مفت میں دشمن ثواب میں داخل

جو مجھ سے ہو سکے تو ہے سکوت ہی بہتر
ہے سیدھی بات وہاں اضطراب میں داخل

جفا و جور کا مضمون درج ہو جس میں
وفا کا ذکر ہو کیوں اُس کتاب میں داخل

خبر نہ تھی کہ محبت میں جان جائے گی
لگا کے روگ ہوئے ہم عذاب میں داخل

وہ لاکھ مجھ سے چھپیں مجھ سے چھپ نہیں سکتے
نگاہِ شوق مری ہے نقاب میں داخل

وہ بزمِ غیر میں جا کر چھپے تو کیا شکوہ
کہ یہ ادا بھی ہے اُن کی حجاب میں داخل

ہمارے خط کا وہ دیتے نہیں جواب کبھی
یہ خاموشی بھی ہے اُن کی جواب میں داخل

رہی اُمنگ جوانی کی بھی ضعیفی میں
بھی بے طرح ہوئی پیری شباب میں داخل

سمندِ عمرِ رواں کو کہیں قرار نہیں
سنبھل کے پاؤں کو کر نار کاب میں داخل

لگی ہے ترکِ مئے ناب سے بدن میں آگ
کہ لختِ دل بھی ہے میرا کباب میں داخل

جو ترکِ مے پہ مجھے کر رہے ہیں اب مجبور
وہ کاش زہر بھی کر دیں شراب میں داخل

نکالنے سے نہ نکلی وہ آرزو میری
جو ہو گئی دلِ خانہ خراب میں داخل

لکھیں کتابیں بہت پر نہ کچھ بھی قدر ہوئی
ہوئی نہ ایک بھی دیکھو نصاب میں داخل

(۸۲)

غزل بشیرؔ کی ہے لاجواب کیا کہنا
عجب نہیں جو یہ ہو انتخاب میں داخل

(۱/۱۶)

غزل

جھکائے سر کہیں سجدے کو بار بار قلم
کرے یہ کام بھی حمدِ خدا نگارِ قلم

یہ کس کی حمد تھی کس کی ثنا تھی کس کی مدح
فدا دوات ہوئی ہو گیا نثارِ قلم

سیاہ کاریِ اعمال اُس نے لکھی ہے
نہ کیوں ہو فرطِ ندامت سے شرمسار قلم

سوادِ اشک رواں ہے جبین کاغذ پر
ہمارے حال پہ گویا ہے اشکبارِ قلم

سرِ بُریدہ سے بھی شیون و بکا ہے عیاں
نہ کیوں ہو ایسا ازل سے ہے دل فگارِ قلم

لکھے جو حمدِ خدا اور نعتِ سرورِ دیں
اُسی کو جانتے ہیں ہم تو زر نگارِ قلم

ہمیشہ لکھتا ہے اوصافِ احمدِ مرسل
بجا ہے جتنا کرے اس پر افتخار قلم

قلم کا رتبہ بڑھا حمد و نعت سے کیا کیا
عجب نہیں کہ ہو قربان ہو نثارِ قلم

ق

کبھی جو صدمۂ ہجراں کا میں لکھوں احوال
تو شق کلیجہ ہو یکسر ہو دل فگار قلم

جو پہونچے مژدۂ جاں بخشِ وصلِ یار کبھی
تو چوبِ خشک بھی ہو جائے پُر بہار قلم

لکھوں جو نامۂ پُر از اشتیاق و شوقِ وصال
تو چوم لے سرِ کاغذ کرے پیار قلم

نہیں سماتا ہی کاغذ بھی اپنے جامے میں
درست کرتا ہی کاتب بھی بار بار قلم

بنا ہی صفحۂ قرطاس عارضِ محبوب
ہوا ہی ذکرِ محمدؐ سے گلعذار قلم

کسی کی مدح کرے اُس کے دل کو گرمائے
ہیں نکتہ چینی پہ مائل تو بے شمار قلم

بُرائی نکلے کسی کی نہ زینہار کبھی
وہ مستحقِ ستائش ہی ذی وقار قلم

(۸۳)
بشیرؔ وصفِ رسولِ خدا ہی گر لکھنا
زباں کو پاک کرو اور لو سنوار قلم
(۲/۱۲)

الفت میں وہ کام کر گئے ہم
وہ خوش ہوں کہ آج مر گئے ہم

وہ کہتے ہیں اس کو تم نہ پوچھو
کس وجہ سے کیوں مُکر گئے ہم

پائی نہ پناہ رنج و غم سے
دل ساتھ رہا جدھر گئے ہم

احباب نے اُنگلیاں اُٹھائیں
جس رستے سے بھی گزر گئے ہم

نکلیں نہ ہماری آرزوئیں
اس آرزو ہی میں مر گئے ہم

نکلیں گے نہ جیتے جی وہاں سے
اُس شوخ کے گھر اگر گئے ہم

اُس بزم میں اور اُس انجمن میں
جانا تھا عبث مگر گئے ہم

کیا راہِ طلب میں بے خودی تھی
جانا تھا کدھر کدھر گئے ہم

اچھی بھی کٹی بُری بھی گزری
ہر طور سے بسر کر گئے ہم

خُم خانۂ عشق و عاشقی میں
پیمانۂ زیست بھر گئے ہم

پایا ہی فنا کے بعد مرقد
مر کر ہی تو اپنے گھر گئے ہم

(۸۴)
افسوس ہا بشیرؔ اب ہی بے سود
جو کرنا تھا کیوں نہ کر گئے ہم
(۱/۱۲)

(ردیف ن)

اغیار اُنہیں دیکھے ہوئے پائے ہوئے ہیں
اک ہم ہیں کہ صورت ہی پہ للچائے ہوئے ہیں

کیا صبح شبِ وصل کا میں حال بتاؤں
اب کیا کروں اُس شوخ سے میں عرضِ تمنّا
قایم جو کبھی عہدِ جوانی نہیں رہتا
جو بجھ نہیں سکتے ہیں مرے اشکِ رواں سے
بیدار ہوں یا خواب میں ہوں کچھ نہیں کھُلتا
باتیں بھی وہ کرتے ہیں، یہ اک بات نئی ہے
مدّت سے تمنّا ہے کہ ہو وصل میسر
ڈر ہے کہ کہیں فاش نہ ہو رازِ محبت
آنے میں تامل ہے تو شاید یہ سبب ہو
تقدیر کا لکھّا نہیں ٹلتا نہیں ٹلتا

نظریں ہیں جھُکی اور وہ شرمائے ہوئے ہیں
چتون ہے غضب گیسو بھی بَل کھائے ہوئے ہیں
کیوں حُسنِ دوروزہ پہ وہ اترائے ہوئے ہیں
الفت کے وہ شعلے ترے بھڑکائے ہوئے ہیں
میں دیکھ رہا ہوں وہ یہاں آئے ہوئے ہیں
گھونگٹ بھی ذرا چہرے سے سرکائے ہوئے ہیں
زانو سے وہ سر دیکھیے کھسکائے ہوئے ہیں
آنسو مری آنکھوں میں یہ کیوں آئے ہوئے ہیں
مطلب مرا مدّت سے وہ ہاں پائے ہوئے ہیں
ہم خوب یہ سمجھے ہوئے سمجھائے ہوئے ہیں

(۸۵)

دُنیا میں بشیرؔ اب نہیں آرام کی صورت
سَو جھگڑے بکھیڑے ہمیں اُلجھائے ہوئے ہیں

(۲/۵)

کیا کہوں، اظہارِ دردِ غم یہ کیا کہنے کو ہیں
آپ اپنے ظلم پر، اب مرحبا کہنے کو ہیں
بعد مر جانے کے بھولے سے نہ لے گا کوئی نام
پیٹھ پیچھے وہ برُائی کرتے ہیں کیا کیا مری
رات دن رہتا ہے سب کو بُت پرستی ہی سے کام
رکھتے ہیں پوشیدہ دل میں اک بُتِ کافر کی یاد
آپ نے دیں شکوۂ غم پر ہزاروں گالیاں
ظلم کرنے میں کوئی لیتا ہے ہم سے مشورہ
یہ بتا ہے قوم کی دیکھی نہیں جاتی بشیرؔ

جو نہ کہنا چاہیئے وہ برملا کہنے کو ہیں
پوچھیئے ہم سے تو اس کو ناروا کہنے کو ہیں
یہ ہمارے سب عزیز و اقربا کہنے کو ہیں
بلکہ موقع ہو تو مُنہ پر نا سزا کہنے کو ہیں
ہم میں اب تو با خدا و اتقیا کہنے کو ہیں
ہم مسلماں تو فقط نامِ خدا کہنے کو ہیں
زہر اگلا ہے بہت، اب تا کجا کہنے کو ہیں
دل کی مجبوری سے ہم بھی، اجی بجا کہنے کو ہیں
ہم تو ہیں ناچار، دیکھیں لوگ کیا کہنے کو ہیں

(۸۶) لجائے ہوئے منہ چھپائے ہوئے ہیں / وہ یوں میرے گھر آج آئے ہوئے ہیں (۳/۱۳)

جنھیں تیغ اُٹھانے میں بھی ہے تامل / یہ چہرے اُنہیں کے لگائے ہوئے ہیں

نہ دم ہے نہ مجھ میں ہے اب ہوش باقی / مسرت ہو کیا وہ جو آئے ہوئے ہیں

کبھی تو وہ گزرے ہماری طرف سے / سرِ راہ آنکھیں بچھائے ہوئے ہیں

نہیں اُن کو پروا کہ مرتا ہے کوئی / وہ اغیار سے دل لگائے ہوئے ہیں

انہیں کا تو دل ہے انہیں کا کلیجہ / جو رازِ محبت چھپائے ہوئے ہیں

مرے دل کو اب ہے تڑپنا بھی مشکل / وہ پہلو سے پہلو دبائے ہوئے ہیں

ہمیں چین آئے تو کیا خاک آئے / کلیجے پہ تیر اُن کے کھائے ہوئے ہیں

یہ دُنیا ہے بس ایک دھوکے کی ٹٹی / خدا کی طرف لَو لگائے ہوئے ہیں

اُنہیں کی تو آسان مشکل بھی ہوگی / جو رازِ محبت کو پائے ہوئے ہیں

اُنہیں کی تو ہستی ہے کیا خوب ہستی / جو ہستی کو اپنی مٹائے ہوئے ہیں

ہمارے گناہوں کی حد کچھ نہیں ہے / بہت بوجھ سر پر اٹھائے ہوئے ہیں

بشیر اب نہیں کوئی پرساں ہمارا / جو اپنے تھے وہ بھی پرائے ہوئے ہیں (۲/۱۱)

(۸۷)

نہ ملتی ہے خبر اُن کی نہ معلوم اُن کے رستے ہیں / خدا جانے وفا کے بندے کس بستی میں بستے ہیں

ہماری چشمِ گریاں ہر گھڑی روتی ہے الفت میں / وہ ہیں برسات کے بادل جو تھم تھم کر برستے ہیں

کبھی پیشِ نظر رہتا تھا اپنے جلوۂ جاناں / مگر اب ہے یہ عالم دیکھنے کو ہم ترستے ہیں

رہا کرتی ہے جب کے دل میں الفت اہلِ الفت کی / وہ کس عالم میں رہتے ہیں وہ کس بستی میں بستے ہیں

ہمارے نقدِ دل پر ناحق اُن کو بدگمانی ہے / اگر سونا کھرا ہے تو وہ کیوں سونے کو کستے ہیں

غنیمت ہے جو مل جاتے ہیں اکثر جان دینے پر / بہت مہنگے ہیں یہ معشوق لیکن پھر بھی سستے ہیں

تمہارے گیسوئے پیچاں کے عاشق جی نہیں سکتے / خدا محفوظ رکھے یہ تو اژدر ناگ ڈستے ہیں

ہوا ہی تجربہ اب آپ کو بھی کوئے جاناں کا
تعجب ہی کہ پھر بھی آپ اس دلدل میں پھنستے ہیں

دل وارفتہ باز آ، مان کہنا اس ارادے سے
کٹھن ہی عشق کی منزل، بڑے پرپیچ رستے ہیں

کھلے گا جب مرا اعمال نامہ تیرہ بختی کا
نہیں ہی اک ورق وہ، دیکھیئے دستے کے دستے ہیں

(۸۸)
قیامت میں کہاں تک جانچ ہوگی ای بشیر ان کی
ہمارے نامۂ اعمال کے بستے کے بستے ہیں
(۵/۱۲)

کرو دیوانہ اوروں کو، یہ ہشیاروں کی باتیں ہیں
ستم گاروں کی، بے دردوں کی، عیاروں کی باتیں ہیں

جفا کرتے ہو مجھ پر، کب تمہیں یہ زیب دیتا ہی
ستم ڈھاتے ہو دل پر، کیا یہ دلداروں کی باتیں ہیں

کبھی حیلہ، کبھی فقرہ، کبھی جھانسا، کبھی چکمہ
وہ سب ہیں بے طرح، جتنی طرحداروں کی باتیں ہیں

ادھر وعدہ، ادھر انکار، اس سے فائدہ کیا ہی
یہ مکاری کی گھاتیں ہیں، یہ مکاروں کی باتیں ہیں

کبھی مجھ پر توجہ ہی، کبھی مجھ سے تغافل ہی
یہ تیری جتنی باتیں ہیں، جفاکاروں کی باتیں ہیں

فلک مجھ کو ستاتا ہی، زمیں مجھ کو دباتی ہی
قیامت حشر ان دونوں، ستمگاروں کی باتیں ہیں

گناہوں پر نہیں شرمندگی، دل ہیں معاذ اللہ!
رہی توبہ زبانی، یہ گنہگاروں کی باتیں ہیں

غلط ہی، زلفِ شب گوں پر تری دل آگیا اُن پر
سیہ بختوں کے قصے ہیں، سیہ کاروں کی باتیں ہیں

حسینانِ جہاں کو پاس وعدے کا نہیں رہتا
یہ درباروں کی باتیں ہیں، یہ سرکاروں کی باتیں ہیں

صفت معشوق کی کرنی، گلہ معشوق کا کرنا
نتیجہ کچھ نہیں اس سے، یہ بے کاروں کی باتیں ہیں

جھکے کوئی تو جھک جاؤ، تنے کوئی تو تن جاؤ
زمانے میں یہی بس نیک کرداروں کی باتیں ہیں

(۸۹)
تسلی ذکرِ حق سے ہوگئی مجھ کو بشیر آخر
سوا اس ذکر کے جو کچھ ہی، وہ یاروں کی باتیں ہیں
(۶/۹)

خیال آتا ہی مجھ کو اب کوئی لحظے میں ملتے ہیں
مگر بزمِ عدو سے وہ نہ ٹلتے ہیں نہ ہلتے ہیں

یہ دل ہی بے طرح بے کل کہیں بچھڑے بھی ملتے ہیں
بھلا کب زخم ہائے دل رفو ہونے سے سلتے ہیں

ہجومِ حشر میں، چھٹ جاؤ تم مجھ سے تو مشکل ہو
یہی وہ بزم ہی، شانے جہاں شانے سے چھلتے ہیں

وہ آئے میرے گھر زلفیں پریشاں کرکے چہرے پر / الٰہی تو نگہباں ہے کہ دونوں وقت ملتے ہیں
تمہارے گیسوئے پیچاں سے میں دل کو بچاتا ہوں / یہ کالے ناگ ایسے ہیں انہیں کیلے سے کلتے ہیں
دوبارہ آئے گی میری جوانی غیر ممکن ہے / جو کھل کر سوکھ جاتے ہیں کہاں وہ پھول کھلتے ہیں
رہِ عشق و وفا میں مشکلیں ہیں سیکڑوں لیکن / کبھی اپنی جگہ سے ہم ہلے ہیں اور نہ ہلتے ہیں
ہجومِ درد و رنجِ عشق نے گھبرا دیا مجھ کو / بلا کا سامنا ہوتا ہے جب یہ آ کے پلتے ہیں

(۹۰) بشیر اس ٹھاٹ سے مقتل کی جانب کوئی آتا ہے / کلیجے بھی لرز جاتے ہیں سب کے دل بھی ہلتے ہیں (۶/۱۴)

مرے ارماں رہ رہ کر مرے دل میں مچلتے ہیں / الٰہی دیکھیے کیوں کر نکلتے ہیں کب نکلتے ہیں
مسیحا کس لیے آئے مری بالیں پہ کیا مطلب / کہیں بیمارِ الفت بھی سنبھالے سے سنبھلتے ہیں
دکھائی لاکھ ہو لیکن نہ اٹھیں گے نہ نکلیں گے / ترے در سے کہیں عشاق بھی ٹالے سے ٹلتے ہیں
کرے وعدہ جو ملنے کا تو پورا بھی کرے کوئی / نری باتوں ہی باتوں سے بھلا دل کب بہلتے ہیں
نہیں شرمِ جفا ان کو تو پھر اس کا سبب کیا ہے / مرے پُر درد نالوں سے وہ کیوں اتنا دہلتے ہیں
وفورِ گریہ سے طوفاں کیا عالم میں اٹھے گا / مری آنکھوں سے چشمے اشک کے پیہم اُبلتے ہیں
ستانا گر تری خو ہے تو ہم بھی ہو گئے خوگر / تجھی جیسے ستمگر مونگ بھی چھاتی پہ دلتے ہیں
جنھیں انداز آتا ہے جہاں میں خوش خرامی کا / وہی پامال کرتے ہیں وہی دل کو کچلتے ہیں
حسینانِ جہاں قابو میں ہرگز آ نہیں سکتے / کہیں تعویذ گنڈے ایسے سفاکوں پہ چلتے ہیں
ہزاروں منتیں کیں حالِ دل بھی سب کہا ان سے / مگر گھبرائے جاتے ہیں وہ دیکھیں کب بہلتے ہیں
ترے گیسو غضب کے پیچ میں لاتے ہیں عاشق کو / ارے ایسے بلا کے ناگ تو پالے سے پلتے ہیں
خدا کے دستِ قدرت نے بنایا نور کا پتلا / تمہیں جیسے حسیں تو حسن کے سانچے میں ڈھلتے ہیں
جو سنتے ہیں تمہاری بے قراری لوگ ہنستے ہیں / جو دشمن ہیں وہ خوش ہوتے ہیں اور یہ آنسو اچھلتے ہیں
بشیر اپنی کفِ پا میں کوئی مہندی لگاتا ہے / نہیں ہے دستِ رس جن کو وہ کیا کیا ہاتھ ملتے ہیں

(۹۱)

ہم اپنی جان تمہیں پرنثار کرتے ہیں
یہ بات جھوٹ ہے اوروں کو پیار کرتے ہیں

وہ میرے سامنے دشمن کو پیار کرتے ہیں
اُسے نہال مجھے شرمسار کرتے ہیں

نہ تیغ کی ہے ضرورت نہ اُن کو تیر کی ہے
نگاہِ ناز سے دل وہ فگار کرتے ہیں

وہ وعدہ کرتا ہے لیکن وفا نہیں کرتا
ہم ایسے جھوٹے کا کیا اعتبار کرتے ہیں

جو جیسا ہوتا ہے اوروں کو بھی سمجھتا ہے
کہ آپ جھوٹوں میں ہم کو شمار کرتے ہیں

الہی خیر ہو پھر میل جول بڑھتا ہے
وہ آج پھر مجھے اُمیدوار کرتے ہیں

نگاہ در پہ تو رہتے ہیں کان آہٹ پر
ہم اُن کے آنے کا روز انتظار کرتے ہیں

ہمارے عشق و محبت کی قدر تجھکو نہیں
جبھی تو تیرا گلہ بار بار کرتے ہیں

جنوں میں کرتے ہیں دامن کو چاک اہلِ جنوں
لباسِ زیست کو ہم تار تار کرتے ہیں

بشیرؔ رونے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا
ہم اپنی آنکھوں کو مفت اشکبار کرتے ہیں

(۹۲)

(9/12)

کسی کے سامنے ہم عرضِ حال کرتے ہیں
جو آہ بھی نہیں کرتے کمال کرتے ہیں

وہ مجھ سے عشق و وفا کا سوال کرتے ہیں
جواب سُن کے، اگر پھر ملال کرتے ہیں

کہا ہو میں نے اگر کچھ تو لیں قسم مجھ سے
وہ بات کیا ہے، وہ جس کا خیال کرتے ہیں

اگر سنئیں تو رہے بخت اور نہ وائے نصیب
ہم آج آپ سے کچھ عرضِ حال کرتے ہیں

دل و جگر کا مرے امتحان ہوتا ہے
ہر اک طریق سے وہ دیکھ بھال کرتے ہیں

کوئی گھڑی، کوئی ٹھہرے یہ سخت مشکل ہے
وہ بزمِ ناز میں رہنا محال کرتے ہیں

دعائیں حسن کی بھی اُن کو دے نہیں سکتا
وہ جانتے ہیں کہ یہ ہم سے چال کرتے ہیں

ہمارا عشق، پسِ مرگ رنگ لایا ہے
وہ فرطِ گریہ سے آنکھوں کو لال کرتے ہیں

ستم کی حد بھی کوئی اور انتہا بھی ہے
وہ دیکھو، اُلٹی چھری سے حلال کرتے ہیں

کسی کا کچھ نہیں جاتا خراب ہوں گے ہم
ہم اپنی جان پہ اُلٹا وبال کرتے ہیں

وہاں ہے قدر کہاں عاشقوں کی اے دلِ زار ۔۔۔ دلِ حزیں کو وہی پائمال کرتے ہیں

(۹۳)

بشیرؔ آنے کا وعدہ تو کر لیا، دیکھوں
یہ غنچہ لب مجھے کس دن نہال کرتے ہیں

(۱/۱۰)

وعدے پہ وعدہ کر کے مُکر جاتے آپ ہیں ۔۔۔ پھر یہ ہے دل میں اپنے بھی پچھتاتے آپ ہیں
نظریں جھکی ہیں، چہرہ بھی اُترا ہوا ہے، کیوں ۔۔۔ یہ بات کیا ہے کس لیئے شرماتے آپ ہیں
اب میرے مُنہ پہ کیجیئے میری شکائیتیں ۔۔۔ کیوں جھوٹے سچّے خط مجھے لکھواتے آپ ہیں
ساری وفائیں بھول گئے، یاد ہی نہیں ۔۔۔ میرے قصور مفت میں گنواتے آپ ہیں
آنے کا وعدہ کوئی بھی پورا نہیں ہوا ۔۔۔ اِن خالی خولی باتوں سے پرچاتے آپ ہیں
میں نے تو جب کہا ہے، یہی آپ سے کہا ۔۔۔ "بے شک، بجا، درست" جو فرماتے آپ ہیں
آراستہ ہے کلبۂ احزاں، اب آیئے ۔۔۔ در پر مری نظر ہے کہ اب آتے آپ ہیں
ہوتا ہوں شاد صورتِ زیبا کو دیکھ کر ۔۔۔ اتنا بھی مغتنم ہے کہ آ جاتے آپ ہیں
مجھ کو تو شاعری سے، تعلق کوئی نہیں ۔۔۔ لکھتا ہوں میں، وہی جو لکھواتے آپ ہیں

(۹۴)

مدّت ہوئی بشیرؔ زمانے سے ہے الگ
لیکن ہے آ ہی جاتا، جو بُلواتے آپ ہیں

(۱۱/۱۵)

جہاں میں اک ایک سمت کیا کیا، کرشمے قدرت کے جلوہ گر ہیں
خدا کی ہستی سے باخبر ہیں، ہم اپنی ہستی سے بے خبر ہیں
جو تیرہ دل ہیں وہ محوِ غفلت، اُنھیں نہیں کچھ بھی واقفیت
جو پاک باطن ہیں بس وہ بے شک، خدا کے رازوں سے باخبر ہیں
کہاں ہے یہ عقل کی رسائی، جو پہونچے اسرارِ ایزدی تک
اُسی کو آتا نظر ہے سب کچھ، کہ جس پہ وا معرفت کے در ہیں

خدا کے محبوب ہیں جو بندے، اُنہیں نہیں کام ماسوا سے
وہی ہیں حق بین وہی خدارس، وہی تو بس صاحبِ نظر ہیں
طریقِ وحدت طریقِ طاعت، یہ کام لیں غور سے بشیر کچھ
انہیں کوئی سہل ہی نہ سمجھے، یہ رستے پُرخوف و پُرخطر ہیں
بسِ فنا شرم معصیت سے، ہے قبر میں حال غیر اپنا
کہاں چھُپائیں رُخِ سیہ کو، کہ بند سب اب رہِ مَفر ہیں
ہمارے اعمال کی نکوہش نے، بات ہی مار دی ہماری
جبھی تو دوزخ گناہ گاروں کے، الاماں کیسے مستقر ہیں
ہوا ہے قرآن سے یہ ثابت، حدیث سے یہ ہوا ہے ظاہر
شجر حجر کر رہے ہیں تسبیح، شریک جس میں جن و بشر ہیں
طیور مصروف حمدِ باری، خدائی مشغولِ مدح ساری
یہ صبح کا وقت ہے سُہانا، یہ جھومتے دیکھو کیا شجر ہیں
کہیں برہمن، کہیں مسلماں، کہیں ہے مسجد، کہیں کلیسا
خدا کی قدرت کے سب ہیں قائل، یہ اپنے گھر میں وہ اپنے گھر ہیں
کچھ ایسا اب آگیا زمانہ، نہیں کسی کا کہیں ٹھکانا
جہاں جنھیں دیکھو ہیں پریشاں، جنھیں جہاں دیکھو منتشر ہیں
بڑی ہی جرأت بڑی ہے ہمت، بڑی ہے قوت بڑی شرارت
بڑے بہادر بڑے سپاہی، بڑے لڑاکو بڑے نڈر ہیں
سمجھ خدا سے ملی ہے جن کو، ذرا وہ سوچیں ذرا وہ سمجھیں
فضول گوئی سے فائدہ کیا، کرو وہ باتیں جو کارگر ہیں

عدم کا ہر دم کھلا ہے رستہ، چلے ہی جاتے ہیں لوگ دوڑے
کچھ آگے پیچھے رواں دواں ہیں، کچھ اس میں اپنے بھی ہم سفر ہیں

شروع میں حمد ہے خدا کی آئی ہا بشیر آخر میں دردِ قومی
ہزاروں معنی چھپے ہیں اس میں، اگرچہ الفاظ مختصر ہیں

(۹۵) (۱۲/۱۴)

حسن کو اچھے برے انسان کی پہچان نہیں	سچ تو یہ ہے کہ وہ انسان جو انسان نہیں
گر نہیں چشمِ مروت تو پھر انسان نہیں	عقل دی ہے تجھے، ایسا تو تو نادان نہیں
گھر تمہارا ہے تکلف کی ضرورت کیا ہے	مالکِ خانہ ہو تم تو کوئی مہمان نہیں
کیسی جرأت ہے کہ وہ قتل مجھے کرتا ہے	اور پھر اپنے کیئے پر بھی پشیمان نہیں
خلعتِ اشرفِ مخلوق تجھے بخشا ہے	ارے نادان تو کچھ داخلِ حیوان نہیں
کیوں نبھے گی نہ محبت، ہے سبب کیا اس کا	تم بھی انجان نہیں، ہیں بھی کچھ انجان نہیں
اپنے عاشق کا جو ایمان لیا کرتے ہیں	اس سے معلوم ہوا آپ کو ایمان نہیں
بعدِ مرجانے کے وہ بات کہاں باقی ہے	مجھ میں اب آن نہیں، شان نہیں، جان نہیں
دستِ وحشت جو بڑھے بھی تو بڑھے کس کی طرف	اب وہ دامن نہیں اب میرا گریبان نہیں
دل پھنسا جان گئی مفت میں بدنام ہوئے	منزلیں عشق و محبت کی کچھ آسان نہیں
جو ہمیشہ نبھے میں شان اسے کہتا ہوں	جو ہمیشہ نہ نبھے وہ تو کوئی آن نہیں
کرتے اوروں کو نصیحت ہیں بہت حضرتِ دل	آپ کو دیکھیئے بہرے بھی ہیں اور کان نہیں
اے دلِ عیش طلب جان غنیمت اس کو	الفتِ زلفِ پریشاں میں پریشان نہیں

واسطہ کیا ہے مجھے فرمائشِ بے جا سے بشیر
میں غزل لکھتا ہوں خود، غیر پہ احسان نہیں

(۹۶) (۱۳/۱)

اللہ کے علاوہ کسی کو بقا نہیں	زندہ جہاں میں کوئی بھی رہتا سدا نہیں

کعبے میں دیکھ آئے کلیسا میں ڈھونڈ آئے
جس کو فنا نہیں ہے کچھ اُس کا پتہ نہیں

بندوں پہ مہرباں کوئی مثلِ خدا نہیں
بخشی نہ جا سکے وہ ہماری خطا نہیں

دیتا ہے رزق سب کو وہ سب کا کفیل ہے
توڑو نہ آس اُس کے خزانے میں کیا نہیں

ہم کیوں نہ رکھیں اُس کی اطاعت سے واسطہ
بے مثل کوئی اور خدا کے سوا نہیں

رنگِ زمانہ جلوۂ عالم بدل گیا
دُنیا میں زندگی کا مزا اب رہا نہیں

مجھ سے مرے رفیق بھی ناراض ہو گئے
اگلی سی آن بان کسی میں ذرا نہیں

کہتے ہوئے کلیم پھرے کوہِ طور سے
یہ جلوہ دیکھنا تو کہاں تھا سُنا نہیں

دُنیا کی ساری چیزیں ہیں پُر از انقلاب
چکر ہر ایک کو ہے کسی کو بقا نہیں

(۹۷)
اپنا تو یہ مقولہ ہے دُنیا میں اے بشیرؔ
وہ آدمی نہیں جسے عشقِ خدا نہیں
(۱۴/۹)

کائناتِ زندگی دم کے سوا کچھ بھی نہیں
دم کی ہستی میں ہے کیا غم کے سوا کچھ بھی نہیں

جانچ لیں اچھی طرح وہ اور کیا ہے میرے پاس
جانِ محزوں چشمِ پُرنم کے سوا کچھ بھی نہیں

شادی و غم باغِ عالم میں ہیں دونوں ساتھ ساتھ
روتے گُل پر اشکِ شبنم کے سوا کچھ بھی نہیں

رازِ ہستی کب ہوا ظاہر نگاہِ خلق پر
پردہ اُٹھ جائے تو محرم کے سوا کچھ بھی نہیں

آئے ہیں دُنیا میں ہم آزار سہنے کے لئے
سینہ کوبی اور ماتم کے سوا کچھ بھی نہیں

(۹۸)
کیوں خوشی کو ڈھونڈتا ہے اے بشیرِؔ غمزدہ
اب جہاں میں رنجِ پیہم کے سوا کچھ بھی نہیں
(۱۵/۱۰)

اُن کی تصویر شبِ غم مری دمساز نہیں
اس میں عشوہ نہیں غمزہ نہیں انداز نہیں

ٹیس دل میں ہے کلیجے میں کسک ہے لیکن
ہم نشینوں کی خبر کیا ہے کہ آواز نہیں

دیکھ آتے تھے گلستاں میں بہارِ گُلِ تر
بے بسی کب سے ہے جب سے پرِ پرواز نہیں

آتشِ عشق میں تاثیر ہو مشکل ہے یہ بات
سوز سے میرے اگر واسطہ ساز نہیں

دوسرا کیا ہے مری اُن کی جدائی کا سبب
یہ چرخ کا قول ہے، ہیں تفرقہ پرداز نہیں

حُسنِ صورت سے سوا حُسنِ ادا میں ہے اثر
کیا ہے معشوق، اگر صاحبِ انداز نہیں

آپ کو قدر مری ہو تو بھلا کیوں کر ہو
بے وفا ہیں نہیں، جھوٹا نہیں، غماز نہیں

ایک ہم ہیں کہ نہیں جانتے معنیٔ نفاق
ایک وہ ہیں جو شرارت سے کبھی باز نہیں

بات کرنے سے مری جان میں جان آتی ہے
کیا تمہارے لبِ جاں بخش میں اعجاز نہیں

(۹۹)
ایسے جینے سے تو مرنا ہی مناسب ہے بشیرؔ
زیست کا لطف ہی کیا، جب کوئی دمساز نہیں
(۱۶/۱۳)

وعدے تو کرتے ہیں، لیکن میرے گھر آتے نہیں
اپنے وعدوں پر کبھی مطلق وہ شرماتے نہیں

کون سے دن، کون سی شب، وہ ستم ڈھاتے نہیں
اور پھر اس پر غضب یہ ہے کہ پچھتاتے نہیں

کیوں نہیں ملتے، اگر ملنا اُنہیں منظور ہے
کیوں رُکاوٹ ہے، اگر لوگ اُن کو بہکاتے نہیں

میرے دردِ دل سے کیوں کر آگہی ہونے لگی
اُن کو کیا معلوم، وہ آتے نہیں جاتے نہیں

بات کو تیری قرار اور قول کو تیرے ثبات
آزمایا اور دیکھا، ہم تو کچھ پاتے نہیں

جب نہ ہو کچھ دردِ دل میں، مہر کی اُمید کیا
لاکھ کی ہم نے جتن، پر وہ تو پرچاتے نہیں

تفرقہ پرداز کوشش میں لگے ہیں رات دن
مجھ کو سمجھاتے ہیں، لیکن اُن کو سمجھاتے نہیں

بے وفائی آپ کی ہر بات میں پائی گئی
جائیے اب جھوٹے فقروں میں تو ہم آتے نہیں

جب کہا مرتا ہوں میں، تو اُس نے جھنجلا کر کہا
روز دھمکاتے ہو مر جانے کو، مر جاتے نہیں

فاتحہ آ کر پڑھیں گے وہ، بہت دشوار ہے
چند آنسو بھی مری تربت پہ ٹپکاتے نہیں

نقدِ دل حاضر ہے اس کو جانچ لو اور تول لو
جنس اچھی ہے کہو کیوں اس کو پرکھاتے نہیں

کیا نتیجہ عشق کا جز رنج و بدنامی کے ہے
ہے عجب اس مخمصے سے آپ گھبراتے نہیں

(۱۰۰)
جب دو روزہ زندگی برباد تم نے کی بشیرؔ
کیوں مآلِ کار پر کچھ دل میں پچھتاتے نہیں
(۱۷/۱۱)

نقدِ الفت کے سوا دام و درم رکھتے نہیں
دولتِ دل ہے مگر قبضے میں ہم رکھتے نہیں

خواب میں بھی تو ترستے ہیں خوشی کی شکل کو
جُز الم، جُز رنج کے شے کوئی ہم رکھتے نہیں

غم کی دولت ہے فراواں، وہ نہیں گھٹتی کبھی
ماسوا غم کے یہاں، جاہ و حشم رکھتے نہیں

کوچۂ جاناں سے بہتر ہے ٹھکانا کون سا
باغِ جنت بھی ملے تو ہم قدم رکھتے نہیں

عشق کی منزل کڑی ہو تو ہو لیکن اہلِ دل
ڈال کر آگے قدم پیچھے قدم رکھتے نہیں

جو سخی ہیں دولتِ دُنیا سے وہ بے بہرہ ہیں
جو ہیں دولت مند وہ دستِ کرم رکھتے نہیں

دل غنی جن کا ہے، بس سچ پُچھ کے وہی فیاض ہیں
دینے والے کچھ خیالِ بیش و کم رکھتے نہیں

جس طرف دیکھو جہاں میں اُس طرف ہے چل چلاؤ
آنی جانی چیز کا ہم، دل میں غم رکھتے نہیں

ہم کو ہے گیسوئے دلبر کی صفت سے کیا غرض
صاف گو باتوں میں اپنی پیچ و خم رکھتے نہیں

دل میں جن کے درد ہے، جو درد سے آگاہ ہیں
بھول کر بھی وہ روا ظلم و ستم رکھتے نہیں

شرحِ غم کو مختصر الفاظ زیبا ہیں بشیر
ہاتھ سے کیوں کاغذ اپنے تم قلم رکھتے نہیں

(۱۰۱) (۱۸/۱۱)

محبت کا اب اُن کی یارا نہیں
بجز صبر دُنیا میں چارہ نہیں

چھپائے سے چھپتا ہے کیا عشق و مُشک
عیاں رازِ دل کب ہمارا نہیں

ہماری گزارش تو اتنی ہی تھی
یہ دل ہے تمہارا ہمارا نہیں

اُٹھا لیں گے ہم اور دُنیا کا غم
مگر رنجِ فرقت گوارا نہیں

تجھے تیری سادہ اداؤں نے کب
بنایا نہیں یا سنوارا نہیں

بھری بزم میں ہم سے یہ بے رخی
ادھر بھول کر بھی اشارا نہیں

تمہیں نے جو چشمِ کرم پھیر لی
تو مجھ کو کسی کا سہارا نہیں

کہا آشنائے محبت نے کب
کہ دریائے غم کا کنارا نہیں

وہی راہِ اُلفت میں ہے مستقل
جو ہمت کبھی اپنی ہارا نہیں

کروں گا یہ محشر میں اُن سے سوال
مجھے جان سے تم نے مارا نہیں

وہ مختار ہیں اپنے دل کے ضرور
مرے دل پہ تو کچھ اجارا نہیں

نہ کیوں میرے دل پر ہو غم کا اثر
یہ آہن نہیں سنگِ خارا نہیں

قیامت میں یہ بات ظاہر ہوئی
تمہارا خدا ہی ہمارا نہیں

اگر قتل عاشق کا ہے امرِ خیر
تو پھر حاجتِ استخارا نہیں

کریں اپنے مرنے کی خود ہم دعا
سوا جان دینے کے چارا نہیں

وہ ماتم کریں میرے مرنے کے بعد
گوارا مجھے یہ خدارا نہیں

(۱۰۲)

بشیر اب ہوا یہ ہمیں تجربہ
سب اُن کے ہیں کوئی ہمارا نہیں

(د ۱۹/۱)

دل ہے لب ریزِ الم پھر بھی سخن ساز نہیں
یہ ہے وہ ساز کہ جس ساز میں آواز نہیں

حور و غلماں ہیں کہاں ہوں گی ادائیں تیری
وہ طرح دار نہیں جس میں کچھ انداز نہیں

بند ایسا ہوں قفس میں کہ اب اُڑنا ہے محال
حیف صد حیف مجھے طاقتِ پرواز نہیں

تم پہ کی جان فدا سیکڑوں آزار سہے
لیکن اس اپنے کیے پر مجھے کچھ ناز نہیں

واقعاتِ شبِ فرقت کہوں تو کس سے کہوں
میں اکیلا ہوں کوئی اب مرا دم ساز نہیں

ضبطِ الفت سے مرے جی پہ بنی جاتی ہے
راز میں کس سے کہوں کوئی بھی ہمراز نہیں

یوں تو دعویٰ ہے ہزاروں کو بہی خواہی کا
لیکن الفت میں کسی کا کوئی دمساز نہیں

شکوۂ جور کروں میں تو نتیجہ کیا ہے
ظلم و آزار سے آتا وہ مگر باز نہیں

وہ مرا اشک نہیں جو کبھی آنکھوں سے بہے
جو زمانے پہ عیاں ہو وہ مرا راز نہیں

(۱۰۳)

کیجیے سارے بکھیڑوں کو الگ جلد بشیر
مرد وہ ہے جسے کچھ بھی طمع و آز نہیں

(ن ۲/۱۱)

ہم تڑپ کر مر گئے اُن کو خبر کچھ بھی نہیں
ہو گیا معلوم نالوں میں اثر کچھ بھی نہیں

جو نکلے دل سے تو ہو خاک جل کر آسماں
کیا کہا، پھر کہیے آہِ پُر شرر کچھ بھی نہیں

جان تک دینے کو میں طیار ہوں لے لیجیے
لختِ دل کچھ بھی نہیں، لختِ جگر کچھ بھی نہیں

ہے عجب دھوکے کی ٹٹی آپ کا رنگِ مزاج
اُس طرف دیکھو تو سب کچھ ہے اِدھر کچھ بھی نہیں

غیر ممکن ہے کہ گزریں ہجر کی راتیں بخیر
مجھ کو اطمینانِ آثارِ سحر کچھ بھی نہیں

واقعی دریائے عالم میں ہے یہ مثلِ حباب
غور سے دیکھا تو ہستی بشر کچھ بھی نہیں

تیز جھونکوں سے فنا کے یہ اُکھڑ جاتا ہے جلد
قامتِ ہستی انساں کا شجر کچھ بھی نہیں

پھول ہیں داغِ جگر کے تو وہ مرجھائے ہوئے
نخلِ اُمید و تمنّا میں ثمر کچھ بھی نہیں

اپنے مرقد میں بڑے آرام سے سوتے ہیں ہم
ہُو کا عالم ہے یہاں، اب شور و شر کچھ بھی نہیں

جان کی قربان ہیں نے دل کیا میں نے نثار
آپ کے نزدیک یہ باتیں مگر کچھ بھی نہیں

(۱۰۴)

قبر میں آئے ہیں دنیا سے تہی دست ای بشیر
یعنی اپنے پاس اب لعل و گہر کچھ بھی نہیں

(۲۱/۱۵)

کس لیے آئے تھے ہم اس کی خبر کچھ بھی نہیں
سعیِ بے سود ہے مقصودِ نظر کچھ بھی نہیں

کس طرح میں گلِ مقصود سے بھروں دامن
نخلِ الفت میں مرے برگ و ثمر کچھ بھی نہیں

وہی آزار، وہی جور، وہی ظلم و جفا
میرے نالوں کا ترے دل پہ اثر کچھ بھی نہیں

ہجر کی رات بہت مجھ کو تڑپتے گزری
اَور اس پر ابھی آثارِ سحر کچھ بھی نہیں

اک مقدر ہے مرا، ایک عدو کی قسمت
اس طرف ساری بلائیں ہیں اُدھر کچھ بھی نہیں

دل مرا بجھ گیا افسردگی خاطر سے
تو وہ خاک میں اب سوز و شرر کچھ بھی نہیں

میرے سینے سے یہ کہتا ہوا نکلا خنجر
اب دھرا کیا ہے بجز لختِ جگر کچھ بھی نہیں

ہے یہ اغماض تو جینا ہے شبِ غم مشکل
میرے مر جانے میں اب کور کسر کچھ بھی نہیں

موت کے سامنے یکساں ہیں امیر اور فقیر
سخت ناچار ہے مقدورِ بشر کچھ بھی نہیں

جو بدی کرتا ہے اُس کے لیے بد انجام
کار جو خیر کا ہے اُس میں ضرر کچھ بھی نہیں

جو ستم کرنے کو، اچھا کہے اچھا جانے
اُس کو پتھر ہی سمجھ لو، وہ بشر کچھ بھی نہیں

اُن کے اندازِ سناں، اُن کی نگاہیں خنجر
بس نہتے ہیں ہمیں، تیر و تبر کچھ بھی نہیں

اِس میں جو آب ہے وہ تاب کہاں ہے اُس میں
اشک کے سامنے توقیرِ گہر کچھ بھی نہیں

گو زمانے میں بڑے ماہرِ فن لاکھوں ہیں
ہے یہاں نامِ خدا ہم میں ہنر کچھ بھی نہیں

(۱۰۵)
قافیہ تنگ ہے دُنیا کے مصائب سے بشیر
بچ نکلنے کے لیئے شکلِ مفر کچھ بھی نہیں
(۲۲/۱۲)

حال میرا ہے عیاں، تقریر کی حاجت نہیں
خود جو رسوا ہوا اُسے تشہیر کی حاجت نہیں

پھرتے پھرتے میں ٹھہر جاؤں کہیں یہ ہے محال
کوچہ گردِ عشق کو زنجیر کی حاجت نہیں

دور سے ہی پرسشِ احوال، اِس سے فائدہ
دیکھ جاؤ تم مجھے، تحریر کی حاجت نہیں

میں ہوں دیوانہ تمہارا جانتے ہیں سب مجھے
ایسے شہرت مند کو تشہیر کی حاجت نہیں

وہ نگاہِ راز کر دے گی ہمارا فیصلہ
تبر کی حاجت نہیں شمشیر کی حاجت نہیں

ذوق و شوقِ جاں رہی و جاں ستانی مٹ گئے
تیر کی مجھ کو، اُنہیں نخچیر کی حاجت نہیں

میں نے ساری رات دیکھے واقعاتِ رنج و غم
اِس پریشاں خواب کو تعبیر کی حاجت نہیں

کون لے اس کے لیئے احسانِ مانی اپنے سر
جب تصوّر کر لیا تصویر کی حاجت نہیں

چاہیئے نورِ خدا ہو میرے دل میں جلوہ گر
ظاہری آرائش و تنویر کی حاجت نہیں

حرفِ حرفِ اللہ اکبر کا اگر ہے دل پہ نقش
پھر زباں کو زحمتِ تکبیر کی حاجت نہیں

ہے موافق گر زمانہ تیرے تو تُو شکر کر
تجھ کو پھر تقدیر کی تدبیر کی حاجت نہیں

(۱۰۶)
اے بشیرِ نیک خو یہ جان لے یہ مان لے
صافِ باطن کو کسی تنویر کی حاجت نہیں
(۲۳/۱۱)

جو گریباں چاک ہو سینے سے وہ سِلتا نہیں
زخم کا جب پھٹ گیا انگور پھر مِلتا نہیں

تازگی میرے دلِ پژمردہ میں اب آ چکی
پھول جو مرجھا گیا وہ پھر کبھی کھِلتا نہیں

تم نے دیکھا ہو اگر دل کو کہیں، تو دو پتہ
ڈھونڈتے ہیں ہم اُسے لیکن ہمیں ملتا نہیں

آج ہی کیا ہے تمہارے در پہ مجمع اس قدر
سوچ لو کاندھے سے کاندھا کب یہاں چھلتا نہیں

یوں تو ہیں احباب لاکھوں لیکن اس کو کیا کریں
ملنے والا ہم کو دل سے ایک بھی ملتا نہیں

ناتوانی نے کیا اتنا مجھے زار و نحیف
ضعف سے ناچار ہوں میرا قدم ہلتا نہیں

دل پہ چرکے لگتے ہیں طعنوں سے یا لگتے نہیں
اس سے ہاں کہیئے زخمِ دل چھلتا ہے یا چھلتا نہیں

یوں تو ملِ جانے کو اکثر مجھ سے مل جاتے ہیں وہ
لیکن اُن کا دل مگر دل سے کبھی ملتا نہیں

میرے دل کو ڈس ہی لیں گے دونوں گیسو آپ کے
ہے یہ جوڑا سانپ کا کیلے سے جو کلِتا نہیں

ڈھونڈنے کی فکر کر، کچھ دل میں اپنے غور کر
دیکھ پھر تجھ کو خدا ملتا ہے یا ملتا نہیں

سعی و کوشش کیجیے لیکن نتیجہ کیا بشیرؔ
ایک پتّہ بھی بلا حکمِ خدا ہلتا نہیں

(۱۰۷)　　(۲۴/۲۴)

کثرتِ جہاں میں ظلم و ستم کی کہاں نہیں
وہ کون سی زمیں ہے جہاں آسماں نہیں

مجھ کو بھی کوئی دیکھے بگولوں کو دیکھ کر
صحرا نورد وہ ہوں کہ جس کا مکاں نہیں

یہ سوزِ عشق اور مرا ضبطِ سوزِ عشق
ہے آگ تو لگی مگر اُٹھتا دھواں نہیں

نزعہ ہے بے طرح، مری جانِ نحیف پر
آتی ہیں وہ بلائیں کہ جن کا گماں نہیں

کہنے کو دوست یہ بھی ہے، وہ بھی ہے میرا دوست
سچ پوچھیئے تو دل سے کوئی مہرباں نہیں

دنیا کی جو بہار ہے، وہ چند روزہ ہے
وہ کون سا ہے باغ کہ جس میں خزاں نہیں

جو نامور کبھی تھے، بڑے نام والے تھے
اب ڈھونڈیئے تو قبر کا اُن کی نشاں نہیں

حسن چمن کے مہ جبینوں کو ہے موت نے لیا
قبروں میں باقی اُن کی کوئی استخواں نہیں

اُٹھتا ہے دردِ عشق مرے دل میں بار بار
کب میرے لب پہ آہ نہیں یا فغاں نہیں

جیتا ہوں پر کہاں ہے مجھے لطفِ زندگی
کیا خاک زندگی ہے جو تاب و تواں نہیں

اے بے قرار دل، یہ رسائی کا وقت ہے
تنہا ہوں اُن کے در پہ کوئی پاسباں نہیں

ملنا ہو پھر بھی لیں، نہ ملیں تو جواب دیں
کیوں میری عرضِ وصل پہ ہے اُن کو ہاں نہیں

یہ دل فریبیاں تری ہیں جانتا ہوں خوب
بے وجہ بے سبب نہیں، ہر وقت ہاں نہیں

کیوں دردِ غیر کا ہوا نہیں، اُن کو کیا غرض
بس آپ کی تو جان ہوئی میری جاں نہیں

کیوں اس قدر ستم پہ کمر تم نے باندھ لی
کیا میرے تن میں جان مرے مہرباں نہیں

ہے تیری جاں عزیز مجھے اپنی جان سے
کہتا ہوں بار بار تمہیں "میری جاں" نہیں

ہے بے رخی یہی تو ہمارا سلام ہے
کیا سر کے جھکنے کے لیئے اور آستاں نہیں

دُنیا کے مخمصوں سے کہیں ملتی ہے نجات
یہ آسماں زمین، بھلا ہے کہاں نہیں

گو لاکھ زندہ دل ہوں، مگر پھر بھی مردہ ہوں
اس وجہ سے کہ پیر ہوں میں کچھ جواں نہیں

مانا یہ میں نے نظم پہ قدرت مجھے بھی ہے
لیکن ہے کیا مفاد جو طبعِ رواں نہیں

نوّاب مرزا داغ کا کیا خوب قول ہے
"اُردو ہے وہ نہیں جو ہماری زباں نہیں"

شُکرِ خدا کا کام تو اپنی زباں سے لے
لذّت کے واسطے ملی ہرگز زباں نہیں

نرمی سے بات کر کہ زباں تیری نرم ہے
سختی نہ کر کہ اُس میں کہیں استخواں نہیں

(۱۰۸)
جاتا ہے اُٹھ کے دَیر سے کعبے کو اے بشیر
گریاں اماں نہیں ہے تو کیا واں اماں نہیں
(۲۵/۲۴)

کسی سے مرا مدعا، کچھ نہیں
نہیں اب بھی پہلے بھی تھا کچھ نہیں

رقیبوں نے بدنام تم کو کیا ہے
ہماری تو اس میں خطا کچھ نہیں

یہ سب میری قسمت کی ہیں خوبیاں
نہیں مجھ کو تیرا گلا، کچھ نہیں

جو ہو عشق و الفت میں تم بے قصور
تو میری بھی اس میں خطا کچھ نہیں

ستم پر ستم خوب اُس نے کیئے
جو پوچھا یہ کیا ہے، کہا "کچھ نہیں"

بُرا مجھ کو کہہ لیں پسِ پشت وہ
مگر سامنے برملا، کچھ نہیں

نہ کہنا تھا جو کچھ وہ کہتا رہا
پھر اِس پر یہ کہنا "کہا کچھ نہیں"

یہی اپنے مُنہ سے وہ کہہ دیں کبھی
مرا جوڑ، تیری وفا، کچھ نہیں

ہی سب کچھ مرے واسطے ناروا
تمہارے لیئے بدنما، کچھ نہیں

مرے دل میں وہ کیوں نہ آ کر رہیں
یہاں آرزو مدّعا کچھ نہیں

کہاں کی شکایت کہاں کا گِلہ
کہ اہلِ جہاں میں وفا، کچھ نہیں

ہی خاطر تمہاری مجھے بس عزیز
کہوں کیا بجز "جی بجا" کچھ نہیں

زمانے کا بدلا ہی لیل و نہار
وہ پہلی سی آب و ہوا کچھ نہیں

غموں نے کیا مجھ کو زار و نزار
کہ اب مجھ کو دیکھو، رہا کچھ نہیں

وہ ہی زندگی رائگاں اور عبث
جو کی تو نے یادِ خدا کچھ نہیں

پریشان ہم ہوں مصیبت اُٹھائیں
محبّت میں اس کے سوا کچھ نہیں

وہ دو چار دیتے کبھی گالیاں
ہمیں اُن کے در سے ملا کچھ نہیں

گناہوں کے کرنے میں بیباکیاں
دلِ بے حیا، کیا حیا کچھ نہیں؟

وہ انسان ہی بلکہ حیوان ہی
جسے خوفِ روزِ جزا کچھ نہیں

حقیقت سے زاہد کے ہوں باخبر
ریاکار کا اتّقا کچھ نہیں

زمانے میں ایسے بھی فرعون ہیں
جو یہ کہہ رہے ہیں "خدا کچھ نہیں"

خرد، ہوش اور عقل، سب دنگ ہیں
پتہ اُس کا ڈھونڈا، مِلا کچھ نہیں

قلم جب جھکے بس جھکے نعت میں
عبث شاعری کا صِلا کچھ نہیں

(۱۰۹)

ضعیفی میں جیتے ہو کیوں اے بشیر
کہ اب زندگی کا مزا کچھ نہیں

(۲۶/۹)

کب سے ہوں بے قرار ترے انتظار میں
کانٹا سا چبھ رہا ہی دلِ بے قرار میں

ہی فکرِ روزِ ہجر شبِ وصلِ یار میں
فصلِ خزاں کا خوف ہی فصلِ بہار میں

ممکن نہیں مٹے کبھی لکھا نصیب کا
ہی دخل کس کو مرضیِ پروردگار میں

کیا نام لیں مرا وہ رقیبوں کے ساتھ ساتھ
میں کون ہوں جو آؤں شمار و قطار میں

روزِ حساب ہے ہو مجھے خوف کس لیئے
اتنے گنہ ہیں جو نہیں آتے شمار میں

پوچھے گا کون اس کو ہے اتنی کسے غرض
ہے دفن آرزو مری میرے مزار میں

کچھ تو سہارا چاہیئے جینے کے واسطے
تھوڑی سی ہو خوشی بھی غمِ روزگار میں

چھانی تھی خاک اہلِ محبت نے عمر بھر
اب سو رہے ہیں چین سے مر کر مزار میں

(۱۱۰)
دشمن نے کی بُرائیاں لاکھوں ہی ای بشیر
لیکن کمی ہوئی نہ ہمارے وقار میں
(۲۷/۱۱)

میں انقلابِ دہر کا لذّت چشیدہ ہوں
یعنی تمہارے عشق میں آفت رسیدہ ہوں

مجھ پر مصیبتیں جو پڑیں بے شمار ہیں
سب کا یہ ماحصل ہے کہ میں آبدیدہ ہوں

دنیائے بے ثبات میں کیا اعتبارِ زیست
بیزار زندگی سے ہوں اس سے کشیدہ ہوں

لکّھی ہیں میرے دل پہ تمہاری رُکھائیاں
لیکن خموش ہوں کہ زبانِ بُریدہ ہوں

دُنیا میں جس کو دیکھا نہیں ایک دل بھی صاف
دل بجھ گیا یہ دیکھ کے خاطر کبیدہ ہوں

کیا سر اٹھاؤں داورِ محشر کے سامنے
میں معصیت کے بار سے پُشتِ خمیدہ ہوں

جو کچھ کہ آرزو تھی وہ سب خاک میں ملی
شعلہ بھڑکتا ہے شررِ برجہیدہ ہوں

برباد مجھ کو بادِ حوادث نے کر دیا
میں گلشنِ جہاں میں گلِ نارسیدہ ہوں

دُنیا میں آکے میں نے نہ دُنیا کی سیر کی
ترکِ تعلقات سے خلوت گزیدہ ہوں

کیا پوچھتے ہو حال مرا مختصر یہ ہے
جیتا ضرور ہوں مگر از خود رمیدہ ہوں

(۱۱۱)
میرا یہ حال گلشنِ عالم میں ہے ای بشیر
رنگِ پریدہ ہوں کبھی مرغِ پریدہ ہوں
(۲۸/۸)

بنتی دیکھیں کس نے تدبیروں سے تقدیریں کہیں
کام آتی ہیں زبانی کچھ بھی تقریریں کہیں

جیسی دیکھی ہیں مری آنکھوں نے اگلے دور میں
اب نظر آتی نہیں ہیں ویسی تصویریں کہیں

خواب تھا دُنیا میں جو کچھ ہم نے دیکھا خواب تھا
ایسے خوابوں کی بجا ہوتی ہیں تعبیریں کہیں

سامنے تقدیر کے مجبور ہو جاتے ہیں سب
کیا بنائے بن سکے، چلتی ہیں تدبیریں کہیں

شرحِ لفظِ مدّعا کی سُن کے حیرت ہو گئی
آج تک کس نے سُنی تھیں ایسی تفسیریں کہیں

رشتۂ غم جاں گُسل تارِ نفس سوہانِ روح
توبہ توبہ! ہم نے کب دیکھیں یہ زنجیریں کہیں

کیا سرائے دہر میں رہنے کی کوشش کیجئے
پختہ ہوں یا خام ٹکتی کب ہیں تعمیریں کہیں

(۱۱۲)
تیرہ ہے باطن ترا کر غور دل میں اے بشیر
خانۂ تاریک میں ہوتی ہیں تنویریں کہیں
(۲۹/۹)

شکوے کریں شکایتیں بھی چار سو کریں
ہم اُن کے ظلم و جور ہی کی گفتگو کریں

لڑنے پہ ہیں تُلے ہوئے تیور چڑھے ہیں آج
کچھ دُور یہ نہیں کہ وہ اب تم سے تو کریں

پردہ نہیں لحاظ نہیں، شرم بھی نہیں
ہر دم شکایتیں وہ کریں، دو بدو کریں

مجھ کو بُرا نہ کہتے پھریں آپ کو بکو
جو کچھ شکایتیں ہیں مرے روبرو کریں

مقتل میں آج آئے ہیں خنجر لیے ہوئے
بس دیر کیا ہے تن سے جدا وہ گلو کریں

مجلس میں دیکھو وعظ کی رندانِ بے حجاب
آمادہ ہیں کہ حال بھریں ہاؤ ہو کریں

ہم دل میں پہلے ڈھونڈیں وہ شاید یہیں ہو
کیا فائدہ جو اور جگہ جست و جو کریں

جن کو ہو نا امیدی خدائے قدیر سے
وہ وردِ دل سے آیۂ لاتقنطوا کریں

(۱۱۳)
جانا ہو جس کو بارگہِ عشق میں بشیر
وہ آبِ اشک خونِ جگر سے وضو کریں
(۳۰/۱۴)

کھو گیا دل کھو گیا، غم کیا کریں
کہئے کہئے آپ ہی ہم کیا کریں

لاکھ سمجھائیں مجھے ناصح مگر
میں نہ سمجھوں تو وہ ہمدم کیا کریں

جتنا سمجھانا تھا سب سمجھا چکے
دوستِ صادق، یارِ محرم کیا کریں

صبر کرنے کے لیے کہتے ہیں وہ
صدمے جب ایسے ہوں پیہم کیا کریں

جان لینے پر وہ آمادہ ہیں اب
اور ابھی ہم اُن کو برہم کیا کریں

دل بھی برہم اور دلبر بھی خفا
فیصلہ دونوں یہ باہم کیا کریں

جان تک دے دی فراقِ یار میں
اس سے بڑھ کر اور اب ہم کیا کریں

خود سری کا جن کی رگ رگ میں ہو دخل
سرِ تسلیم وہ خم کیا کریں

دل پر اکثر تیر برسانے لگے
اور اس سے ظلم وہ کم کیا کریں

کچھ مریضِ عشق میں باقی نہیں
کیا پڑھیں احباب اب دم کیا کریں

مر گیا جھگڑا مٹا اچھا ہوا
اپنے عاشق کا وہ ماتم کیا کریں

ہم ہیں ہیں خود سو طرح کے عیب جب
دوسروں کی پھر بھلا ذم کیا کریں

ہیں بہت روئے فراقِ یار میں
اور چشمِ تر کو پُرنم کیا کریں

(۱۱۳)

کچھ نہیں چھوڑا ضعیفی نے بشیر
دست و پا اپنے ہیں بے دم کیا کریں

(۳۱/۱۵)

میں دے کے دل اُس بُت کو جفا دیکھ رہا ہوں
اے قسمتِ برگشتہ یہ کیا دیکھ رہا ہوں

میں حال زمانے کا نیا دیکھ رہا ہوں
بدلے میں دعاؤں کے جفا دیکھ رہا ہوں

ابرو پہ ہیں بل آپ کے ماتھے پہ شکن ہے
کچھ بات ہوئی ہے جو خفا دیکھ رہا ہوں

ہوتے نہ اگر ظلم تو کرتا نہ فغاں میں
میں اس میں تمہاری ہی خطا دیکھ رہا ہوں

موجود مرا دل بھی ہے سر بھی ہے جگر بھی
میں نے کہا اے دیکھ، کہا "دیکھ رہا ہوں"

ہر قول ہر اقرار ہے برعکس تمہارا
کیا کہتے ہو میں عشق میں کیا دیکھ رہا ہوں

موت آنی ہے اور آئے گی لیکن نہیں آتی
میں کب سے یونہیں راہِ قضا دیکھ رہا ہوں

اگلی سی نہ الفت ہے نہ اگلی سی محبّت
اب جور ستم ظلم جفا، دیکھ رہا ہوں

جو بات نہ دیکھی نہ زمانے میں سُنی تھی
الفت میں اُسے میں بخدا دیکھ رہا ہوں

وہ سامنے میرے ہیں، اجل سر پہ کھڑی ہے
مطلب نہیں کچھ اور ذرا دیکھ رہا ہوں

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی — دنیا میں عجب حشر بپا دیکھ رہا ہوں
باتوں میں اڑاتا ہے سمجھ کر مجھے ناداں — ایسوں کو بہت دیکھا ہے جا دیکھ رہا ہوں
ہر چیز میں ہر ذرّے میں اے دیدۂ حق بیں — میں شانِ خدا نورِ خدا دیکھ رہا ہوں
جن میں نظر آتے تھے شرارت کے کرشمے — اُن شوخ نگاہوں میں حیا دیکھ رہا ہوں

(۱۱۵)
سن کر وہ غزل کہتے ہیں حیرت سے بشیر آج
یہ طرز[۱] تری سب سے جدا دیکھ رہا ہوں
۳۲/۱۲

نہ چھوڑی وادیِ الفت کی ہم نے رہگزر برسوں — ہزاروں ٹھوکریں کھائیں اِدھر برسوں اُدھر برسوں
نہیں معلوم کتنا توڑ تھا اُس تیرِ مژگاں میں — مری آنکھوں سے بہتا ہی رہا خونِ جگر برسوں
تصور میں تو میں نے دیکھ لی اُس شوخ کی صورت — بظاہر وہ نہ آیا میری آنکھوں کو نظر برسوں
پلا کر جامِ چشمِ مست سے بدمست کر ساقی — سرور اتنا تو ہو مجھ کو رہے جس کا اثر برسوں
ابھی وہ ظلم سے باز آئیں ایسا ہو نہیں سکتا — لہو روتی رہے گی یونہیں میری چشمِ تر برسوں
تمہیں سوچو کہاں تک تم کو یہ باتیں مناسب ہیں — تغافل کی بھی کچھ حد ہے نہ لی میری خبر برسوں
غضب ہے اب نگاہِ شوق سے خلوت میں چھپتے ہو — وہی تم ہو جو محفل میں رہے پیشِ نظر برسوں
ہمیشہ قول دیتا ہے ہمیشہ عہد کرتا ہے — نہیں آتا نہیں ملتا کوئی مجھ سے مگر برسوں
یہ جو پہنچے ہیں یہاں تک تو ہماری یہ تمنا ہے — رہیں قدموں میں تیرے ہم نہ چھوڑیں تیرا در برسوں
سہارا تیرے دامن کا ہو سر ہو تیری چوکھٹ پر — بچھاتا ہی رہوں آنکھوں کو اپنی زیرِ در برسوں
نہ بھولا ہے نہ بھولے گا حریمِ ناز کا نقشہ — الٰہی وہ سماں قائم رہے شام و سحر برسوں

(۱۱۶)
بشیر آساں نہیں سودا کسی کی زلفِ پیچاں کا
ستائے گا رلائے گا تجھے یہ دردِ سر برسوں
(۳۳/۸)

رہی ہے ہم کو اُن کی فکر اُن کی جستجو برسوں — پھرے ہیں جوشِ وحشت میں بھٹکتے چار سو برسوں

[۱] طرز کو مذکر بھی باندھتے ہیں اور مونث بھی اور بولنے میں بھی مذکر مونث دونوں طرح سنا ہے۔ ۱۲

گزاری گریۂ و زاری میں ساری زندگی میں نے / مری آنکھوں سے اشکوں کی جگہ برسا لہو برسوں
مٹایا میر کے جھگڑوں کو تمہیں نے بیچ میں پڑ کر / ہوئی ہے ورنہ کیا کیا دشمنوں سے دو بدو برسوں
نہ طے پایا کبھی یہ عشق کا مرنے کے دن آئے / ہوئی ہیں مدتوں بحثیں رہی ہے گفتگو برسوں
مرادیں دل کی بر آئیں نکالوں حوصلے دل کے / عبث خفت ہوئی مجھ کو عبث کی جستجو برسوں
وہی اب مجھ سے چھپتا ہے وہی اب منہ چھپاتا ہے / رہا میرے تصور میں رہا جو روبرو برسوں
نتیجہ کچھ نہ نکلا آخرِ کار اس حفاظت کا / کسی کے عشق میں ہم نے بچائی آبرو برسوں

(۱۱۷) تشبیر اب فکرِ عقبیٰ دل سے کرنی چاہیئے تجھ کو / بہت کچھ رہ چکا آفاق کے دھندوں میں تو برسوں (۳۴/۱۲)

گلشنِ عالم کی ہے نشو و نما دو چار دن / میں یہاں آ کر رہا بھی تو رہا دو چار دن
پھول کھلتے ہیں مگر بادِ خزاں ہے تاک میں / یہ بہارِ جاں فزا ہے پُر فضا دو چار دن
حسنِ عارض پر تم اترانے سے پہلے سوچ لو / ہے بہارِ عارضی اے دلربا دو چار دن
رات دن رہتے ہیں اب پیری کے قصے سامنے / لے اُڑی مجھ کو جوانی کی ہوا دو چار دن
کیا کروں زاہد کا مجھ کو اعتبار آتا نہیں / ہے دکھانے کے لیئے یادِ خدا دو چار دن
رہ گئے زندہ جو اہلِ عشق تو یہ کھل گیا / اور ان پر ہیں ابھی ظلم و جفا دو چار دن
چند روزہ زندگی پر اس قدر کبر و غرور / باندھ لے اپنی ہوا اے بے حیا دو چار دن
کہہ رہے ہیں مجھ سے یہ گلہائے داغِ آرزو / اور دکھائے باغِ عالم کی ہوا دو چار دن
چاہیئے کہنا انہیں گندم نما و جو فروش / آشنا کہنے ہی کو ہیں آشنا دو چار دن
بعد مر جانے کے دولت کام آ سکتی نہیں / ہو سکے تو کیجیئے بذل و سخا دو چار دن
عمر تو ساری گئی عشقِ بتاں میں رائگاں / مصلحت سے بن گئے ہم پارسا دو چار دن

(۱۱۸) سیکڑوں میں ایک بھی ارماں نہ نکلا اے تشبیر / میرے گھر آ کر وہ ظالم کب رہا دو چار دن (۳۵/۱۲)

ہم سمجھتے ہیں پیار کی باتیں
فتنۂ روزگار کی باتیں

تم کو نفرت جو ہے تو سنتے ہو
کیوں دلِ بے قرار کی باتیں

میرے ماتم میں روز سنتے ہیں
وہ دلِ سوگوار کی باتیں

جب کوئی میرا غمگسار نہیں
کیا کروں غمگسار کی باتیں

اپنا دل دے کر ایک کافر کو
سُنی ہم نے ہزار کی باتیں

کھینچ کر لے چلا دلِ مضطر
اب کہاں وہ قرار کی باتیں

وعدہ کر کے کبھی وفا نہ کیا
ہیں یہی اعتبار کی باتیں؟

فصلِ گُل جا چکی خزاں آئی
اب ہیں قصّہ بہار کی باتیں

لے کے لالے کا پھول سنتے ہیں
وہ دلِ داغدار کی باتیں

اب وہ سامانِ لطف و عیش کہاں؟
رہ گئیں انتشار کی باتیں

نشۂ عشق ہو گیا کافور
ہیں یہ باتیں خمار کی باتیں

کبھی فرصت میں تم بھی سُن لینا
عاشقِ دل فگار کی باتیں

(۱۱۹)
اتنی فرصت کہاں خزاں میں بشیر
میں کروں کیا بہار کی باتیں
(۱/۱۵)

(۱۲۰)

تو کہہ رہا ہے دل میں کوئی آرزو نہ ہو
دل میں نہ آرزو ہو تو پھر تو ہی تو نہ ہو

نومید کیوں ہے دیکھ ذرا قدرتِ خدا
شاید کہ یاد آیتِ لاتقنطوا نہ ہو

یہ نازِ دل فریب یہ اندازِ جاں ستاں
شہرہ تمہارا خلق میں کیوں کو بکو نہ ہو

کیوں داغِ عشق میں نہ شمیمِ وفا رہے
گُل باغ میں کھلا ہو تو کیوں اُس میں بو نہ ہو

ہے آرزو یہی دلِ خلوت پسند کی
محشر میں اور جمع ہوں سب صرف تو نہ ہو

دل کیوں پھرا ہے اُس کا خدا جانے کیا ہے بات
کیوں کر کھُلے یہ راز وہ جب روبرو نہ ہو

بَل تیوری پہ آپ کی رہتا ہے روز و شب
وہ آدمی ہے کیا جسے خوئے نکو نہ ہو

کیوں کر ہو عرضِ حال، ہو کیوں کر بیانِ غم
جب تک ہماری اُس کی بہم گفتگو نہ ہو

کس کام کا وہ کام ہے، جس پر نہ ہو لحاظ
کس کام کی وہ بات ہے، جو دو بدو نہ ہو

دل مجھ سے برخلاف ہوا بزمِ ناز میں
کہتا ہوں میں "یگانے سے بیگانہ خو نہ ہو"

کیا سیرِ باغ سے دلِ پژمردہ کھل سکے
جب تک ہمارے ساتھ تو ہی لالہ رو نہ ہو

غصہ بھی ہو عتاب بھی ہے، یہ شاہِ حُسن ہے
معشوق کیا کہیں اُسے، جو شعلہ رو نہ ہو

آئیں گی میرے سر پہ ہزاروں مصیبتیں
یا رب وہ دل نہ دے جس میں کوئی آرزو نہ ہو

جوشِ جنوں میں دستِ جنوں کا ہے اقتضا
یوں چاک چاک ہو کہ گریباں رفو نہ ہو

(۱۲۰)

ایسی روشِ بشیر کرو اختیار تم
بدظن نہ دوست ہو کبھی، برہم عدو نہ ہو

(۲/۱۴)

وہ دن خدا کرے کہ کوئی پاسباں نہ ہو
بس تو ہی تو ہو اور کوئی درمیاں نہ ہو

وہ آئیں میرے گھر، میں کبھی جاؤں اُن کے گھر
لب پر شکایتیں نہ ہوں، لب پر فغاں نہ ہو

اُٹھ جائیں سارے پردے تکلف کے تو ہے لطف
وہ ہو نہ تیرا راز، جو مجھ پر عیاں نہ ہو

وجہِ ملال کیا ہے، یہ کیسی مغایرت
جو بات ہو عیاں ہو، وہ مجھ سے نہاں نہ ہو

کہتا ہوں میرے دل کو ہے جس بات کا خیال
ممکن ہے تیرے روبرو مجھ سے بیاں نہ ہو

محشر میں جب کسی کے ستم کا گلہ کروں
اللہ اُس گھڑی مرے مُنہ میں زباں نہ ہو

کیا لطفِ سیرِ باغ جو تنہا ہوں باغ میں
کیا ذوقِ زیست کوئی اگر مہرباں نہ ہو

میری طرف سے جا کے یہ پیغامِ وصل دیں
لیکن کچھ اس طرح کہ کوئی بدگماں نہ ہو

جب آپ سے جہاں میں ہوں معشوق خوب رو
کیوں مبتلائے عشق و محبت جہاں نہ ہو

سب چھوڑ چھاڑ اپنا بسیرا ہو اُس جگہ
فکرِ معاش، فکرِ بتاں کچھ جہاں نہ ہو

مرقد کا اب نشان ہی ملتا نہیں کہیں
یہ کیا غضب ہے، عشق میں نام و نشاں نہ ہو

جس کا رفیق ہے، جس سے بچھڑ جائے یک بیک
کیوں کر غمِ فراق میں، وہ نوحہ خواں نہ ہو

(۱۲۱)

امیدوار فضل و کرم کا بشیر ہے
طاعت اطاعت اُس کی کہیں رائگاں نہ ہو

(۳/۱۵)

کس کام کا دہن وہ ہے، جس میں نہ بات ہو
مانا کہ تیرے ہاتھ میں تیر و کماں نہ ہو
کہتا ہے ضبط رازِ محبت عیاں نہ ہو
میں عرضِ مدّعا کروں، وہ مدّعا سُنیں
نکلے نہ ایسی بات جو ہو دل کو ناگوار
میری نگاہ میں ہے سوا خار زار سے
دل صاف مثلِ آئینہ جب ہو تو لطف ہے
کہتا ہوں سُن کے تذکرۂ بادۂ طہور
سر بھی چھپانے کو نہیں ملتی جگہ کہیں
وہ بھی کوئی مقام ہے، وہ بھی کوئی جگہ
وہ مہربان ہے تو خدا مہربان ہے
مُنہ میں زبان اس کے لیئے ہے، تو ہر گھڑی
جب نکلے آہِ گرم دلِ دردمند سے
اُٹھنا تو کیا جگہ سے کہ ہلنا محال ہے

کس کام کی زباں وہ، جس پر فغاں نہ ہو
پھر بھی ہے یہ محال کوئی نیم جاں نہ ہو
شکوہ نہ ہو گلہ نہ ہو لب پر فغاں نہ ہو
کیا خوب ہو کہ اور کوئی درمیاں نہ ہو
بیٹھے بٹھائے مفت کوئی بدگماں نہ ہو
کیا لطف سیرِ باغ اگر تو وہاں نہ ہو
راز اپنا اُس سے کوئی بھی ہرگز نہاں نہ ہو
مجھ سے وہاں حلال ہو تو کیوں یہاں نہ ہو
کیوں میرا ہی وطن مرا دارالاماں نہ ہو
اللہ تیری جلوہ نمائی جہاں نہ ہو
وہ مہرباں نہ ہو تو کوئی مہرباں نہ ہو
کیوں ذکرِ پاک خالقِ ہر دو جہاں نہ ہو
سوزِ دروں کا اُس میں بھلا کیوں نشاں نہ ہو
مجھ سا بھی یا الٰہی کوئی ناتواں نہ ہو

(۱۲۲)

کیا فائدہ ہے، عشقِ مجازی سے، اے بشیر
ذوقِ خدا جو ہو تو ہو، شوقِ بُتاں نہ ہو

(۴/۲۹)

دل صاف ہو تو مطلعِ انوار کیوں نہ ہو
پورا تمہارا وعدۂ دیدار کیوں نہ ہو
مقتل میں جب وہ آئیں مرے قتل کے لیئے

آنکھیں جو وا ہوں، آپ کا دیدار کیوں نہ ہو
اِک بار ہو یہ کس لیئے سَو بار کیوں نہ ہو
خنجر کمر میں، ہاتھ میں تلوار کیوں نہ ہو

خنجر کی فکر کیوں کرے تلوار ڈھونڈے کیوں
عاشق فدائے ابروئے خم دار کیوں نہ ہو

جب جستجو میں پائے طلب دے چکیں جواب
آساں جو سب کو ہو، مجھے دشوار کیوں نہ ہو

جب مرغِ دل ہو دانۂ خالِ سیہ پہ غش
الفت کے دام میں وہ گرفتار کیوں نہ ہو

جب دل کی آرزوئیں مری دل ہی میں رہیں
مجھ غم زدہ کو یاس کا آزار کیوں نہ ہو

کوشش کی کوئی حد ہے، طلب کی ہے انتہا
حد سے بڑھے جو بات وہ دشوار کیوں نہ ہو

پہلو سے پار ہو جو وہ تیرِ نگاہِ ناز
پھر جان ہار مرنے پہ تیار کیوں نہ ہو

دیکھے تجھے جو گرم نگاہوں سے شمع رو
وہ آتشِ عتاب سے فی النار کیوں نہ ہو

آنے کا وعدہ کر کے نہ پورا کرو جو تم
جو منتظر رہا، جینے سے بیزار کیوں نہ ہو

یہ کیا ضرور ہے کہ ہمیشہ ہو ایک بات
انکار گر کیا ہے تو اقرار کیوں نہ ہو

عالم فریفتہ تیری رفتارِ ناز کا
عالم تمام قائلِ رفتار کیوں نہ ہو

ٹھٹ عاشقوں کے ہیں ترے در پر لگے ہوئے
پھر یہ غریب حاضرِ دربار کیوں نہ ہو

انسان ہوں میں بھی، مجھ پہ بھی ہو لطف کی نگاہ
سب کو جو چاہیئے، مجھے درکار کیوں نہ ہو

تاریک دل کے واسطے لازم ہے روشنی
پھر جلوہ ریز آتشِ رخسار کیوں نہ ہو

تیرِ نگاہِ مست سے دوچار جو ہوا
اُس کے گلے کی پھر یہ بلا ہار کیوں نہ ہو

اب شکوۂ ستم پہ یہ وہ دیتے ہیں جواب
معشوق ہو کوئی تو دل آزار کیوں نہ ہو

جس نے پیا ہو جامِ محبت کا بار بار
فرمایئے وہ نشے میں سرشار کیوں نہ ہو

دل میں چھپا کے رکھنے سے نکلے گا کام کیا
جب عشق ہے تو عشق کا اظہار کیوں نہ ہو

لاکھوں تمہارے جلوے سے جب مایہ دار ہوں
مجھ کو نصیب دولتِ دیدار کیوں نہ ہو

انکار تم کو قتل سے، اور عاشقِ غریب
مرنا ہی جب بدا ہے، تو بیمار کیوں نہ ہو

وعدے پہ وعدے کرتے ہیں لیکن ہیں سارے جھوٹ
فرمایئے کہ ایسوں سے تکرار کیوں نہ ہو

بدنامِ دہر مجھ کو، محبت نے کر دیا
رسوائی اُن کی بھی سرِ بازار کیوں نہ ہو

رحمت جب اس کی عام ہے اے زاہدانِ خشک
پھر اپنے دل میں شاد گنہگار کیوں نہ ہو

توبہ کا در کھلا ہے، گنہگار کے لیے
تائب جہاں میں داخلِ غفار کیوں نہ ہو

میں نادمِ عمل ہوں درِ توبہ باز ہے
توبہ قبول پھر مرے ستار کیوں نہ ہو

سب پر عنایتیں ہیں وہ جس کی نہیں ہے حد
مجھ پر نگاہِ لطف اے سرکار کیوں نہ ہو

(۱۲۳)
جب معصیت پسند رہا عمر بھر بشیر
عفوِ گناہ کا وہ طلبگار کیوں نہ ہو
(۵/۱)

طرزِ بیداد کو آئینِ وفا کہتے ہو
آپ مجھے کہتے ہو آتا ہوں تو جا کہتے ہو

ہنس کے کہتا ہے کوئی مجھ سے "یہ کیا کہتے ہو"
تم فنا کو بھی محبت میں بقا کہتے ہو

سیدھے منہ بات بھی کرتے نہیں اللہ اللہ
شاید اس کو ہی تم اندازِ حیا کہتے ہو

بات دبدھے میں رہی فیصلہ کچھ بھی نہ ہوا
کیا سند اس کی جو کہتے ہو بجا کہتے ہو؟

پہلے اقرار پھر انکار کبھی یہ کبھی وہ
صاف کہہ دو جو ہو کہنا تمہیں کیا کہتے ہو؟

یہ ہے آئین کوئی ہے یہ طریقہ کوئی
کرتے جاتے ہو جفا پھر بھی وفا کہتے ہو

ہر گھڑی محفلِ دشمن میں ہے میرا شکوہ
پہلے اپنی تو خبر لو مجھے کیا کہتے ہو

میں کوئی اور نہیں تم بھی کوئی اور نہیں
ہے غضب روح کو قالب سے جدا کہتے ہو

زندگی موت کو ساتھ اپنے لگا لائی ہے
ملکِ ہستی کو بجا دارِ فنا کہتے ہو

(۱۲۴)
مل کے دیکھو تو کھلے قدر بشیر احمد کی
غائبانہ اسے ناحق کو برا کہتے ہو
(۶/۱۹)

راست ہے تدبیر اب تقدیر الٹی ہو تو ہو
یعنی اس کی سر بسر تحریر الٹی ہو تو ہو

میری باتوں میں نکالو نفی تو یہ ہے اور بات
سیدھی سیدھی گفتگو تقریر الٹی ہو تو ہو

ہو کے سیدھا کوئی ہم سے کر گیا اقرارِ وصل
اب سرے سے اپنی ہی تقدیر الٹی ہو تو ہو

ہم سمجھتے ہیں کہ خالی جانے والی یہ نہیں
خوبیِ تقدیر سے تدبیر الٹی ہو تو ہو

آہ میری جاں ستاں ہے، نالہ میرا دل گداز
اس پہ بھی افسوس گر تاثیر اُلٹی ہو تو ہو

فال بھی نکلی ہے اچھی، خواب بھی ہے حسبِ حال
اب مری تقدیر سے تعبیر اُلٹی ہو تو ہو

چاہتے ہیں پھانسنا ہم اُس بتِ طنّاز کو
ہے عمل سیدھا مگر تسخیر اُلٹی ہو تو ہو

فتح ہی کرتا ہے تو تاخیر ہے کس بات کی
شوق سے تم پھیر دو شمشیر اُلٹی ہو تو ہو

جور کے شکوے پہ وہ کرنے لگے کیوں عذرِ جور
بلکہ ثابت مجھ پہ یہ تقصیر اُلٹی ہو تو ہو

میری آنکھوں میں اُتر آتی ہے وہ سیدھی طرح
آئینے میں دل کے گو تصویر اُلٹی ہو تو ہو

ایک تو سیبِ زنخداں دوسرے عنابِ لب
آپ کو اس سے اگر تبخیر اُلٹی ہو تو ہو

قدر میری وہ کریں یہ تو کبھی ممکن نہیں
ہاں بجائے قدر کے تحقیر اُلٹی ہو تو ہو

دیر سے اُمید میں در پر کھڑا ہوں منتظر
کھول دیجے بے خطر زنجیر اُلٹی ہو تو ہو

کچھ نہیں اُلجھن، بیاں میرا ہے بالکل صاف صاف
آپ کے نزدیک یہ تقریر اُلٹی ہو تو ہو

آسماں کی گردشِ دوار سے ہے یہ عیاں
چال ٹیڑھی اس کی ہے، تعمیر اُلٹی ہو تو ہو

سیدھی سادی ہے مری نیت، خبر یہ سب کو ہے
اور اب اس کی اگر تشہیر اُلٹی ہو تو ہو

میں مسلماں ہوں عقیدہ ہے مرا توحید کا
ہاں مگر فتوے سے کچھ تکفیر اُلٹی ہو تو ہو

سُن کے آوازہ اذاں مومن کا دل ہوتا ہے شاد
دشمنِ دیں کے لیے تکبیر اُلٹی ہو تو ہو

(۱۲۵)
میں چھپاؤں گا گناہوں کو نہ محشر میں بشیر
عذر خواہی پر اگر تعزیر اُلٹی ہو تو ہو
(د ۷/۱۴)

جب دل ہی بجھ گیا ہو تو دل میں کیا سما ہو
کیا خاک آرزو ہو، کیا خاک مدعا ہو

جوشِ جنوں میں خواہش، اہلِ جنوں کو یہ ہے
صحرائے لق و دق ہو، چھوٹا سا جھونپڑا ہو

مخلوق سے غرض کیا ہے خالق ہی سے ہے مطلب
مجھ کو نہ ہو کسی کا بس اُس کا آسرا ہو

حاجت ہے روشنی کی، کیا مجھ کو ہجر کی شب
بس کوئی داغِ الفت دل میں چمک رہا ہو

جب لطف ہے نہ نکلے، اُس کا خیالِ مژگاں
یہ خار میرے دل میں پیہم کھٹک رہا ہو

اللہ کی ہے قدرت، اک اک ادا سے ظاہر
تم خود خدا نہیں ہو، لیکن خدا نما ہو

جب تک کہ جاں ہے تن میں، اور سانس ہے بدن میں
تن ڈھکنے کو کپڑا، تھوڑی سی کچھ غذا ہو

دُنیا کی شان و شوکت سے، ہے مجھے غرض کیا
تن ڈھانکنا ہے کافی، کمّل ہو یا رِدا ہو

دیکھا ہے میں نے سب کو، جانچا ہے میں نے سب کو
ایسا کوئی نہ نکلا جو اپنے کام کا ہو

تھی شمع آج روشن، تربت پہ میری شب بھر
مجھ کو ہے سب برابر، کیا شمع کیا دیا ہو

معشوق اُسے نہ سمجھو، جس میں نہ ہوں یہ باتیں
آنکھوں میں ہو شرارت، تو دل میں کچھ حیا ہو

آیا ہوں در پہ تیرے، میں دیر سے کھڑا ہوں
بن جائے کام میرا، حاصل جو مدعا ہو

مانا یہ میں نے بے شک، ناکارہ جنس ہوں میں
اس کی خبر نہیں ہے، انجامِ کار کیا ہو

(١٢٦) ناحق بشیر ابھی سے، الفت میں رو رہے ہیں
لیکن اُسے ہے کیا غم، جو بندۂ خدا ہو (٨/٩)

سانچے میں بس ڈھلے ہوئے انساں نہیں تو ہو
بے شک پری ہو حور ہو غلماں نہیں تو ہو

جس کو تمیز اپنے پرائے کی کچھ نہیں
وہ بھولے بھالے ناسمجھ اے جاں نہیں تو ہو

دھوکے میں تم رقیب کے کیا جلد آ گئے
دھوکے میں آنے والے وہ انساں نہیں تو ہو

کس وجہ سے رقیب کے فقروں میں آ گئے
باتوں پہ ریجھ جاؤ وہ ناداں نہیں تو ہو

روتے پھرو گے خانۂ دل کو اُجاڑ کر
یہ گھر تمہارا ہے، مرے مہماں نہیں تو ہو

رسوا کیا خراب کیا، تم پہ مر مٹا
جس نے مٹا دیا مجھے، ہاں ہاں نہیں تو ہو

اس جنسِ رائگاں کا خریدار کون ہے
پوچھو نہ پوچھو تم، مرے خواہاں نہیں تو ہو

کہتا ہوں درد و غم سے شبِ ہجر بار بار
اس بے کسی میں میرے نگہباں نہیں تو ہو

(١٢٧) شرمِ گناہ سے نہیں اُٹھتی نظر بشیر
اپنے کیے پہ آپ پشیماں نہیں تو ہو (٩/١٢)

بعدِ فنا تو چین دے مجھ خاکسار کو
ٹھکرائے کس لیے کوئی میرے مزار کو

کیوں کر سکون ہوگا دلِ بے قرار کو
کیا لائے اختیار میں بے اختیار کو

کہتے ہیں جس کو چین وہ تقدیر میں نہیں
میں رو چکا ہوں پہلے ہی صبر و قرار کو

آنے کے ساتھ ساتھ ہی جانا لگا ہوا
ہے کب قیام ہستیٔ بے اعتبار کو

آرام کا یہ حال ہے مرنے کے بعد بھی
ملتا نہیں ہے چین ہمارے غبار کو

میں اُٹھ کر اِس جگہ سے کہیں بھی نہ جاؤں گا
ترجیح دَیر و کعبے پہ ہے کوئے یار کو

بعدِ فنا ہے عاشقِ جاں باز کا نشاں
رہنے بھی دو مٹاتے ہو کیوں تم مزار کو

انجامِ عشق سے نہیں کچھ مجھ کو آگہی
اس کی خبر ہے بس مرے پروردگار کو

رحمت کا اُس کی شکر زباں سے ہو کب ادا
تکلیف[له] ہے معاف ضعیف و نزار کو

اک جانے والی شے تھی وہ جاتی رہی تو کیا
کیوں روئیں اپنی زندگیٔ مستعار کو

دل سے کبھی نہ دُور ہوئی کاوشِ مژہ
ہر دم نئی خلش ہے رہی نوکِ خار کو

(۱۲۸)
میں شکر کیوں ادا نہ کروں دل سے اے بشیر
اللہ نے عروج دیا خاکسار کو
(۱/۷)

آہ کا میری ذرا دل پر اثر ہونے تو دو
خود نکل آئیں گے وہ گھر سے خبر ہونے تو دو

ناز ہے ہم کو بہت کچھ آہِ پُر تاثیر پہ
کان تک اُن کے کبھی اس کا گزر ہونے تو دو

خط لکھا ہے شوق میں اور لے چلا ہے مرغِ جاں
اس کبوتر کے ذرا تم بال و پر ہونے تو دو

طول ہے قصہ بہت اکب تک سنو گے تم اُسے
داستانِ شوق میری مختصر ہونے تو دو

کہہ چکے تم اپنی داستاں اے اہلِ بزم
اب مخاطب اُس ستم گر کو اِدھر ہونے تو دو

مجھ کو بھی تحملِ محبت کا کبھی مل جائے گا
کوششوں کو میری تم کچھ بارور ہونے تو دو

(۱۲۹)
کیا نتیجہ شعر گوئی کا ملا تم کو بشیر
آہ کو میری رسا اور با اثر ہونے تو دو
(۱۱/۱۵)

له لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲

اب مصیبت میں بھلا ہم ہیں گرفتار کہ تو
ہم محبت میں ہیں اب شاکیِ آزار کہ تو

تیر پر تیر چلا کرتے ہیں کس کے دل پر
چوٹ پر چوٹ ہمیں کھاتے ہیں ہر بار کہ تو

عرصۂ حشر میں کیا ہوتا ہے انصافِ ستم
دیکھیئے میں ہی ٹھہرتا ہوں گنہگار کہ تو

دل جو گھبراتا ہے تو جا کے کسی کوچے میں
سر کو ٹکراتا ہوں میں ہی پسِ دیوار کہ تو

آتشِ عشق بھڑکتی ہے مرے سینے میں
میں کیا کرتا ہوں اب آہِ شرربار کہ تو

دے کے دل غیر کو انجامِ محبت دیکھا
درد و اندوہ میں اب میں ہوں گرفتار کہ تو

بزمِ عشرت میں تو ہی شاد ہے تجھے کیا ہے خبر
کشتۂ ناز و ادا کا میں ہوں، بیمار کہ تو

فیصلہ دیکھوں تو کیا اہلِ وفا کرتے ہیں
میں ٹھہرتا ہوں گنہگار و خطا وار کہ تو

کوچہ گردی کا ہمیں شوق ہے یا تجھ کو ہے
چھوڑ کر عشق میں ہم جاتے ہیں گھر بار کہ تو

کس کی عزت گئی، توقیر گئی، بات گئی
میں ہوا عشق میں رسوا سرِ بازار کہ تو

مرتے مرتے بھی ترا نام لیے جاتا ہوں
کہہ دے انصاف سے اب میں ہوں وفادار کہ تو

کیا مصیبت پہ مصیبت ہے، غضب پر ہے غضب
دیکھ میں عشق میں ہوں بیکس و ناچار کہ تو

امتحاں خوب ہے جانبازیِ عشاق کا یہ
میں فدا کرتا ہوں سر دیکھیئے ہر بار کہ تو

دل میں ہیں تیرے محبت کے بھرے افسانے
میں لکھا کرتا ہوں پُردرد یہ اشعار کہ تو

(۱۳۰)

ختم ہوتی نہیں ہر وقت کی تکرار بشیر
اب خدا جانے وہ ہی بر سرِ پیکار کہ تو

(۱/۱۴)

غزل

صبر رخصت ہوا بس اُن کی ملاقات کے ساتھ
جو مزے رات کے تھے ختم ہوئے رات کے ساتھ

پوچھتے ہی نہیں بھولے سے وہ سنتے ہی نہیں
کتنی ضد کتنی ہے لاگ اُن کو مری بات کے ساتھ

نگہِ لطف و کرم اُن کی جو مجھ پر ہو جائے
آپ منسوب کریں اُس کو کرامات کے ساتھ

اُس طرف ابر اُٹھے اور ادھر دوڑ چلے
بادہ نوشی کا جو ہے لطف تو برسات کے ساتھ

مرنے جینے کا مزا ہو گیا حاصل مجھ کو
زندگی اپنی اگر گزری ہے خوش اوقات کے ساتھ

بعد مرنے کے بھی آرام ملے یا نہ ملے
مِل گئے وہ گئے ہم سے جگر و دل دونوں
توبہ بھی کرنے نہ پائے کہ اجل آ پہونچی
رنج بھی ہم کو ملے خلق میں تو شاد رہے
سیر ہوتے نہیں دل صحبتِ خوش سے اُن کی
دل اگر ہو متوجہ تو توجہ ہو اُدھر
خاتمہ اُس کا ہی بالخیر بافضالِ خدا

عمر ساری تو کٹی صدمہ و آفات کے ساتھ
جیت بھی اپنی ہوئی وصل میں تو مات کے ساتھ
زندگی ختم ہوئی اپنی خرافات کے ساتھ
کر گئے اپنی بسر حُسنِ کمالات کے ساتھ
کرتے رخصت ہیں بڑی حسرت و ہیہات کے ساتھ
ہاتھ پھیلائیں رواں اشکِ مناجات کے ساتھ
گر میسر ہو تلافی اُسے مافات کے ساتھ

(۱۳۱)

فرق و تفریق سے لو کام نہ دُنیا میں بشیر
لطف جب ہی کہ گزر جائے مساوات کے ساتھ

(۲/۲۱)

انسان کو نہ کیوں ہو محبت وطن کے ساتھ
الفت ہمیں ہے ویسی ہی اپنے وطن کے ساتھ
کیا لطفِ سیر ہے جو وہ غنچہ دہن نہ ہو
برسوں کے بعد سونا تو مجھ کو نصیب ہو
ابرو کے پیچوں نے کیا نیم جاں مجھے
بننا ہو آدمی، تو تلاش آدمی کی کر
سیکھ بشیر سے یہ سبقِ عشق و عاشقی
ہم ناتوان اور وہ ہیں صاحبِ دَوَل
اخفائے عشق تک تو رہی خیر جان کی
اس کا تو جال میرے لئے ہے وبالِ جاں
خنجر ہی ہاتھ میں نہ ہی چٹکی میں کوئی تیر
ملتی نہیں خوشی کبھی دُنیا کے دَور میں

پھر اُس کے ساتھ رہتا ہو جس انجمن کے ساتھ
بلبل کو جس طرح ہے تعلق چمن کے ساتھ
ہاں لطفِ سیرِ باغ ہے غنچہ دہن کے ساتھ
جس سیمتن پہ مرتا ہوں اُس سیمتن کے ساتھ
ہر وار اُن کا ہوتا ہے کس بانکپن کے ساتھ
اچھی گزارنی ہو تو رہ خوش چلن کے ساتھ
شیریں نے کیا سلوک کیا کوہکن کے ساتھ
کیوں کر مقابلہ ہو بھلا صف شکن کے ساتھ
اب دیکھیں کیا گزرتی ہے دار و رسن کے ساتھ
کیوں کر نبھے گی زلفِ شکن در شکن کے ساتھ
مقتل میں قاتل آیا نرالی پھبن کے ساتھ
سب آتے جاتے رہتے ہیں رنج و محن کے ساتھ

نکلی بدن سے جان تو کیا لطف رہ گیا
دولھا دلھن کے پاس ہو، دولھا دلھن کے ساتھ

چھلنی کلیجہ ہو گیا غم کی نہ جا رہی
افکار ہیں ہزاروں ہی، مجھ خستہ تن کے ساتھ

ہو رنج یا خوشی، مجھے اِس سے غرض نہیں
لیکن ہے بات ٹھیک جو ہو سر شکن کے ساتھ

الفت نے بعدِ مرگ بھی مجھ پر کیا یہ ظلم
ارماں کی پوٹ باندھ دی، بندِ کفن کے ساتھ

ہوتا ہے کون ہم سفر جادۂ عدم
آساں نہیں بناہ غریب الوطن کے ساتھ

ہے کارِ خیر کرنے میں تاخیر کس لیئے
جھٹ پٹ کرو جو کرنا ہے، سرّ و علن کے ساتھ

اِن خصلتوں سے اُن کی تو آگاہ ہے جہاں
سیدھی بھی بات کرتے ہیں وہ ٹیڑھ پن کے ساتھ

یارب نہ ذوق و شوق میں اپنے ہو کچھ کمی
ارمان دل کے ساتھ ہیں، جان تن کے ساتھ

جو کچھ کہو بشیر سمجھ سوچ کر کہو
آساں نہیں گزارنی اہلِ زمن کے ساتھ

(3/19)

(۱۳۲)

لازم ہے یوں بشر کو ہو الفت وطن کے ساتھ
بلبل کو جس طرح ہو محبت چمن کے ساتھ

مانا مکاں ہے دہلی میں دِہلی وطن بھی ہے
لیکن لگا ہے دل کا تعلق دکن کے ساتھ

ایک ایک کو جہاں میں عزیز اپنی جان ہے
ہو کیوں نہ یہ کہ روح ہمیشہ ہے تن کے ساتھ

اکثر یہ بات مجھ سے ہے، اکثر وہ بات ہے
لیتے ہیں آپ دل بھی مرا اُس جلن کے ساتھ

کیا جائے گا جہان سے اعمال کے سِوا
توشہ بغل میں پاس ہے کچھ کفن کے ساتھ

لب پر ہو لا الہ محمدؐ رسولِ حق
جاں تن سے ہو جدا یہ کلمہ دہن کے ساتھ

بادِ خزاں چلی ہے، یہ اُجڑا دیار ہے
چھوڑو یہ اپا دیس چلو اب سجن کے ساتھ

ارمان اُن کے اور مرے دل میں کیوں نہ ہوں
اکثر براتی رہتے ہیں، دولھا دلھن کے ساتھ

دنیا میں ہنستے بولتے دن کاٹ دیجیئے
دل بستگی ہمیشہ رہے انجمن کے ساتھ

دیتے ہیں مجھ کو حکم وہ بزمِ رقیب میں
جب تک رہو یہاں رہو اچھے چلن کے ساتھ

دنیا سے جب سفر ہو تو، ہو مایۂ ظفر
چلنا یہاں سے جب ہو تو، اچھی لگن کے ساتھ

اب ناطقہ ہی بند، تحیر سے گنگ ہوں
بند ہو گئی زبان بھی اگویا دہن کے ساتھ

رکھتے ہی قبر میں پلٹ آتے ہیں سب عزیز
جاتا ہی کون مردِ غریب الوطن کے ساتھ

رنج و محن کے وقت کا ساتھی کوئی نہیں
ہوتا ہی کون خلق میں رنج و محن کے ساتھ

نکلے تھے آج اِدھر وہ بڑی آن بان سے
دل اپنا میں نے کر دیا اُن کی پھبن کے ساتھ

انداز و ناز و غمزہ و اغماض سب تو ہیں
وہ کیا ہی جو نہیں کسی پیماں شکن کے ساتھ

صدمے اٹھائے ہجر کے میں نے تمام عمر
اب گزرے چین سے عمر اُس سیم تن کے ساتھ

سیرِ چمن کا لطف اُٹھانے کے واسطے
گلشن میں جانا چاہیئے اُس گلبدن کے ساتھ

(۱۳۴)

دہلی میں کیا بشیر نے سکہ بٹھا دیا
ملتی ہی داد اُس کو سخن کی سخن کے ساتھ

(۴/۱۵)

لڑ ہی جائے کسی نگار سے آنکھ
کاش ٹھہرے کہیں قرار سے آنکھ

کچھ محبت ہی کچھ مروّت ہی
آج پڑتی ہی مجھ پہ پیار سے آنکھ

چلتے رہتے ہیں خوب تیرِ نگاہ
باز آتی نہیں شکار سے آنکھ

ٹکٹکی سے کہاں مِلی فرصت
آ گئی عاجز انتظار سے آنکھ

کیا پڑی ہی بلا کو اُس کی غرض
کیوں ملائے، امیدوار سے آنکھ

کوئی تدبیر بن نہیں پڑتی
کیا مِلے چشمِ شرمسار سے آنکھ

نیچی نظروں سے دیکھ لیتے ہیں
کیا ملائیں وہ بے قرار سے آنکھ

دید بازی کا جس کو پکا ہی
کب ٹھہرتی ہی اضطرار سے آنکھ

نظروں نظروں میں باتیں ہوتی ہیں
خوب مِلتی ہی رازدار سے آنکھ

کیوں یہ مِلتی ہی بے وفاؤں سے
کاش لڑتی وفا شعار سے آنکھ

کبھی در پر کبھی ہی رستے میں
نہیں تھکتی ہی انتظار سے آنکھ

مرنے کے بعد بھی تھی شرم اُن کو
کہ چُرائی مرے مزار سے آنکھ

صبحِ محشر اُٹھا نہیں جاتا
دل غنی ہے مرا تو کیا پروا

اب بھی کھلتی نہیں خمار سے آنکھ
کب ملاتا ہوں، ہاں دار سے آنکھ

(۱۳۴)

کیوں جھکاؤں نظر بشیر اپنی
کبھی جھپکی نہیں ہزار سے آنکھ

(۱/۱۷)

ردیف ی

وعدہ ہے ترا اور، وفا اور ہی کچھ ہے
انداز نرالا ہے، ادا اور ہی کچھ ہے

ہم نے کبھی انصافِ محبت میں نہ دیکھا
افسوس سزا اور خطا اور ہی کچھ ہے

وہ آنکھیں لڑانے پہ نکلواتے ہیں آنکھیں
ہے جرم تو اتنا ہی، سزا اور ہی کچھ ہے

ملتے نہیں انداز حسینوں کے کسی سے
اُن کی تو وفا اور جفا اور ہی کچھ ہے

کہتا ہے کوئی کاکلِ شب رنگ کھا کر
اب تم کہو ساون کی گھٹا اور ہی کچھ ہے

دولت کی نہ حسرت ہے، نہ سرمائے کی خواہش
اُس در پہ ہماری تو صدا اور ہی کچھ ہے

کیا جانیں ابھی وہ، ابھی آگاہ نہیں ہیں
فریاد افغاں، آہ و بکا، اور ہی کچھ ہے

قاصد جو گیا تھا، نہیں آیا وہ پلٹ کر
تقدیر میں کیا، میری لکھا اور ہی کچھ ہے

کھٹکا ہے مجھے، بلبل و گل میں نہ بگڑ جائے
یہ چال تری بادِ صبا اور ہی کچھ ہے

آزار ملے سیکڑوں، دل دے کے کسی کو
یہ تو ہے سزا، اور جزا اور ہی کچھ ہے

ہیں ظلم و ستم کا کبھی شکوہ نہیں کرتا
مجھ کو جو گلہ ہے، وہ گلہ اور ہی کچھ ہے

مانا کہ اثر ہے تری چتون میں غضب کا
لیکن یہ ہماری بھی دعا اور ہی کچھ ہے

نالہ جو ہے بے کار، تو فریاد بھی بے سود
اس وقت زمانے کی ہوا اور ہی کچھ ہے

باقی رہی دنیا میں نہ توقیرِ محبت
ورنہ مری الفت کا صلا اور ہی کچھ ہے

بے شک ترے اشعار میں ہے بات ہی کچھ اور
الفاظ و معانی کا مزا، اور ہی کچھ ہے

اب قدرِ سخن خاک ہے، ہے کون سخن سنج
عالم میں تو طوفان بپا اور ہی کچھ ہے

کیا خوب غزل ہے یہ بشیر ہمہ داں کی
اس باغِ سخن کی تو ہوا، اور ہی کچھ ہے

متوالی تری چال ہے، انداز غضب ہے / الجھانے پھنسانے کا بہت خوب یہ ڈھب ہے
ہر وقت مری جان پہ کرتے ہو جفائیں / دیتے ہو پھر الٹا مجھے الزام، غضب ہے
کیوں ہم سے خفا ہو گئے، تقصیر ہوئی کیا / کچھ وجہ تو اس کی ہے ضرور، اس کا سبب ہے
کہہ ڈالیئے بس صاف، جو ہو آپ کے دل میں / کل پر نہ اٹھا رکھیئے گلہ، معرکہ اب ہے
ہر وقت وہی قہر، وہی اُن کا غضب ہے / آرام کہاں ہے مجھے، راحت مجھے کب ہے
روتا ہوں جو محفل میں تو، فرماتے ہیں ہنس کر / یہ بزمِ عزا تو نہیں، یہ بزمِ طرب ہے
نکلے کبھی اظہارِ تمنّا کا نتیجہ / وہ بات تری مان لیں، ہاں بات تو جب ہے
میں کیوں نہ کروں آہ و فغاں گریہ و زاری / آزار و غم و رنج سے، فرصت مجھے کب ہے

(۱۳۶)
کچھ کام نہ نکلے گا بشیر آہ و فغاں سے
لکھ حمد و ثنا جس میں رضامندیِ اب ہے
(۳/۷)

شبِ غم کیوں دلِ مضطر ہمارا یوں اچھلتا ہے / ستارے چھپ گئے سورج کوئی دم میں نکلتا ہے
ہزاروں کروٹیں لیں ہم، جو ہونا ہے وہی ہوگا / مقدّر کا کہیں لکھا ہوا ٹالے سے ٹلتا ہے
خدا جانے مرا دل کیوں تڑپ اٹھتا ہے تھم تھم کر / نہیں معلوم رہ رہ کر کلیجہ کون ملتا ہے
وہ کہہ جاتے ہیں آنے کیلئے لیکن کب آتے ہیں / کہیں ان جھوٹی باتوں سے ہمارا دل بہلتا ہے
ہمارا دل کبھی پہلو میں یوں مضطر نہیں ہوتا / جو اُن کو دیکھ لیتا ہے تو البتہ مچلتا ہے
یہی دیکھا تماشا ہم نے گلزارِ محبت میں / ثمر لاتا ہے آخر، آبلوں سے دل جو پھلتا ہے

(۱۳۷)
بشیر خوش نوا تاثیر بھی ہو شعر میں پیدا
کہیں بے کار تک بندی سے کوئی کام چلتا ہے
(۴/۱۱)

فلک کو دیکھیئے، سو رنگ دم بھر میں بدلتا ہے / حوادث سے کہاں جنّ و بشر کا زور چلتا ہے
یہ کیسی اشک باری ہے کہ رکتے ہی نہیں آنسو / یہ کیسی بے قراری ہے کہ دل بانسوں اچھلتا ہے
جنوں ہے ہم کو وحشت ہے کہاں جائیں کہاں ٹھہریں / نہ گلشن میں نہ اب صحرا میں دل اپنا بہلتا ہے

یہ مانا ضبطِ غم سے میں شبِ غم کام لیتا ہوں
مگر آنکھوں سے دریا اشک کا ہر دم اُبلتا ہے

مریضِ عشق کو صحت ہو، اس کو ہم نہ مانیں گے
کوئی بیمار ایسا بھی سنبھالے سے سنبھلتا ہے

خدا جانے سحر ہو یا نہ ہو، بھاری ہے رات اُس پر
بمشکل آپ کا بیمارِ غم کروٹ بدلتا ہے

ذرا انصاف تو کیجے یہی شرطِ مروت ہے
کسی کی چھاتی پر کوئی بھلا یوں مونگ دلتا ہے

اسے پریوں سے کیا مطلب، غرض کیا اسکو حوروں سے
تمہیں کو دیکھ کر اپنا دلِ شیدا مچلتا ہے

قضا آئی ہوئی ہرگز کسی کی رک نہیں سکتی
یہ وعدہ وہ ہے جو ہرگز نہیں ٹالے سے ٹلتا ہے

برائی سے کوئی ممتازِ عالم ہو نہیں سکتا
نہ اس سے کام چلتا ہے نہ اس سے نام چلتا ہے

(۱۳۸)

بشیر انجان بن کر پوچھنا اُن کا قیامت تھا
ہمارے عشق میں سچ مچ تمہارا دم نکلتا ہے

(۵/۱۲)

آزار ہے ستم ہے کسی کا عتاب ہے
مجھ ایک غم رسیدہ پہ کیا کیا عذاب ہے

یہ وضع آپ کی سببِ اضطراب ہے
ماتھے پہ ہے شکن، تو نظر میں عتاب ہے

نظارہ مجھ کو حُسن کا دشوار ہے بہت
پردے ہیں وہ ہیں چہرے پہ اُن کے نقاب ہے

کیوں کر نہ ہو دوبالا ترے حُسن کی بہار
چڑھتی جوانی خوب ہے ایامِ شباب ہے

کس نے اُٹھائی عارضِ پُرنور سے نقاب
مُنہ شرم سے چھپائے ہوئے آفتاب ہے

دل کا جلانا آپ نے سیکھا، بُرا کیا
مذہب میں حُسن کے یہی شاید ثواب ہے

کرتا ہے بزمِ غیر میں وہ شوخ مے کشی
اس اشک سے کلیجہ ہمارا کباب ہے

بہتے ہیں اس سے اشک ستا ہے اُس سے مینھ
ابرِ سیاہ کیا مری چشمِ پُرآب ہے

بیمارِ نیم جاں پہ کرم کی نگاہ ہو
فرطِ الم سے حال ہمارا خراب ہے

کیوں التجائے وصل پہ ناراض ہو گئے
کوئی مرے سوال کا آخر جواب ہے

پہلے وسیلہ ڈھونڈتے تھے نامہ بر کا ہم
اب تو براہِ راست تمہیں سے خطاب ہے

لاکھوں ہیں داغِ عشق مرے دل پہ اے بشیر
باہر شمار سے یہ حساب و کتاب ہے

(۱۳۹) خالق کی اگر دُھن ہی، کوتہ نظری کیوں ہی
معلوم نہیں مجھ کو، عقبیٰ کی حقیقت کیا
نعمت یہ تو بھولے سے، میں شکر نہیں کرتا
ڈرتا بھی ہی تو رب سے، پھر بھی ہی وہی غفلت
دعویٰ تو ہمارا ہی، تقدیر پہ ہیں شاکر
گر ہی یہ صحیح کہنا، قسمت کا نہیں لہنا
مرجانے پہ بھی پائی، ہم نے نہ سبکدوشی
سی ہی نہیں سکتا تو، جب چاکِ مقدّر کو
دُنیا کے بکھیڑے کب، سلجھانے سے سلجھیں گے
مرصر کا یہاں کھٹکا، بجلی کا یہاں دھڑکا
اسرارِ محبّت کو تم خوب سمجھتے ہو
تم پردے میں رہتے ہو، تم پردے میں بیٹھے ہو
چُپ چاپ کیئے جائیں، فریاد و فغاں دل میں
دل میں ہی تمہارے کچھ، اور منہ سے ہو کچھ کہتے
گر کام تمہارے ہیں، با امن و اماں حضرت
بیمارِ محبّت کو، صحت نہ کبھی ہو گی
یہ خاص علامت ہی، اظہارِ محبّت کی
جب بادۂ وحدت کی، حاصل ہی مجھے لذّت

(۶/۱۹) ہی چشمِ بصیرت تو، یہ دِلبصری کیوں ہی
ہر بات میں پھر میری، یہ بے خبری کیوں ہی
پھر رنج و مصیبت میں، یہ نوحہ گری کیوں ہی
ہاں یہ تو بتا اے دل، تو اتنا جری کیوں ہی
پھر اتنی تگ و دَو کیوں، یہ دربدری کیوں ہی
پھر پھرتے بھٹکنا کیوں، دریوزہ گری کیوں ہی
تعویذِ لحد کی سِل، چھاتی پہ دھری کیوں ہی
کیا فائدہ کوشش سے، یہ بخیہ گری کیوں ہی
کس کو ہی یہاں رہنا، یہ دربدری کیوں ہی
حیرت ہی مجھے کھیتی، دُنیا کی ہری کیوں ہی
کیوں خشک مرے لب ہیں، آنکھوں میں تری کیوں ہی
پھر دوسرے لوگوں کی، یوں پردہ دری کیوں ہی
ہم کو غمِ الفت میں، شوریدہ سری کیوں ہی
گر جنگ نہیں کرنی، والنٹیری کیوں ہی
پھر چاروں طرف پھیلی، یہ خیرہ سری کیوں ہی
وہ چارہ گری کیوں تھی، یہ چارہ گری کیوں ہی
مجھکو جو نہیں الفت، دردِ جگری کیوں ہی
پھر پاس مرے ہر دم، شیشے میں پری کیوں ہی

(۱۴۰) اتنا بھی نہیں کوئی، پوچھے جو بشیر آ کر
صورت سے عیاں تیری، بے بال و پری کیوں ہی (۷/۸)

ہم سے الگ تھلگ جو بہت وہ حبیب ہی
شکوہ نہیں گلہ نہیں اپنا نصیب ہی

محشر میں جمع ہوں گے ترے کشتگانِ عشق
وہ دن نہیں ہے دور بہت ہی قریب ہے

مایوس کیوں ہوں بندے خدائے قدیر سے
سب کی دعا کا ایک وہی تو مجیب ہے

اُس کے علاوہ کوئی نہیں چارہ سازِ دل
ہاں دردِ لا علاج کا بس وہ طبیب ہے

بعد از خدا بزرگ اگر پوچھیے ہے کون
تو صاف یہ جواب ہے "اُس کا حبیب ہے"

یہ آنی جانی چیز ہے، کیا اس کا اعتبار
دُنیا کا رنگ ڈھنگ عجیب و غریب ہے

کب قدر ہے زمانے میں اہلِ کمال کی
جو بے ہُنر ہے اُس کا یہ دعویٰ عجیب ہے

(۱۴۱)

بے کار فخر ہے تجھے اسلاف پر عبث
مانا کہ اے بشیر بہت تو نجیب ہے

(۸/۲۰)

غیر پر کیوں مہربانی اور ہے
کیا ہوا کیا دل میں ٹھانی اور ہے

کامیابی، کامرانی اور ہے
یہ بہارِ نوجوانی اور ہے

سرگزشتِ دل نہیں کچھ دل لگی
یہ فسانہ یہ کہانی اور ہے

کیا تمہاری دوستی کا اعتبار
اور ہے دل میں زبانی اور ہے

ڈھونڈتی ہے جس کو میری چشمِ شوق
وہ نگاہِ مہربانی اور ہے

بوالہوس اس لطف سے واقف نہیں
لذّتِ دردِ نہانی اور ہے

سیکڑوں ہیں چاہنے والے ترے
یہ ہماری جاں فشانی اور ہے

آپ فرماتے ہیں ہیں ظالم نہیں
کیا جفا کا کوئی بانی اور ہے

میں سمجھتا تھا مصیبت ہو چکی
کیا بلائے ناگہانی اور ہے

دل دھڑکنے سے یہ ثابت ہو گیا
کوئی تازہ آفت آنی اور ہے

کوئی دیکھے خوب رویوں کا غرور
اِن کی رگ میں خون پانی اور ہے

ہے یہ دُنیا چند روزہ لاکلام
کیا کوئی ہاں دارِ فانی اور ہے

چار دن کے حکمراں کے واسطے
چار دن کی حکمرانی اور ہے

کیا دو روزہ زندگی پر ہوں مگن
زندگیِ جاودانی اور ہے

وہ بھی کٹ جائے کہیں آرام سے
تھوڑی سی جو زندگانی اور ہے

ہے وہ ذاتِ پاک یکتا بے نظیر
کب کسی جا اُس کا ثانی اور ہے

وائے موسیٰ وائے برقِ کوہِ طور
ہائے رازِ لن ترانی اور ہے

تجھ میں ساری خوبیاں ہیں مجتمع
قابلیت تیری مانی اور ہے

ہیں غزل اوروں کی بھی اس طرز میں
پر تری جادو بیانی اور ہے

(۱۴۲)
خوب ہے یہ طرز تیرا اے بشیر
جس میں شامل خوش بیانی اور ہے
(ب ۹/۲)

ہر طرف چرخ پہ گھنگھور گھٹا چھائی ہے
فصلِ گل آ گئی مخلوق تماشائی ہے

اب نہ احباب نہ مونس نہ اعزّہ باقی
رات فرقت کی ہے میں ہوں مری تنہائی ہے

ہے مرے دیدۂ پُر شوق میں صورت تیری
تھا جو مشتاق کبھی اب وہ تماشائی ہے

جو تجھے دیکھ لے سو جان سے عاشق ہو جائے
وہ ادا ہے، وہ لگاوٹ ہے، وہ رعنائی ہے

کثرتِ ظلم سے اندازہ یہی کرتا ہوں
تیرے کوچے میں مجھے میری قضا لائی ہے

ہوں جو خاموش تری بزم میں مثلِ تصویر
یہ خموشی بھی مری اصل میں گویائی ہے

ڈھونڈتا پھرتا تھا مدت سے ٹھکانا اپنا
میں نے اب دل میں ترے خوب جگہ پائی ہے

دل رقیبوں سے لگاتے ہیں غضب کرتے ہیں
یہ کوئی عقل کوئی آپ کی دانائی ہے

وعدہ کر کے نہ مرے گھر کبھی تم آؤ گے
جھوٹی موٹی سرِ دشمن کی قسم کھائی ہے

اور تو ہجر کی شب کوئی بھی غمخوار نہیں
بس فقط غم ہی مرا مونسِ تنہائی ہے

آنے جانے کا یہاں کوئی نتیجہ ہی نہیں
بارہا ہم نے تری بزم میں زک پائی ہے

شکوۂ جور پہ مجھ سے وہ کسی کا کہنا
تیری ذلت بھی ہے یا میری ہی رسوائی ہے

بزمِ عالم میں یہی ہم نے تماشا دیکھا
کوئی بے خود ہے کوئی محوِ خود آرائی ہے

خوب رو اور بھی دنیا میں ہیں لاکھوں لیکن
تجھ میں جو بات ہے کس نے وہ کہاں پائی ہے

ہاں ذرا پھر تو ہو ارشاد کہ سن لوں میں بھی
کیا کہا پھر تو کہو "یہ کوئی سودائی ہے"

خوبیِ بخت سے تم مل گئے تنہا مجھ کو
مدّتوں بعد مری آج ہی بن آئی ہے

شکوۂ جور پہ وہ کہتے ہیں خنجر لے کر
"ہوش میں آ تری شامت تو نہیں آئی ہے"

جب غزل سن چکے بے ساختہ بول اُٹھے وہ
"بخدا تو نے بھی کیا طبعِ رسا پائی ہے"

حضرتِ نوح کا شاگرد ہوں اللہ اللہ
کہ روانی و سلاست مرے ہاتھ آئی ہے

(۱۴۳)
کیا کروں فکرِ سخن ہاں فکر سے بے فکر نہیں
اے بشیر اس سے زیادہ سخن آرائی ہے
(۱۰/۶)

شکوۂ خوبیِ تقدیر رہا جاتا ہے
چبھ گیا سینے میں جو تیر رہا جاتا ہے

قافلہ جا چکا میں ہوں ابھی دنیا میں مقیم
نوجواں چل بسے ہاں یہ پیر رہا جاتا ہے

نہیں مٹتا مرے دل سے ترے گیسو کا خیال
پاؤں میں حلقۂ زنجیر ہاں رہا جاتا ہے

قتل کرنے میں مرے تم کو ہے جلدی کیسی
ہے غضب نعرۂ تکبیر ہاں رہا جاتا ہے

کعبے والے ہاں نہیں کیوں دَیر کو دیتے امداد
گھر ادھورا ہی تعمیر رہا جاتا ہے

(۱۴۴)
بات پوری نہ ہوئی اور رہے خاموش بشیر
لو بڑا حصّہ تقریر رہا جاتا ہے
(۱۱/۱۴)

مبارک باد کا چاروں طرف مے خانے میں غل ہے
کہ ساقی ہے صراحی ہے سبو ہے جام ہے مُل ہے

بہار آئی خزاں رخصت ہوئی آئے کوئی دیکھے
گلوں پر ہے نیا جوبن عجب شان و تجمّل ہے

جھجکتی ہے صبا اپنا قدم رکھتے ہوئے کیا کیا
یہاں گل ہے وہاں گل ہے اِدھر گل ہے اُدھر گل ہے

قدِ جاناں کا دھوکا کیوں نہ ہو سرو و صنوبر پر
جوابِ گیسوئے عنبر فشاں ہر ایک سنبل ہے

عجب مستی سے کرتا رقص ہے طاؤسِ گلشن میں
نہیں ٹکتا قدم اُس کا نشے میں چور ہے ٹُل ہے

جوانی جا چکی اب خواب ہم دیکھیں جوانی کا
قویٰ میں کیسا اضمحلال ہے کیسا تنزّل ہے

مزاج اپنا نہیں رہتا کسی دم ایک صورت پر
گھڑی تولہ گھڑی ماشہ تغیر ہی تبدل ہے

فنا کے تیز جھونکوں میں قدم رکتے نہیں اپنے
چراغِ زندگی کو جان لیں حباب اب گُل ہے

یہ سب کچھ جانتے ہیں پر وہی غفلت ہی غفلت ہے
پھنسے ہیں کیسے دُنیا میں وہی اب بھی توغل ہے

خدا کے در سے اور مایوس ہرگز ہو نہیں سکتے
وہی ملجا وہی ماوائے اربابِ توکل ہے

لکھے حمدِ خدا بندے میں ہے اتنی کہاں طاقت
وہی خالق وہی مالک وہی بس جزو و کُل ہے

یہ مانا ذرۂ بے قدر ہوں وقعت نہیں کچھ بھی
مگر مُہرِ رسالت سے مرا کتنا توسل ہے

چُھپائے گا وہی سب عاصیوں کو اپنے دامن میں
قیامت سے توہّم کیوں ہے کیوں اِن کو تامل ہے

(۱۴۵)
اُسے کیوں خوفِ محشر ہو اُسے کیوں فکرِ عقبیٰ ہو
بشیرِ خستہ جاں کو ذاتِ اقدس سے توسل ہے
(ب ۱۲/۲)

دلِ غمناک و غم دیدہ کی وہ بھی نوحہ خوانی ہے
زمانہ جس کو کہتا ہے محبت کی کہانی ہے

یہ باعث ہے جو فرطِ غم سے میں ہر وقت روتا ہوں
محبت میں مجھے اشکوں کی اک ندی بہانی ہے

مرے دشمن تو اپنا حالِ دل اکثر سُناتے ہیں
مجھے بھی اپنی بیتی من و عن اُن کو سُنانی ہے

مناسب تھا کہ وعدے پر کوئی تحریر ہو جاتی
مجھے کیا اعتبار آئے زبانی ہی زبانی ہے

محبت میں تری یہ تجربہ اچھا ہوا ہم کو
خوشی تو آنی جانی ہے، غم اپنا یارِ جانی ہے

مآلِ زندگی جز رنج و غم کے کچھ نہیں دیکھا
یہ ظاہر ہے کہ دُنیا چند روزہ اور فانی ہے

انہیں دعویٰ محبت کا ہے میں سنتا ہوں لوگوں سے
بہت ہی مغتنم اتنی جو اُن کی مہربانی ہے

وہ آمادہ ہوئے ہیں اعترافِ عشق و الفت پر
خدا کا شکر ہے مدت میں میری بات مانی ہے

نہیں معلوم وہ کیوں ماجرا مجنوں کا سُنتے ہیں
مرا قصہ نیا ہے داستاں اُس کی پُرانی ہے

دلِ بے تاب ظلم و جور کے شکووں سے کیا حاصل
کسی کے سامنے رونا ہنسی اپنی اُڑانی ہے

پرائے در سے آگاہ کوئی ہو نہیں سکتا
بُلا کر اپنے گھر اُن سے ہمیں الفت جتانی ہے

وہ آئے ہیں جو بن ٹھن کر تو اس کا یہ سبب ہوگا
کہ اپنے حُسنِ دلکش کی ادا ہم کو دکھانی ہے

وہ پیری ہے، جو آکر نام جانے کا نہیں لیتی
جو آکر جلد چل دیتی ہے، وہ اپنی جوانی ہے

وہی کینہ، وہی رنجش، وہی باتیں، وہی گھاتیں
ذرا کہیئے تو مجھ سے آپنے کیا دل میں ٹھانی ہے

سمجھ دی ہے جنھیں اللہ نے اتنا سمجھتے ہیں
یہ جان اُس کی امانت ہے، خدا کے پاس جانی ہے

ادھر آؤ، یہاں بیٹھو، ذرا مجھ سے ہنسو بولو
یہ کیسی لَنْ ترانی ہے، یہ کیسی آنا کانی ہے

تمہارا نام میں ہر دم لیئے جاؤں، لیئے جاؤں
یہی بہتر طریقہ ہے، یہی گوہر فشانی ہے

بُرائی سے زمانے میں الگ ہونا جدا رہنا
یہی اللہ کے مقبول بندوں کی نشانی ہے

بجا ہے قول، یہ اُن کے شہیدانِ محبت کا
غمِ الفت میں مرجانا، حیاتِ جاودانی ہے

(۱۴۶)
ہزاروں قسم کے مضمون تو مجھ کو نظر آئے
بشیرِ نکتہ داں کی طبع میں کتنی روانی ہے
(۱۳/۱۴)

مجھے ہر دم خیالِ نرگسِ مستانہ آتا ہے
جدھر جاتا ہوں، سب کہتے ہیں وہ دیوانہ آتا ہے

کبھی عشاق خود مرنے پہ آمادہ نہیں ہوتے
کشش ہی شمع کی لاتی ہے، جب پروانہ آتا ہے

دمِ صحرا نوردی اور بڑھ جاتی ہے کچھ وحشت
ہمارے سامنے مجنوں کا جب افسانہ آتا ہے

ہم ایسے رندِ بے پروا ہیں میخانے نہیں جاتے
ہمارے سامنے چل پھر کے خود، پیمانہ آتا ہے

یہ دیکھا ہے تمہارے روبرو ہم نے دمِ زینت
کبھی آئینہ آتا ہے تو اکثر شانہ آتا ہے

نہیں معلوم ہجرِ یار میں کیا حال ہے دل کا
جو اشک آنکھوں میں آتا ہے وہ بے تابانہ آتا ہے

(۱۴۷)
نکل پڑتے ہیں آنسو دل تڑپ جاتا ہے پہلو میں
بشیرِ بادہ کش کو یاد جب میخانہ آتا ہے
(۱۴/۱۴)

اُس پر اک میری طبیعت ہی نہیں آئی ہے
دیکھ لے دیکھ لے، دُنیا تری شیدائی ہے

سوئے میخانہ جو گھنگور گھٹا چھائی ہے
توبہ کے دم پہ نئے سر سے بلا آئی ہے

اب وہ کہتے ہیں کہ دے دو ہمیں تم جان اپنی
دل گرفتہ پہ قیامت یہ نئی ڈھائی ہے

کر کے اقرار، مکرنے میں انھیں خوف نہیں
دیکھیئے اب کے بھی جھوٹی یہ قسم کھائی ہے

ہے جہاں خوبیِ قسمت سے پہنچنا مشکل
ٹوٹ کر اپنی طبیعت بھی کہاں آئی ہے

جوشِ وحشت ہیں مرا اور کوئی کام نہیں
رات دن شغل فقط بادیہ پیمائی ہے

قصد ہوتا ہے کہ میں عشق سے توبہ کرلوں
اس میں کیا نفع بجز زحمت و رسوائی ہے

بھول کر بھی نگہِ مہر نہ کی اُس بُت نے
خود تمنا بھی تو شوخی سے تمنائی ہے

میں نے دیکھا یہ کسی گھر میں کسی محفل میں
ٹھٹ لگے رہتے ہیں مخلوق تماشائی ہے

میری خواہش مرا ارمان تو پورا کیجے
راگنی میں نے انوکھی یہ نہیں گائی ہے

کون سی تیری ادا ہے، نہیں جس پر دل لوٹ
کیا بتاؤں مجھے وہ کون ادا بھائی ہے

جان لینے کو تُلی رہتی ہے ایک ایک ادا
اور پھر بھی تمہیں دعوائے مسیحائی ہے

کیا کروں نالہ، کہ ہے نالہ بھی کرنا مشکل
میری رسوائی سے اُس شوخ کی رسوائی ہے

(۱۴۸)

جو سخن سنج ہیں کہتے ہیں غزل سُن کے بشیر
مرحبا! تو نے عجب طبع رسا پائی ہے

(۱۵/۱۷)

ذوقِ الفت اب بھی ہے، راحت کا ارمان اب بھی ہے
دل پریشاں، روح ترساں، چشم گریاں اب بھی ہے

کب سنبھالے سے سنبھلتا ہے، دلِ پر اضطراب
آہِ سوزاں لب پر اب بھی، سینہ بریاں اب بھی ہے

سعی کوشش کے لیئے میدان ہے اب بھی فراخ
عزمِ راسخ کی ضرورت، ہم کو ہاں ہاں اب بھی ہے

تخم میں روئیدگی، ہر نخل میں بالیدگی
موسمِ سرما و گرما، باد و باراں، اب بھی ہے

خلق میں موجود ہیں، اب بھی وہی لعل و گہر
تشنہ کامیِ صدف کو، ابرِ نیساں اب بھی ہے

شام بھی ہے، صبح بھی ہے اور دن بھی رات بھی
ماہِ تاباں اب بھی ہے، مہرِ درخشاں اب بھی ہے

عاشق و معشوق بھی ہیں وصل و ہجر و رشک بھی
مہر الفت، تیغ خنجر، تیرِ پیکاں اب بھی ہے

ہے وہی دیوانگی، اب بھی وہی شوریدگی
جیب دامن، ہدیۂ خارِ بیاباں اب بھی ہے

شوق و ذوق اب بھی ہے باقی، مُردہ دل ہم ہیں تو ہوں
اپنی دل کو حسرتِ سیرِ گلستاں اب بھی ہے

عشق کی صورت جو بدلے، تو ہو عاشق بھی کچھ اور
یہ جفاؤ جوڑ کا ہر وقت خواہاں اب بھی ہے

آ گئی پیری مگر اب تک ہے تو محوِ خیال
ہم سبق طفلوں کا تو، طفلِ دبستاں اب بھی ہے

گرمیِ محفل وہی ہے، جمع ہیں احباب بھی
ہستیِ پروانہ و شمعِ شبستاں اب بھی ہے

غیر ممکن ہے بدل جائے، کبھی قانونِ حق
حکمِ یزداں اب بھی ہے، اجرائے فرماں اب بھی ہے

کیوں مسلمانوں نے بدلا، حال اپنی قوم کا
تھا جو قرآں بس وہی موجود قرآں اب بھی ہے

قشقہ بالائے جبیں، زنّار ہے بالائے دوش
یہ تبا ایمان سے، کیا تو مسلماں اب بھی ہے

اتقا و زُہد سے دل بستگی باقی نہیں
دعویِٔ اسلام جیسا پہلے تھا، ہاں اب بھی ہے

کھو دیئے ایام پیری نے ترے ہوش و حواس
ای بشیرِ بے نوا، کچھ دل میں ارماں اب بھی ہے

(۱۴۹) (۱۶/۵)

کون کہتا ہے نسیم سحری آتی ہے
نگہتِ گُل میں بسی، ایک پری آتی ہے

شوق سے ظلم کرو، شوق سے دو تم آزار
یہ سمجھ لو، مجھے بھی نوحہ گری آتی ہے

کوئی کہتا ہے کہ آتا ہے دُکھانا دل کا
کوئی کہتا ہے تمہیں چارہ گری آتی ہے

دردِ الفت کو بڑھا کر وہ گھٹا دیتے ہیں
چاک دل کیوں نہ کریں، بخیہ گری آتی ہے

جھوٹ سے مجھ کو نہ مطلب، نہ بناوٹ سے کام
بات جو آتی ہے، مُنہ پر وہ کھری آتی ہے

زور سے سانس جو لیتا ہوں تو اکثر شبِ غم
دل کی آواز عجب درد بھری آتی ہے

دستِ وحشت کا مرے شغل وہ کیا پوچھتے ہیں
کچھ نہیں آتا، فقط جامہ دری آتی ہے

کام کرنے کے سلیقے سے، ہم آگاہ نہیں
اور کیا آتا ہے، بس بے ہُنری آتی ہے

(۱۵۰)
دلِ پژمُردہ کھلا جاتا ہے کیوں آج بشیر
آ گئی ہے کوئی، یا خوش خبری آتی ہے
(۱۷/۱۴)

مایوس شام ہی سے مرا چارہ گر تو ہے
قدرت خدا کی دیکھیے، بڑی رات بھر تو ہے

دنیا بشر کے واسطے اک رہ گزر تو ہے
کہتے ہیں جس کو آمد و شد، وہ سفر تو ہے

ممکن نہیں کہ دل ہو مگر سوزِ دل نہ ہو
سچ ہے کہ سر کے ساتھ لگا دردِ سر تو ہے

دامن کو اپنے ہم گُلِ مقصود سے بھریں
باغِ جہاں میں رہنے کا بس یہ ثمر تو ہے

انصافِ حُسن و عشق کہیں ہو ہی جائے گا
مانا کہ وہ نہیں ہیں، خدا دادگر تو ہے

نادم کا جُرم کیوں نہ کرے گا خدا معاف
بندہ نواز میں صفتِ درگزر تو ہے

کچھ اور ہو نہ ہو مجھے اس کا الم نہیں
میری دعا میں فضلِ خدا سے اثر تو ہے

یہ کیوں کہوں کہ کوئی نہیں میرا دردمند
میری بغل میں میرا دلِ نوحہ گر تو ہے

اس کا ملال کیوں کروں احباب گر نہیں
بالیں پہ میری بیٹھا ہوا چارہ گر تو ہے

سب رستے بند کر دیئے حرمان و یاس نے
پھر بھی اُمید کی کھُلی راہِ مفر تو ہے

زخموں میں دل کے ٹیس ہو اُسکا گلہ نہیں
مجھ کو نصیب لذّتِ دردِ جگر تو ہے

مِل جائے گی کہیں نہ کہیں رہنے کی جگہ
اپنا مکاں نہیں نہ سہی اُن کا گھر تو ہے

آئندہ کیا ہو رنگِ چمن کچھ خبر نہیں
پھولا پھلا ہر ایک ابھی تک شجر تو ہے

(۱۵۱)

اب شاعری کے واسطے کیا چاہیے بشیر
پُر درد ہے کلام سراپا اثر تو ہے

(۱۸/۱۵)

شک نہیں اس میں ہمارا یہ خیال اچھّا ہے
ساری دُنیا سے ترا حسُن و جمال اچھّا ہے

عشقِ جاناں میں جو مرنا ہو تو مرنا بہتر
ہجرِ جاناں میں اگر ہو تو وصال اچھّا ہے

پوچھتے کیا ہو طبیعت ہے تری اب کیسی
شُکر صد شُکر کہ پہلے سے تو حال اچھّا ہے

ہاں ذرا پھر تو کہے یہ کوئی کہنے والا
جانِ عاشق کی جو لے لے وہ ملال اچھّا ہے

ہم کو لازم ہے کہ دُنیا میں کریں کسبِ کمال
بے کمالی سے بہر حال کمال اچھّا ہے

نام اچھّا ہے وہی جس میں نہ بدنامی ہو
کام بہتر ہے وہی جس کا مآل اچھّا ہے

کیوں تنا جاتا ہے کس بات پہ ہے اتنا غرور
ہے کمال ایسا کا جو باعثِ توزوال اچھّا ہے

آنکھیں لڑتی ہیں تو بن جاتی ہے اکثر دم پر
یہ نہ کہہ معرکۂ جنگ و جدال اچھّا ہے

چھینا جھپٹی سے مِلی دولتِ دُنیا تو کیا
پیٹ بھرنے کے لیئے اکلِ حلال اچھّا ہے

ماہِ تاباں کی صفت مجھ سے جو کرتا ہے کوئی
میں یہ کہتا ہوں مرا مہر جمال اچھّا ہے

آپ کیوں پوچھتے ہیں مجھ سے تمنّا میری
نہ جواب اس کا ہے بہتر نہ سوال اچھّا ہے

تیرا مِلنا بہت دشوار ہے اور مشکل ہے
ایسی مشکل سے تو پھر امرِ محال اچھّا ہے

ہر گھڑی پیشِ نظر رہتی ہے اُن کی صورت
سعیِ مشکورِ جہاں ہم نے نہ دیکھی اپنی

دن یہ اچھے ہیں، یہ چاند اچھا ہے سال اچھا ہے
تو قضیوں میں کبھی ہاتھ نہ ڈال، اچھا ہے

(۱۵۲)
جس کے دل میں ہو ترا دھیان بھی ہر وقت بشیر
اُس کی یاد اچھی ہے، بس اُس کا خیال اچھا ہے
(۱۹/۱۲)

دو دن کی زیست میرے لیئے اک وبال ہے
جینا تو جینا مرنا بھی مجھ کو محال ہے

آپس میں رسم و راہ ہو قائم، محال ہے
میرا خیال کچھ ہے، ترا کچھ خیال ہے

کھُلتا نہیں یہ بھید کہ آخر ہے بات کیا
وہ ہم سے کیوں خفا ہیں انہیں کیوں ملال ہے

طفلی سدھاری اپنی، جوانی گزر گئی
پیری نہیں ہے، یہ آمدِ عہدِ زوال ہے

نازاں کوئی نہ ہو کبھی اپنی حیات پر
کیا اعتبار اس کا سریع الزوال ہے

توبہ کا در کھُلا ہے گنہگار کے لیئے
آمرزگار بھی ہے جو وہ ذوالجلال ہے

کیوں حسن پھر نہ بندوں کو اپنے عطا کرے
پیدا کیا ہے جس نے وہ صاحب جمال ہے

مجھکو تباہ کر کے وہ اب پوچھتے ہیں حال
اچھی ڈھٹائی اِن کی ہے، اچھا سوال ہے

وعدے کے ساتھ ساتھ، مکرنا بھی ہے ضرور
یہ دلبروں میں ایک نرالا کمال ہے

دل بھی نہیں عزیز، نہیں جان بھی عزیز
پھر جاؤں اپنی بات سے میں، یہ محال ہے

کیوں مُعترض ہو کوئی کسی بادہ خوار پر
قاضی کو مفت کی جو مِلے تو حلال ہے

(۱۵۳)
ہو قدر کیوں نہ ایسے سخنور کی ہر جگہ
بے شک بشیر طوطیِ شکر مقال ہے
(۲۰/۱۲)

نام بیداد کا ظالم نے ادا رکھا ہے
اہلِ الفت کے لیئے اس کو روا رکھا ہے

آپ کہتے ہیں، ترے عشق میں کیا رکھا ہے
کچھ نہیں ہے تو یونہیں روگ لگا رکھا ہے

مر رہے ہیں ترے بیمارِ محبت لاکھوں
درد کا نام مگر تو نے دوا رکھا ہے

کیا زمانے کی روش بدلی ہے کچھ ٹھیک نہیں
دستِ قاتل کا لقب دستِ شفا رکھا ہے

پینگ الفت کی بڑھائیں وہ یہ ممکن ہی نہیں
مجھ کو اُمید کے جھولے میں جھلا رکھا ہے

نہ محبت ہے نہ الفت ہے نہ حسرت اُس کو
آپ کو غیر نے دیوانہ بنا رکھا ہے

شومیِ بخت سے محرومِ ملاقات ہوں میں
غیر کو سر پہ مگر تم نے چڑھا رکھا ہے

حسرتِ قتل کا ہوتے نہیں دیکھا کبھی خون
نام اس کا ہی ستمگر نے وفا رکھا ہے

آرزومندِ شہادت کے خیالات ہیں کیا
آبِ شمشیر کا نام آبِ بقا رکھا ہے

مُنہ دکھاتے ہی نہیں طالبِ دیدار کو وہ
پھر ستم دیکھیے، نام اس کا حیا رکھا ہے

فیصلہ ہونا ہے جو کچھ بھی وہ باہم ہو جائے
آج کی بات کو کیوں کل پہ اُٹھا رکھا ہے

نہ وہ جلسے نہ وہ احباب نہ وہ دن نہ وہ شب
قول یہ سچ ہے کہ "اب دلّی میں کیا رکھا ہے"

(۱۵۴)
جس طرف دیکھیے شہرت ہے بشیر احمد کی
نثر نے نظم نے سکہ سا بٹھا رکھا ہے
(۲۱/۹)

گئی بہار تو باقی خزاں رہے نہ رہے
یہ زندگی ہے رواں کیا گماں رہے نہ رہے

سرائے فانیِ دُنیا کا اعتبار ہے کیا
کوئی گھڑی کوئی دم یہ سماں رہے نہ رہے

یہی ہے حشر خرامی تری تو کیا اُمید
ہماری قبر کا دیکھیں نشاں رہے نہ رہے

یہاں تو سیکڑوں ہم نے مصیبتیں جھیلیں
وہاں بھی ہم کو میسر اماں رہے نہ رہے

جو اس سے کرتے ہو وعدہ تو اُس سے ملتے ہو
تمہیں بتاؤ کہ کوئی بدگماں رہے نہ رہے

نگاہیں تیز چھری ہیں، ادائیں خنجر ہیں
یہ حال جب ہو تو دل نیم جاں رہے نہ رہے

جو عہد کر کے وہ عہدِ وفا سے پھر جائیں
تو کیا خبر وہ یونہیں مہرباں رہے نہ رہے

اگر یہی ہے تو طبیعت بہل ہی جائے گی
چمن سے ہم کو غرض، آشیاں رہے نہ رہے

(۱۵۵)
ہم اس سبب سے سناتے ہیں اُن کو قصۂ غم
بشیر بس میں پھر اپنی زباں رہے نہ رہے
(۲۲/۱۸)

دنیائے ذوق و شوق میں وہ نام کر گئے
جو مر رہے تھے آپ پر آخر کو مر گئے

صیّاد نے قفس سے نہ مجھ کو رہا کیا
اب کے بھی دن بہار کے یونہیں گزر گئے

دو دن کی زندگی کا وجود و قیام کیا
دُنیا کسی کا گھر نہیں آئے پسر گئے

ہی پیش و پس کا فرق تو پھر اتنا فکر کیوں
مِل جائیں گے ضرور جو آگے اگر گئے

خاکی نژاد خاک میں ملنے کو آئے ہیں
پوہنچے جو قبر میں تو یہ جانو کہ گھر گئے

دھڑکا لگا ہی موت کا آٹھوں پہر ہمیں
کیا اس کا ہی نتیجہ جو دم ٹھہر گئے

فردا کی فکر میں نہ گھلا جان و تن کو تو
آئیں گھٹائیں جھوم کے بادل اُتر گئے

یہ انقلابِ دہر کی ہیں کارسازیاں
بگڑے ہوؤں کو دیکھ لو کیسے سنور گئے

بندھن سا اک بندھا تھا رگ و پے سے جسم میں
مرنے کے بعد ہاتھ سے موتی بکھر گئے

دن زندگی کے تیر کیئے عمر کٹ گئی
آئے تھے ہم جدھر سے پھر آخر اُدھر گئے

محتاج فاتحہ کے ہیں مرنے پہ اہلِ زر
گو وہ خزانے مال و جواہر سے بھر گئے

عقبیٰ کی باز پرس کا ڈر ہی لگا ہوا
آئے تھے کس لیئے کہو کیا کام کر گئے

میدانِ کارزار میں دُنیا کے رہ چکے
کچھ دن بہار دیکھی مگر ہار کر گئے

منجدھار میں ہوائے مخالف چلی تو کیا
دریائے ذوق و شوق کو ہم پار کر گئے

کیا لطفِ ایزدی ہی کہ وہ شافعِ امم
مشکل کٹھن جو راہ تھی ہموار کر گئے

احساں نہ مانوں کس طرح اُس شوخ چشم کا
خوانِ کرم سے اپنے نمک خوار کر گئے

اب دل ہی اور آہ و بکا صبح و شام ہی
اچھے بھلے کو آکے وہ بیمار کر گئے

(۱۵۶)
وعدہ اگر کیا تھا، تو مِلنا تھا ای بشیر
وہ کیا سمجھ کے قول سے اپنے مُکر گئے
(۲۳/۱۰)

دل دینے والے اُن کے فراموش ہو گئے
ایسے شرابِ حسن سے بے ہوش ہو گئے

دُنیا و عاقبت کی نہیں کچھ خبر رہی
کیا ہم مواخذے سے سبکدوش ہو گئے

اُن گیسوؤں سے ہم کو کسی دن ہی پوچھنا
ماتم یہ کس کا ہی کہ سیہ پوش ہو گئے

ہم جانتے ہیں وادیٔ الفت کو سہل تر — کھائیں جو ٹھوکریں تو بجا ہوش ہو گئے

انساں وہی ہے جس کو ہے کچھ سوز سے بھی ساز — نغمہ ذرا سنا، ہمہ تن گوش ہو گئے

یہ بھی کوئی حیا، کوئی اُن کا حجاب ہے — دیکھا جو مجھ کو دُور سے روپوش ہو گئے

آیا شباب کیا، کہ قیامت ہی پھٹ پڑی — پیدا ہمارے دل میں بہت جوش ہو گئے

پہلے تو بادہ خواری کی حسرت ہی تھی ہمیں — ساغر چڑھا کے اور بلا نوش ہو گئے

دیکھا جو ہم نے برقِ تجلّیِ یار کو — ہوش و حواس گم ہوئے بے ہوش ہو گئے

(۱۵۷)
خوش خوش بشیر پھرتے ہیں اس کا سبب ہے کیا
شاید کسی حسیں سے ہم آغوش ہو گئے
(۲۴/۱۰)

راہ پر وہ آگئے، وعدے وفا ہونے لگے — اور تحفے بھی مجھے اکثر عطا ہونے لگے

ٹک سے ٹک تم نے ملائی، کیا کمال اس میں کیا — بات ایسی ہو کہ جس پر مرحبا ہونے لگے

دیکھتے ہی دیکھتے پلٹا مقدر کس طرح — جان دیتے تھے جو مجھ پر، وہ خفا ہونے لگے

کیوں نہ ایسی زندگی پر موت کو ترجیح دوں — جب تمہارے ہاتھ سے مجھ پر جفا ہونے لگے

آپ کا بچنا بھی رسوائی سے ممکن ہی نہیں — اب مری الفت کے چرچے جابجا ہونے لگے

تھا اسی باعث سے ہم کو سامنے جانے میں عذر — لو ہمارے اُن کے جھگڑے برملا ہونے لگے

یہ تو ہے دار العمل، اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے — کیسے ممکن ہے، بھلا کیجے بُرا ہونے لگے

مے کشی سے باز آئیں بادہ کش ممکن نہیں — کہنے سُننے سے کہیں یہ باخدا ہونے لگے

کیا عجب پہنچیں کسی دن منزلِ مقصود پر — حضرتِ دل اب ہمارے رہنما ہونے لگے

(۱۵۸)
پھل ملا تجھ کو یہ تیری صاف گوئی کا بشیر
یعنی اب نا آشنا بھی آشنا ہونے لگے
(۲۵/۱۲)

ہو لاکھ وفا، اُن کی شکایت نہیں جاتی — عادت نہیں مٹتی ہے، یہ عادت نہیں جاتی

میں کیوں کہوں تجھ سے، وہ ستمگر نہ ملے گا — محنت تو کسی کی بھی اکارت نہیں جاتی

ہے گردشِ دوراں سے، بُرا حال ہمارا — طینت سے مگر بوئے امارت نہیں جاتی
وہ آئے ہیں میت پہ، بُرا حال بنائے — روتے ہیں، مگر رُخ کی بشاشت نہیں جاتی
پامال کیا ہم کو، زمانے سے مٹایا — اب بھی تو مگر اُن کی شرارت نہیں جاتی
تقدیر بگڑ جائے تو، تدبیر سے کیا ہو — بدلی کسی بدبخت کی قسمت نہیں جاتی
دل دیتے ہیں، سر دیتے ہیں ہم عشق و وفا میں — اور اس پہ بھی ظالم کی شکایت نہیں جاتی
دم تم پہ دیا میں نے کیا اپنا بُرا حال — کی اس پہ بھی کچھ میری حمایت نہیں جاتی
وہ دیکھتے ہیں آئینۂ دل ہی میں صورت — عادت ہے نفاست کی، نفاست نہیں جاتی
تلوار اٹھا لیتا ہے، رکھ رکھ کے گلے پر — مقتل میں بھی قاتل کی نزاکت نہیں جاتی
تم دینے کو تو دیتے تو ہو دشنام ہزاروں — کچھ اس سے گھٹی میری وجاہت نہیں جاتی

(۱۵۹)
دُنیا سے بشیر آپ کریں ترکِ تعلق
دل کیسا ملوّث ہے، کثافت نہیں جاتی
(۲۶/۷)

جو بات ہے دل میں وہ جتائی نہیں جاتی — لکھی ہوئی قسمت سے بُرائی نہیں جاتی
چتون ہے چڑھی اور ہے تیوری بھی غضب کے — ہنسنے میں بھی چہرے سے کھائی نہیں جاتی
دشمن نے ہمیں کوچۂ جاناں سے نکالا — تہمت وہ دھری ہے جو اُٹھائی نہیں جاتی
دل مشورہ الفت میں طلب کرتا ہے مجھ سے — تدبیر کوئی ٹھیک بتائی نہیں جاتی
جلوہ بھی کبھی تم سے دکھایا نہیں جاتا — صورت بھی کبھی تم سے دکھائی نہیں جاتی
وہ ہم سے تنے اور ہیں ہم اُن سے کشیدہ — الفت میں یہ آپس کی لڑائی نہیں جاتی

(۱۶۰)
ہر شخص بشیر آج گرفتارِ بلا ہے
بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائی نہیں جاتی
(۲۷/۸)

شکل دل میں کھُب گئی زیبا کہی — تو بتا میں نے یہ کیا بے جا کہی
بات وہ ہے، دل لگی جس میں ہو کچھ — روکھی پھیکی بات تم نے کیا کہی

وہ بھی ہیں بے چین ملنے کے لیئے
بات قاصد نے یہ مجھ سے آ کہی

میں کروں شکوہ ستم کا حشر میں
واہ کیا کہنا یہ تم نے کیا کہی

وہ سوالِ وصل پر کہنے لگا
کہنے والے بات یہ بے جا کہی

اُس ستمگر کو ستمگر کہہ دیا
بات ہم نے اس میں کیا بے جا کہی

میرے شکوؤں اور سوالِ وصل پر
ہاں کہی اُس نے نہ اُس نے نا کہی

(۱۶۱)
جب سُنا حالِ بشیرِ خستہ جاں
اُس نے بھی پوچھا کہ دل میں "ہاں" کہی
(۲۸/۱۲)

تم آج آنے کو ہو میرے گھر، یہ خوب کہی
خبر یہ خوب ملی، ہاں خبر یہ خوب کہی

اثر یہ خوب تمہاری نگاہِ ناز میں ہے
مری فغاں میں نہیں ہے اثر، یہ خوب کہی

تمہارے وعدے کا مجھ کو یقین ہو کیوں کر
لگائی شرط اگر کی، مگر یہ خوب کہی

جو آئے ہو تو شبِ وصل صبح تک ٹھہرو
سحر کا بجتا ہے، سُن لو گجر، یہ خوب کہی

ابھی تو آئے ہو، وقفہ بھی کچھ نہیں گزرا
اذانِ صبح، نمازِ سحر، یہ خوب کہی

بشر کے واسطے، دُنیا تو خود جہنم ہے
عذابِ دوزخ و نارِ سقر، یہ خوب کہی

پلا کے زہر مجھے دے رہے ہو جامِ شراب
دوا یہ اچھی ہے، پھر زود اثر، یہ خوب کہی

تمہاری راہ ہے کچھ اور اپنی راہ کچھ اور
پھر اس پہ کہتے ہو، ہیں ہم سفر، یہ خوب کہی

وہ مجھ سے وعدہ کریں، تو یقیں نہیں آتا
قسم کے واسطے ہے میرا سر، یہ خوب کہی

خوشا نصیب ہوا بارور نہالِ اُمید
نہ گُل ہیں اور نہ اس میں ثمر، یہ خوب کہی

نتیجہ ترکِ موالات کا ہے شور و شر
پھر اس پہ کہنا یہ ہے بے ضرر، یہ خوب کہی

(۱۶۲)
بشیر میں نے غزل لاجواب لکھی ہے
لگے کسی کی نہ اس کو نظر، یہ خوب کہی
(۲۹/۱۲)

میرا نالہ کیا سُنا تو نے نہیں ہیہم کبھی
کیا نہیں کی ہیں تجھ سے شرحِ رنج و غم کبھی

شکلِ لطفِ عیش و عشرت اس نے دیکھی ہی نہیں — جانِ محزوں کے لیے ماتم کبھی ہے غم کبھی
ہے یہی جینا تو اس جینے سے مرنا خوب ہے — ہے یہی غم تو نکل جائے گا میرا دم کبھی
سامنے تقدیر کے ہے سرنگوں اُن کا بھی آج — کر نہ سکتے تھے تکبّر سے جو گردن خم کبھی
انقلابِ دہر سے کب ہیں بری شاہ و گدا — وہ بھی ہیں محتاج جو رکھتے تھے شانِ جم کبھی
یاد آتا ہے وہ پہلا اتحادی سلسلہ — روٹھتے تھے تم مناتے تھے تمہیں پھر ہم کبھی
ہجر کے صدموں کی صورت کیا بتاؤں کیا کہوں — سانس سینے میں تھا اٹکا تھا لبوں پر دم کبھی
میں کشاکشہائے عالم کا فسانہ کیا کہوں — چین کیسا زندگی سے ناک میں ہے دم کبھی
ہم نے مانا فرطِ گریہ سے نہیں آنکھوں میں اشک — ہو ہی جاتی ہے ہماری آستیں پُر نم کبھی
سیرِ گلزارِ جہاں سے کیا مرا دل شاد ہو — نالۂ بلبل کبھی ہے گریۂ شبنم کبھی
زندگی بے لطفیوں میں گزری تو حاصل ہے کیا — آپ دیں آبِ بقا کے بدلے مجھ کو سَم کبھی
ہو گیا مجھ سے جدا اب وہ مرا آرامِ جاں — دل سے مٹ سکتا نہیں ہے رنجِ بیش و کم کبھی

(۱۶۳)
ای بشیرِ غم زدہ دُنیا اسی کا نام ہے — چار دن کی زیست میں شادی کبھی ہے غم کبھی
(۳۰/۱۵)

عشق میں تازہ ستم، تازہ جفا اور سہی — خیر سے ایک بگڑنے کی ادا، اور سہی
عشق میں شیوۂ تسلیم و رضا، اور سہی — نعمتیں حد سے سوا دیں، یہ عطا اور سہی
عفو کر دے مری تقصیر کو، میرے اللہ! — اتنے بخشے ہیں گنہ، ایک خطا اور سہی
جائیے جائیے اغیار کے گھر جائیے آپ — میں نے سَو ظلم سہے، ایک جفا اور سہی
آپ دھمکاتے ہیں آزار سے کیا الفت میں — سَو ستم لاکھ جفا، اس کے سوا اور سہی
ہاتھ میں تیغ اُٹھا، مجھ پہ کوئی ہاتھ لگا — نیم بسمل کے لیے، دستِ شفا اور سہی
خونِ عاشق میں رنگو ہاتھ تو کچھ لطف آئے — تھوڑی سی تھوڑی سی شوخیِ حنا اور سہی
کبھی نکلی ہی نہیں حرفِ شکایت مُنہ سے — سرِ تسلیم ہے خم، اُس کی جفا اور سہی

دستِ وحشت کبھی چلنے سے الٰہی نہ رُکے
رخ سے گھونگٹ نہ اٹھاؤ نہ اٹھاؤ ہرگز
پہ چرخِ دشمن کی روش آپ نے کیوں سیکھی ہے
امتحاں میرا ہی منظور تو پھر بسم اللہ
زندگی کے لیئے ہم روئیں ضرورت کیا ہے
آج تک ہم نے نہ جانا، کہ یہاں آئے کیوں

چاک ہی میرا گریباں تو قبا اور سہی
ظلم کے ساتھ، تمہاری یہ جبا اور سہی
ظلم و بیداد پہ موقوف ہے کیا اور سہی
آئیے آیئے میداں میں ذرا اور سہی
اِن تکالیف پہ، خیر ایک فنا اور سہی
جب بقا کو نہ بقا ہو تو فنا اور سہی

(۱٦۴)	ہم نے سب سہہ لیئے صدمے شبِ فرقت کے بشیر یہ ستم اور یہ غم تا بکجا، اور سہی	(۳۱/۱۲)

ظلم پر ظلم کیئے ہیں تو جفا اور سہی
کوئی ظلم اور سہی، کوئی جفا اور سہی
نازو انداز ابھی تک ترے دیکھے ہیں لاکھوں
یہ رکاوٹ یہ رُکھائی یہ تنفر یہ عتاب
میں وہ بیمارِ محبت ہوں نہیں جس کی دوا
ہے عجب حال نہ مرتا ہوں نہ جیتا ہوں میں
قول بھی لاکھوں ہوئے قسمیں ہزاروں کھائیں
دلبری کی نہ کوئی شان و ادا رہ جائے
ے کے دل [illegible] نہیں دیتے ملے مجھے یہ کہتے ہیں
ایک ماضی کا زمانہ تھا ہے اک حال کا عہد
قادر و مُقتدر و واحد و حیّ و قیوّم

ناز کے بعد مری جان، ادا اور سہی
اس پہ موقوف نہیں کچھ بخدا اور سہی
اُن پہ طُرّہ تری اک شوخ ادا اور سہی
جب وہ بیزار ہی ٹھہرے تو خفا اور سہی
صرف باقی جو دعا ہے تو دعا اور سہی
اور بھی اور بھی اک تیرِ ادا اور سہی
وعدہ تیرا نہ ہوا جب بھی وفا اور سہی
تم میں شوخی ہے تو شوخی میں حیا اور سہی
مگر الفت میں روا ہے تو دغا اور سہی
وہ ہوا کھا چکے جب ہم یہ ہوا اور سہی
اپنا تو یہ ہے خدا اُن کا خدا اور سہی

(۱٦۵)	تم تو خوگر ہو مصائب کے ہمیشہ سے بشیر اور سب ہو چکیں مرنے کی بلا اور سہی	(۳۲/۹)

میں کہوں گا یہی، کہتا ہوں بجا تم نے تو کی
یہ بڑی بات ہی، پھر بات ذرا تم نے تو کی

تم نے احسان کیا مجھ پہ، یہ میں مان گیا
اپنی سی کرنی تھی، بے شک بجا تم نے تو کی

مجھ کو صحت نہ ہوئی، خیر یہ ہی بات کچھ اور
لیکن اس کی ہی مسرت کہ دوا تم نے تو کی

وہ مری قبر پہ یہ کہتے ہوئے آئے اکثر
اب نہ کہنا کبھی، پھر یہ کہ جفا تم نے تو کی

کوئی کیوں کر اسے مانے گا یہ سوچو دل میں
میں نے کی روز جفا اور وفا تم نے تو کی

ہم خطاوار ہیں بے شک نہیں کچھ اسمیں کلام
تم کہو یا نہ کہو مجھ سے خطا تم نے تو کی

سارے الزام ہیں مجھ پر، مجھے بھی عذر نہیں
کی خطا میں نے، مگر میری سزا تم نے تو کی

وقتِ آخر بھی کشاکش میں رہا دم اپنا
مرتے دم آئے قیامت یہ بپا تم نے تو کی

(۱۶۶)
عشق و الفت میں حکومت کہیں چلتی ہی بشیر
بات یہ سارے زمانے سے جدا تم نے تو کی
(۳۳/۷)

کہاں نکلی کہاں پوری ہوئی حسرت مرے دل کی
گئے تم چھوڑ کر تنہا خبر لی کچھ نہ بسمل کی

چھری سے بھی زیادہ تیز ہی، تلوار قاتل کی
نظر آتی نہیں اب خیر مجھ کو اہلِ محفل کی

کوئی ایسا ٹھکانا دوسرا مل ہی نہیں سکتا
کہاں جائے مرے دل سے نکل کر آرزو دل کی

اگر میں سانس لیتا ہوں، تو دل میں درد ہوتا ہی
کسی کی چاہ نے اب زندگی بھی میری مشکل کی

ہمارے دل سے ناوک آپ کا نکلے تو کیا نکلے
غنیمت ہی اگر مل جائے صحبت مردِ کامل کی

ہمیشہ ظلم پر بھی شکر کرنا چاہیئے تجھ کو
دلِ بے تاب تو نے کیوں شکایت اسمیں شامل کی

(۱۶۷)
تماشہ جانتا ہی شیوۂ عشق و محبت کو
بشیر بے نوا مٹ جائے گی ہستی ترے دل کی
(۳۴/۸)

محیطِ بحرِ عالم میں کوئی پرسش کہاں میری
کنارے آ لگی اب کشتیِ عمرِ رواں میری

کسی کا زور کیا تجھ پر ہی، دل میرا الم میرا
کسی کا کیا اجارہ ہی، زباں میری فغاں میری

قیامت سی قیامت ہی جہاں میں جا نہیں سکتا
لڑی تقدیر بھی تنے دنوں ہیں تو کہاں میری

کرو انصاف سے جو کام پیش آئے محبت میں
یہ میں نے کب کہا تم سے، ملاؤ ہاں میں ہاں میری

زمانہ جانتا ہے، عاشقِ صادق تمہارا ہوں
کھُلی ہے بات یہ سب پر نہیں الفت نہاں میری

ابھی آزار دیتے ہو، ابھی تو ظلم کرتے ہو
ستائے گی تمہیں الفت کسی دن مہرباں میری

شکایت آپ کی تو آپ ہی کے روبرو کی ہے
نہیں رُکتی نہیں تھمتی، کبھی چلتی زباں میری

(۱۶۸)

بشیر اُن کو نہیں پروا، تو کچھ پروا نہیں مجھ کو
زمانہ قدرداں میرا، خدائی قدرداں میری

(۳۵/۹)

وہ اپنے مطلب کی کہہ رہے ہیں، زبان پر گو ہے بات میری
ہے جیت بھی اُن کی ہے پٹ بھی اُن کی، ہے جیت اُن کی ہے مات میری

کبھی وہ ملتا ہے دشمنوں سے، کبھی وہ ملتا ہے مجھ سے آکر
جو دن ہے میرا تو رات اُن کی، جو دن ہے اُن کا تو رات میری

کبھی ہے تولہ کبھی ہے ماشہ، کبھی ہیں ناخوش کبھی ہیں وہ خوش
قرار اُن کو نہیں ہے دم بھر، ہے تاک اُن کی تو گھات میری

یہ بات کیا ہے یہ ماجرا کیا، یہ راز کیا ہے یا واقعہ کیا
کہ ہاں میں ہاں سب ملا رہے ہیں، وہ کر رہے ہیں صفات میری

ارادہ ہے میں لکھوں فسانہ، کسی کی کچھ دل شکستگی کا
قلم شکستہ پڑا کدھر ہے، کہاں ہے کوئی دوات میری

ادھر بنی ہے دلِ حزیں پر، اُدھر تو سرگرمِ ناز ہیں وہ
کوئی یہ آکر تماشا دیکھے، ادا ہے اُن کی ممات میری

یہ ہو رہا ہے تماشہ کیسا، اِدھر تو غم ہے اُدھر ہے شادی
کبھی اُٹھے گا جنازہ میرا، کبھی سجی تھی برات میری

ابھی تو دیکھا ہی ہیں نے کیا ہی، ابھی اُٹھائے ہیں رنج و غم کیا
سہوں گا صدمے طرح طرح کے، رہے جو باقی حیات میری

بشیر جھگڑے زمانے بھر کے، مٹیں تو ہاتھ آئے لطف و راحت
بقا سے جا کر ملوں وہیں میں، فنا جو ہو جائے ذات میری

(۱۶۹) (۳۶/۹)

نہ نکلا مدعا میرا، نہ نکلی آرزو میری
عجب کیا ہی، نکل جائے جو دل سے آرزو میری

چلا ہوں حشر میں، اُن کے ستم کا شکوہ کرنے کو
کسی دن مہرباں ہو کر وہ سُن لیں گفتگو میری

جو میں روؤں گا، رازِ عشق افشا ہو ہی جائے گا
خدا کے ہاتھ ہی، اب شرم میری آبرو میری

ہوا ہی حسن کے عالم میں، شہرہ چارسُو تیرا
ہوئی ہی عشق کی دُنیا میں شہرت کو بکو میری

ابھی در پردہ کینہ ہی، رقابت ہی، عداوت ہی
مزا کیا دشمنوں سے ہو گئی جب [illegible] بدو میری

گناہوں پر نظر کرتا ہوں تو میں کانپ جاتا ہوں
بڑھا دیتی ہی ہمت آیۂ لاتقنطوا میری

نہیں وقعت نہ ہو، مطلق نہیں ہی اسکا غم مجھ کو
سمجھتے ہیں سمجھنے والے طرزِ گفتگو میری

محبت میں ہوئی بے کار سعی و جستجو میری
بہیں گے اشک تو کیوں کر بڑھے گی آبرو میری

(۱۷۰)
بشیر خوش بیاں کو چاہتے ہیں سب زمانے میں
ہوئی فضلِ خدا سے کتنی شہرت چارسُو میری
(۳۷/۸)

دعا یہ ہی کہ رہے دل میں آرزو تیری
ہمارے لب پہ ہو ہر وقت گفتگو تیری

بھری ہوئی ہی مرے دل میں آرزو تیری
تلاش تیری ہی، ہر سمت جستجو تیری

ہر ایک ذرّے میں دیکھا ظہورِ قدرت کا
تلاش میں نے بہت کی ہی کو بکو تیری

خدا کا ذکر تو باطن میں چاہیے صوفی
نہیں ہی کام کی ظاہر میں گفتگو تیری

مری نگاہ نے ڈھونڈا جہاں میں ہر پھر کر
مگر ملی نہ کوئی شکل ہو بہو تیری

یہ میری تاب نہیں یہ مری مجال نہیں
کروں شکائتیں میں اور دو بدو تیری

خدائی بھر میں ہے میرا بھی ہر طرف شہرہ
زمانے بھر میں جو شہرت ہے چار سُو تیری

(۱۷۱)
بشیر تو نے جہاں میں بہت گناہ کیے
خدا کے ہاتھ ہے محشر میں آبرو تیری
(۳۸/۱۲)

کیوں کہ مرتا میں شبِ فرقت میں موت آئی نہ تھی
جُز مصائب اور الم راحت کبھی پائی نہ تھی

میری رسوائی نہ تھی، تیری بھی رسوائی نہ تھی
لطف کیا تھا جب طبیعت دونوں کی آئی نہ تھی

کچھ دنوں سے اب زمانہ حُسن پر مرنے لگا
میں ہی پہلے تھا، خدائی تیری شیدائی نہ تھی

ہجر کی شب سیکڑوں آلام تھے آزار تھے
بات اگر سچ پوچھیے مجھ سے تو تنہائی نہ تھی

مر گیا ٹکرا کے سر کہسار سے تو کیا ہوا
میری قسمت میں ترے در کی جبیں سائی نہ تھی

سامنے اُس کے نہ نکلی بات رعبِ حسن سے
تھی زباں کہنے کو لیکن تابِ گویائی نہ تھی

میری آنکھوں میں بسا ہے جلوۂ بزمِ ازل
تھی وہ ہستی کون سی جو تیری شیدائی نہ تھی

اب ہے کیوں انکار ملنے سے زباں دینے کے بعد
سچ تو کہیے آپ نے یہ بات فرمائی نہ تھی

بھول جاؤ اپنے وعدے کو تو یہ ہے اور بات
وصل کے اقرار پر تم نے قسم کھائی نہ تھی

دل نہ تھا قابو میں تو یہ کام ہم نے کیوں کیا
اُس کو کیوں دیکھا اگر تابِ شکیبائی نہ تھی

اب انہیں آئے نہ آئے میرے خط پر اعتبار
واقعہ تھا دل کا سچا خامہ فرسائی نہ تھی

(۱۷۲)
کیوں نہ کرتے حشر میں دُنیا کا شکوہ اے بشیر
صدمہ و آزار سے مہلت کبھی پائی نہ تھی
(۳۹/۱۱)

شمعِ حیات بجھنے میں اب دیر کیا رہی
بتّی چراغِ عمر کی ہے جھلملا رہی

عمرِ عزیز عشقِ بتاں میں ہوئی ہے صرف
تھوڑی سی اب تو رہ گئی باقی ہے کیا رہی

اے دل سوالِ وصل عبث ہے فضول ہے
اُس نے نہ مانی بات تو پھر بات کیا رہی

دے کر زبانِ وصل ستمگر مکر گیا
جو بات تھی قریب وہ اب دور جا رہی

طوفان بپا ہے جوشِ محبت کی حد نہیں
ندّی کو دیکھیے کہ ہے بھرپور جا رہی

وعدہ زبان پر ہی مگر قصد ہی اور کچھ
کہہ ڈالیئے جو بات ہو دل میں ہماری

ٹھیرا نہ امتحان میں مرے آگے بوالہوس
سچ ہی کہ بات پھر بھی اُسی کی ہوا رہی

کیوں بے حجاب آئے ہو محفل میں غیر کی
آنکھوں سے ہی عیاں کہ کسی کی حیا رہی

مہر و کرم کے بدلے جفا آپ کرتے ہیں
فرمائیے کہ باقی بھلا کیا وفا رہی

اب میرا اُن کا فیصلہ محشر پہ جا رہا
اب میری اُن کی بات قیامت پہ جا رہی

(۱۷۳)
دُنیا میں تو بشیر گزرتی ہی چین سے
ہی فکرِ عاقبت مجھے نشتر لگا رہی
($\frac{۴۰}{۱۶}$)

مری آہ کیا بے اثر جائے گی
کبھی تیرے دل میں اُتر جائے گی

مرے دل کے آئینے میں شکلِ یار
اُترتے اُترتے اُتر جائے گی

بڑھاتے ہو زلفوں کو تم بے طرح
کہو یہ بلا کس کے سر جائے گی

لڑکپن میں ہی اُن کی صورت غضب
جوانی پہ کیا کچھ نکھر جائے گی

پلاتے ہو ساغر پہ ساغر ہمیں
یہ نیّت کہیں آج بھر جائے گی

جدائی کی شب گو کہ ہی سخت تر
کسی طرح یہ بھی گزر جائے گی

نکالا تو ہی گھر سے وحشت نے آج
مگر ہم کو لے کر کدھر جائے گی

دیا دل تو اب غم کا غم کیوں کریں
گزرنی جو ہو گی گزر جائے گی

چھپائے سے چھپتا نہیں رازِ عشق
یہ شہرت کدھر سے کدھر جائے گی

تری تیغ اُٹھے گی جب ناز سے
مرے سر پہ الزام دھر جائے گی

نہیں تھمتے آنسو کسی طرح سے
کہاں تک ہے چشمِ تر جائے گی

کریں گے وہ ماتم بڑی دھوم سے
مری موت کی جب خبر جائے گی

نہ آئیں گے بھولے سے وہ راہ پر
مری بگڑی کیوں کر سنور جائے گی

فقط آپ ہی آپ رہ جائیں گے
اداؤں پہ دُنیا تو مر جائے گی

وہ کرتے رہیں گے ستم پر ستم		یہ عادت نہیں عمر بھر جائے گی
(۱۷۴)	بشیر حزیں ضبط سے کام لو تمہاری طبیعت ٹھہر جائے گی	(۱۴/۱۴)

قیامت میں بھی کیا چاروں طرف تیری نظر ہوگی
یہاں ہوگی وہاں ہوگی اِدھر ہوگی اُدھر ہوگی
فغاں بھی پُر اثر ہوگی، دعا بھی پُر اثر ہوگی
جو یہ ہوگا، مرے دل کی ترے دل کی خبر ہوگی
مرا خط اُن کو پہنچا کر، زبانی حال بھی کہنا
بڑی ہی مہربانی مجھ پہ تیری نامہ بر ہوگی
نکل جائے گا میرے دل سے، جو ارمان ہے دل میں
اگر اُس کی ذرا سی بھی، توجہ کی نظر ہوگی
نہ مرتے ہیں نہ جیتے ہیں، تڑپتے ہیں سسکتے ہیں
یہی ہے زندگی تو کس طرح اپنی بسر ہوگی
لیئے جاتے ہیں تجھ کو چھین کر، وہ اے دلِ مضطر
کسی دن مِل ہی جائیں گے حیات اپنی اگر ہوگی
لیئے جاتا ہے شوقِ دیدِ جاناں، بزمِ دشمن میں
مہم یہ سخت تر ہے، کس طرح عاشق سے سر ہوگی
ہماری لاش ہی پر آئے گا، تو کوئی آئے گا
کہ دُنیا میں جو ہوگی بات، اپنے وقت پر ہوگی
مقدّر کا لکھا ٹالے سے کب ٹلتا ہے اے ناداں
بھلا یہ بات ایسی ہے، کہ مقدّرِ بشر ہوگی

گزر جانا شبِ فرقت کا آسانی سے مشکل ہے
اِدھر دم اپنا ٹوٹے گا، اُدھر ظاہر سحر ہوگی

کہے گی ساری دُنیا تجھ کو ظالم، بے وفا، قاتل
ہمارے قتل ہونے کی یہ تہمت تیرے سر ہوگی

ہمیشہ سب کے آگے، وہ بُرا کہتے ہی جائیں گے
ابھی کیا ہے، یونہیں تحقیر میری عمر بھر ہوگی

وہ آئیں گے جو اے قاصد تو آنے کا نتیجہ کیا
نہ ہوگی بات کچھ بھی بس، اگر ہوگی مگر ہوگی

بشیرِ زار اُلجھا ہے، ابھی دُنیا کے جھگڑوں میں
نہیں معلوم عقبیٰ کی طرف کب تک نظر ہوگی

(۴۲/۱۲)

(۱۷۵)

پہلے تو ہم کو چاہ کسی شوخ کی ہوئی / اب دل ہی دل میں کہتے ہیں ہم یہ بُری ہوئی
آئی ہزار بار چمن میں بہارِ گُل / لیکن نہ میرے دل کی شگفتہ کلی ہوئی
بادِ صبا جو لائی تھی گیسوئے یار سے / اب تک دماغ میں ہے وہ خوشبو بسی ہوئی
دانتوں کی کیا چمک و دمک اور آب و تاب تھی / ہونٹوں پہ مسّی کی تھی دھڑی اک جمی ہوئی
دیکھی جو اُس کے حُسنِ خداداد کی جھلک / ہم سمجھے چاندنی ہے زمیں پر کھلی ہوئی
اک وہ بھی دن تھا جب کہ گھر آباد تھا مرا / پھر وہ خوشی نصیب نہ مجھ کو کبھی ہوئی
ہوش و حواس چل دیئے دل ہاتھ سے گیا / ہاتھوں میں دیکھی اُس کے جو مہندی لگی ہوئی
آتے ہی کہہ رہے ہیں وہ جانے کے واسطے / یہ میل جول کیا ہوا اک دل لگی ہوئی
بُرقعہ جو اُٹھ گیا رُخِ گلگونِ یار سے / پھولوں کو بھی چمن میں بڑی بے کلی ہوئی
میرے لیئے فسانہ تھا یا ایک خواب تھا / صورت نہاں جو ہوگئی اک تلملی ہوئی

یا رب نہ بگڑے کام کسی کا بنا ہوا
یا رب نہ بگڑے بات کسی کی بنی ہوئی

(۱۷۶)
الفت جتا کے موردِ الزام بن گئے
پچھتائیے بشیر یہ ہے اپنی کی ہوئی
(۴۲/۱۰)

آ گیا موسمِ خزاں، فصلِ بہار ہو چکی
اب وہ نسیم چل چکی گل پہ نثار ہو چکی

پھول میں تازگی کہاں سبزہ بھی زرد پڑ گیا
اپنی مہک سے ہر کلی مشکِ تتار ہو چکی

ہر طرف اڑ رہی ہے خاک سرو کھڑا ہے پا بگِل
سارے درخت مضمحل، زیبِ چنار ہو چکی

کوئی اٹھائے لطف کیا، کوئی کرے نظارہ کیوں
باغ جو تھا اجڑ گیا، صورتِ زار ہو چکی

مرغِ چمن خموش ہیں، سب کو لگی ہے آج چپ
زمزمے یاد ہی نہیں، صوتِ ہزار ہو چکی

ڈالیاں ساری جھک گئیں، پتّے بھی سارے جھڑ گئے
صحنِ چمن میں رونقِ نقش و نگار ہو چکی

رنگِ چمن ہی مٹ گیا، باغ کو داغ لگ گیا
بلبلِ خستہ حال اب ہم سے دوچار ہو چکی

عمر تو ساری کھو چکا تو نے ذرا خبر نہ لی
بحرِ فنا سے ناؤ اب زیست کی پار ہو چکی

دل میں ہے کچھ زباں پہ کچھ ہوش نہیں خرد نہیں
یہ تو تری کمائی ہے تو یہ شمار ہو چکی

(۱۷۷)
نام و نمود کی ہوس اب بھی بشیر ہے تمہیں
سارے جہاں میں شہرتِ عزّ و وقار ہو چکی
(۴۴/۱۴)

چشمِ ظاہر سے رہا نورِ خدا مستور بھی
پھر بھی ہم کہتے ہیں وہ نزدیک بھی ہے دور بھی

کچھ خصوصیت ہی لازم ہے بہرِ انوارِ جمال
چاہیئے اس کے لیئے موسیٰ بھی کوہِ طور بھی

میں کروں زاہد سے ذکرِ ساقیِ بزمِ ازل
شرط یہ ہے وہ مئے وحدت سے مخمور بھی

کام وہ کیجے جو ہو دونوں جہاں میں سود مند
سعی بھی مشکور ہو عقبیٰ میں ہو ماجور بھی

کیا کرے تدبیر کوئی جب نہ دے تقدیر ساتھ
ہے یہیں تو ہر بشر معذور بھی مجبور بھی

نشترِ غم نے مجھے مایوسِ راحت کر دیا
زخم کاری پہلے تھا اب بڑھ گیا ناسور بھی

جوڑنا چاہوں تو ان ریزوں کا جڑنا ہے محال
شیشۂ دل ٹکڑے ہو کر ہو گیا ہے چور بھی

آپ چلیئے تو سہی عذرِ نزاکت ہے فضول
آپ کے گھر سے نہیں میرا مکاں کچھ دور بھی

آپ سے کہہ کر ندامت میں اٹھاؤں کس لیئے
بات تو جب ہے کہ میری بات ہو منظور بھی

لطفِ سیرِ باغ جب ہے ساتھ ہو وہ مستِ ناز
بے خطر چلتا رہے دورِ مئے انگور بھی

واسطہ جس سے ہے مجھ کو بس ہے اُس سے واسطہ
میں نہ دیکھوں سامنے آئے جو میرے حور بھی

آسماں پر ڈھال کر اُن کو ستمگر ہم کہیں
لطف جب ہے کچھ کھُلی ہو بات کچھ مستور بھی

کیا لکھیں وہ نامۂ پُرشوق کا قاصد جواب
جب نہ اپنی لوحِ قسمت میں ہو یہ مسطور بھی

(۱۷۸)
دہلی والے خوب تجھ کو جانتے ہیں ای بشیر
تیری شہرت ہے یہاں تو ہے یہاں مشہور بھی
(۴۵/۱۰)

مزا جب ہے وہ میرے آگے آئے روبرو نکلے
زباں سے شکر نکلے اور دل سے آرزو نکلے

خدا وہ دن دکھائے جلد میری آرزو نکلے
نہ نکلے چاند شب کو چاند کے بدلے میں تو نکلے

یہ مانا چاندنی چھٹکی ہوئی ہے ہر طرف شب کو
مگر ہے روشنی کا لطف جب وہ شمع رو نکلے

کہاں تک حسرتِ دیدار میں تڑپوں کوئی حد ہے
وہ میرے روبرو آئے وہ میرے دوبدو نکلے

ابھی تک تو بشر کہتا تھا میں اُن کو سمجھتا تھا
جو دیکھا حور نکلے حور کے وہ ہو بہو نکلے

یہی دل کی تمنا ہے یہی ارمان ہے مجھ کو
الٰہی وقتِ رحلت میرے منہ سے تو ہی تو نکلے

پتہ پایا کسی نے بھی نہ اب تک حسنِ مطلق کا
ہزاروں عاشقِ جانباز بہرِ جستجو نکلے

کیا اظہارِ الفت میں نے کیوں ایسا نہ کرنا تھا
برائے قتل لے کر تیغ گھر سے جنگجو نکلے

یہ حسرت ہے ہماری حسرتِ دیدار پوری ہو
بڑا ہو لطف محشر میں اگر وہ روبرو نکلے

(۱۷۹)
بشیرِ پُرگنہ پر نزع کی سختی نہ ہو یارب
کہ نکلے یوں بدن سے روح جیسے گل سے بو نکلے
(۴۶/۹)

وہ حشر میں آج اپنا جگر تھام کے نکلے
یوں کام ہمارے دلِ ناکام کے نکلے

جب نامۂ اعمال کھُلے حشر میں ہر سو
اوراد و وظائف بھی بڑے کام کے نکلے

در پردہ بتوں کی بہت اِن کو ہے محبت
یہ حضرتِ زاہد تو فقط نام کے نکلے

خط اُن کے مِلے جان مری جان میں آئی
کچھ اُن میں نئے طرز کے پیغام کے نکلے

کی ہم نے بڑی کوشش و تدبیر مگر کیا
پھر بھی تو نہ پہلو کبھی آرام کے نکلے

میں کیوں نہ کروں اُس بُتِ خود کام کا شکوہ
ارمان نہ میرے دلِ ناکام کے نکلے

میں اُن سے شبِ وعدہ نہ کیوں کر رہوں بدظن
آئیں نہ سحر تک بھی اگر شام کے نکلے

توبہ کا مری تم کو اگر شک ہے تو دیکھو
لو ٹوٹے ہوئے ٹکڑے بھی کچھ جام کے نکلے

دل دے کے بشیر آپ نے جب فکرِ سخن کی
اشعار بھی نکلے تو بڑے کام کے نکلے

(۱۸۰)　　(۴۷/۱۴)

مزا جب ہے غمِ الفت میں جانِ پُر الم نکلے
کسی کی بات کیوں جائے کسی کا کیولبھرم نکلے

تنِ خاکی سے جس دم اپنی جانِ پُر الم نکلے
زباں سے نام تیرا ہی الٰہی دم بدم نکلے

یہی اک خاص صورت ہے مصیبت سے رہائی کی
جو دل نکلے تو دل کے ساتھ جانِ پُر الم نکلے

کوئی ٹھہرے اگر تو کیوں کے ٹھہرے جوشِ وحشت میں
مرا رُکنا ہے مشکل گھر سے باہر جب قدم نکلے

فنا کے بعد یاروں تنے دیا کب ساتھ مرقد میں
مرے اعمال ہی میرے رفیقانِ عدم نکلے

رقیبوں کو یہاں رہنا مبارک ہو مبارک ہو
ترے کوچے سے ہم نکلے تری محفل سے ہم نکلے

طریقِ عشق و الفت کو بہت آسان سمجھا تھا
مگر اس راہ میں دیکھا تو لاکھوں پیچ و خم نکلے

ہزاروں خوب رو آفاق میں ہیں سیکڑوں دلبر
تمہیں اک بانیِ قہر و جفا ظلم و ستم نکلے

محبت میں ہوا بدنامیوں کے کیا ہوا حاصل
ترے کوچے سے عزت آبرو سب کھو کے ہم نکلے

اِدھر پہلو میں چبھتے ہیں اُدھر پہلو میں چبھتے ہیں
ہزاروں تیر نکلے دل سے تیرے پھر بھی کم نکلے

تیرے تیروں کا پہلو سے نکلنا کوئی آساں تھا
اگر نکلے تو میرے دل کو بھی لے کر بہم نکلے

زباں کو تھام بدگوئی نہ کیجو دیکھ بھولے سے
نہ آلودہ زباں ہو اور نہ ہرگز طعن و ذم نکلے

بشیرِ خوش بیاں کے مدتوں میں اب کھُلے جوہر
سخن دانوں میں بے شک وہ بھی اک نادر رقم نکلے

(۱۸۱) جو سُن لے میرے دل کا حال وہ دو دو پہر تڑپے
جگر کو تھام لے پھر تھام کر اپنا جگر تڑپے (۴۹)

یہ صورت تھی ہماری قتل گہ میں قتل ہونے پر
یہاں تڑپے وہاں تڑپے اِدھر تڑپے اُدھر تڑپے

ذہن جاتا ہے دل عالم کا آزار و مصیبت پر
وہ میرا حالِ غم سُن کر تعجب کیا اگر تڑپے

عجب کیا اُس کی الفت میں عجب کیا اُس کی فرقت میں
کبھی میرا ہو دل مضطر کبھی میرا جگر تڑپے

ہمیں تڑپے جو دُنیا میں تو کیا حاصل تڑپنے کا
تڑپنے کا مزا جب ہے حجر تڑپے شجر تڑپے

قفس میں بند کر کے ہو گیا صیاد کیوں غافل
رہائی کے لیئے کیا کیا ہمارے بال و پر تڑپے

یہی اُن کا تغافل ہے تو بس اللہ مالک ہے
جوابِ نامہ ملنے کا نہیں گو نامہ بر تڑپے

نتیجہ کچھ نہیں اِس کا نتیجہ کچھ نہیں اُس کا
فراقِ یار میں سر پھوڑ رے کوئی عمر بھر تڑپے

(۱۸۲) بشیر اب صبر کر اس شور و شیون سے نتیجہ کیا
بیانِ دردِ تیرا سُن کے سب جن و بشر تڑپے (۴۹/۱۳)

بدلی یہ ہوا میری دعاؤں کے اثر نے
جو بات نہ کرنی تھی لگے آپ وہ کرنے

پہلے تو لگاوٹ رہی اور اب ہے رُکاوٹ
یہ جان لیا تم نے کہ یہ بھی لگے مرنے

ہمدرد نہیں راہِ محبت میں کوئی بھی
اب ساتھ مرا چھوڑ دیا دل نے جگر نے

انسان ہے مہمان فقط ایک ہی شب کا
تعلیم مجھے خوب دی یہ شمعِ سحر نے

آئے تو مگر کیسے وہ گھبرائے ہوئے تھے
بچھڑا ہی دیا دیکھیئے کم بخت گجر نے

آغازِ محبت میں چھڑکتے ہیں نمک آپ
یہ زخم ہے تازہ ابھی پایا نہیں بھرنے

کیا فصلِ بہار آ گئی اے بلبلِ شیدا
جو داغ تھے دل میں وہ لگے پھر سے اُبھرنے

آتا ہی نہیں دھیان کبھی بزمِ عزا کا
جب کوئی مرا آپ لگے بننے سنورنے

بُرقعِ رُخِ پُر نور سے یہ کس نے اُٹھایا
مُنہ ڈھانک لیا شرم سے بدلی میں قمر نے

قاتل کی گلی سے کوئی زندہ نہیں پھرتا
جاتے ہیں اگر ہم تو وہیں جاتے ہیں مرنے

پایا ہے مجھے عاجز و درماندہ و ناچار
بے وجہ لگے آپ جو یوں مفت بپھرنے

بس شام و سحر صبر و رضا ہی سے غرض ہے | آتے ہیں یہی کام ہمیں عشق میں کرنے

(۱۸۳)

برہم ہیں بشیر اور وہ پہلے سے زیادہ
کچھ بھی نہ کیا کام دعاؤں کے اثر نے

(۵۰/۹)

کیوں عشقِ چشمِ مست کو دیوانہ چھوڑ دے | وہ مے پرست کب ہے جو میخانہ چھوڑ دے
غربت میں سب کو رہتی ہے ناحق وطن کی یاد | بستی جو چھوڑ دی ہے تو افسانہ چھوڑ دے
توبہ کے بعد تذکرۂ ناؤ نوش کیا | جام و سبو کو توڑ دے پیمانہ چھوڑ دے
ہم جان لیں گے تارکِ دنیا وہ ہو گیا | مسجد میں جا کے جو بسے بت خانہ چھوڑ دے
جوشِ جنوں کا ہے یہ تقاضا نہ گھر کو جا | کہتی ہے مجھ سے عقل کہ ویرانہ چھوڑ دے
ساقی اٹھایا میں نے تو اب مے کشی سے ہاتھ | وہ بھی ادائے لغزشِ مستانہ چھوڑ دے
اس در سے اٹھ کے کس لیے میں دربدر پھروں | سب مجھ سے کہتے ہیں درِ بت خانہ چھوڑ دے
ہوں مست میں ازل سے ہی جامِ الست کا | زاہد نے کیوں کہا، درِ میخانہ چھوڑ دے

(۱۸۴)

دنیا کی لذتوں کی ہوس ہے مجھے بشیر
کہتی ہے مجھ سے موت یہ کاشانہ چھوڑ دے

(۵۱/۱۵)

سرِ زمیں مرا نقشِ مزار رہنے دے | مٹے ہوئے کی یہی یادگار رہنے دے
وہ کچھ خیالِ دلِ داغ دار رہنے دے | اس اجڑے باغ کی اتنی بہار رہنے دے
کہیں تڑپ کے نکل جائے یہ تو مشکل ہو | جہاں ہے میرا دلِ بے قرار رہنے دے
جو خاک اڑتی ہے اس کا پتہ نہیں ملتا | جہاں پڑا ہے بیمار اغیار رہنے دے
وفا کروں گا، بنا ہوں گا، تجھ کو چاہوں گا | یہ باتیں جھوٹی ہیں اے بدشعار رہنے دے
شمار اپنی جفاؤں کا چاہیئے تجھ کو | مری وفاؤں کا دل میں شمار رہنے دے
نتیجہ کچھ نہیں، مجھ کو یقیں نہ آئے گا | یہ جھوٹ موٹ کی باتیں ہزار رہنے دے
فلک تو کیا کرے گا اور خانہ آبادی | یہی بہت ہے جو اجڑا دیار رہنے دے

نکال لے گیا، پہلو سے کوئی غیرتِ گُل
بہت کہا کہ دلِ داغ دار رہنے دے

یہ ظاہری ہے لگاوٹ، یہ ظاہری ہے بہار
فضول باتیں بس ای گُل عذار رہنے دے

یہ کیا ضرور ہے دل کو بھی ہو نہ رنج و الم
کسی کو تو وہ مِرا سوگوار رہنے دے

فلک ہے تفرقہ پرداز ہیں سمجھتا ہوں
مجال کیا جو اُنہیں ہم کنار رہنے دے

مِٹا جو لطفِ خلش دل سے تو مزا نہ رہا
نکال تیر مگر نوکِ خار رہنے دے

ابھی بہت سے مجھے کام ہیں زمانے میں
کچھ اُور ای مرے پروردگار رہنے دے

(۱۸۵)

بشیرِ خستہ و دل گیر پر ترحّم کیا
نہ چھیڑ جیسا ہے زار و نزار رہنے دے

(۵۲/۹)

ستم کرے جفا کرے جو دل میں آئے تو کرے
نکال ارمان دل کا جنگ بھی ای جنگجو کرلے

ہماری چارہ سازی کیلئے آیا ہے کیا دشمن
یہ اپنے زخمِ دل کو تو، ذرا پہلے رفو کرلے

بہت مجبور ہوں ناچار ہوں، کچھ بن نہیں آتی
وہ کہتے ہیں کہ ترکِ عشق قطعِ آرزو کرلے

مِلے گا آخر آخر ڈھونڈنے والے کو وہ دل میں
ذرا دیر و حرم میں پہلے اُس کی جستجو کرلے

اگر یہ تیری خواہش ہو کہ میں ممتازِ عالم ہوں
تو پہلے نیک کرداری کی پیدا دل میں خو کرلے

دمِ گلگشت ان کو بھی یہ حسرت یہ تمنّا ہے
شگفتہ ہو گئے غنچے کہ تو زیبِ گلو کرلے

نمازِ عاشقاں کو سر کے ٹکرانے سے کیا نسبت
مناسب ہے کہ خونِ دل سے ای غافل وضو کرلے

نہ ہو گر نورِ باطن ہو تجلّی کس طرح ظاہر
نہیں کچھ فائدہ مُنہ سے اگر تو ہاؤ ہو کرلے

(۱۸۶)

بشیر بنوا کچھ گُل کھلا کاغذ کے صفحوں پر
مذاقِ شعر گوئی ہو تو پیدا رنگ و بو کرلے

(۵۳/۱۲)

یہ فرض کیا میں نے کہ آئے مرے آگے
لیکن نہ قسم جھوٹی وہ کھائے مرے آگے

پردہ ہی رہا طالبِ دیدار سے اُن کو
بھولے سے کسی دن نہ وہ آئے مرے آگے

دُنیا ہے مکافات کا گھر اس کا عجب کیا
جو کچھ ہو کیا میں نے وہ آئے مرے آگے

یہ مجھ کو جلانا نہیں تو اور ہے پھر کیا
وہ وصف رقیبوں کے سنائے مرے آگے

نظارہ ہوا ایسا کہ نہ دیکھا نہ سنا ہو
پردہ کوئی رُخ سے جو اُٹھائے مرے آگے

دیکھو تو ذرا آپ یہ تہذیب عدو کی
بیٹھا ہے وہ پہلو کو دبائے مرے آگے

وہ بات نہیں پیٹھ کے پیچھے جو کہی جائے
ہو میری شکایت تو بتائے مرے آگے

اس جلوہ گہِ ناز میں امداد کہاں دی
بیٹھے رہے سب اپنے پرائے مرے آگے

غیبت وہ کرے عشق و وفا کی تو غضب ہے
جو آگ لگانی ہو لگائے مرے آگے

دعویٰ ہے جسے عشق کا آدابِ وفا کا
ہیں بھی تو بھلا دیکھوں وہ آئے مرے آگے

کر دے گی مجھے آتشِ غم خاک جلا کر
اے کاش خدا اس کو بجھائے مرے آگے

لکھ لائے غزل اور سرِ مجلس وہ سنائے
دعویٰ ہو سخن کا جسے آئے مرے آگے

(۱۸۷)

یہ داد ملی آج بشیر اُن سے غزل کی
تعریف کے انبار لگائے مرے آگے

(۵۴/۱۴)

دنیائے بے ثبات میں دس آئے دس چلے
دو روز بھی نہ چین سے ٹھیرے کہ بس چلے

پیری بھی دیکھی اور جوانی بھی دیکھ لی
لو زندگی تمام ہوئی ہم تو بس چلے

جب آئے تھے جہان میں ہم کو خبر نہ تھی
باغِ بہشت چھوڑ کے سوئے قفس چلے

برقِ بلا ہی کو تو ابھی رو رہا تھا میں
لو مجھ پر اور غم کے بھی بادل برس چلے

دُنیا میں چین ہم کو میسّر نہیں ہوا
اک اک خوشی کے واسطے کیا کیا ترس چلے

بزمِ عدو میں کیا ہے غم و رنج کے سوا
ہیں تو نہ پھٹکوں پاس اگر میرا بس چلے

دُنیا میں پھنس گئے نہیں عقبیٰ کی فکر کچھ
جو دیکھتا ہے کہتا ہے وہ بوالہوس چلے

اب بارِ معصیت سے تو اُٹھتے نہیں قدم
گو چلتے ہیں مگر وہی جیسے کے ٹس چلے

دنیا میں پُرساں کوئی ہمارا نہیں ہوا
محشر میں خاک جانبِ فریادرس چلے

اللہ ہے جو قافلے والوں سے مل سکیں
ہم گرتے پڑتے سُنتے ہی بانگِ جرس چلے

کیا اعتبار زندگیِ بے ثبات کا
مشکل سے یہ چلے تو برس دو برس چلے

ہو لب پہ نامِ پاکِ خدائے قدیر کا
جب تک اسی طریق سے تارِ نفس چلے

(۱۸۸)
کیا اعتبارِ زیست کا دنیا میں ای بشیر
یہ کس کو ہے خبر نہ چلے یا نفس چلے
(۵۵/۱۲)

دربان نئے نئے تو نگہباں نئے نئے
ہوتے ہیں بزمِ یار میں ساماں نئے نئے

دشمن پر اُن کی چشمِ عنایت کو دیکھ کر
میرے بھی دل میں آتے ہیں ارماں نئے نئے

بوسیدہ دامنوں کا تو کیا ذکر ای جنوں
کر ڈالے میں نے چاک گریباں نئے نئے

اس درجہ بڑھ گئی کسی کافر کی بدظنی
ہر روز بدلے جاتے ہیں درباں نئے نئے

دن تو گزر رہی جاتا ہے ہر طرح سے مرا
ہاں گُل کھلاتی ہے شبِ ہجراں نئے نئے

اب کون پوچھتا ہے مجھے تیری بزم میں
پیدا ہوئے ہیں دوست مری جاں نئے نئے

تیرے مکان میں تری محفل میں رات دن
آتے ہی جاتے رہتے ہیں مہماں نئے نئے

آمادہ ہیں جفا پہ اُنہیں ظلم کا ہے شوق
لیتے ہیں مول خنجرِ بُرّاں نئے نئے

چٹکی میں تیر ہاتھ میں خنجر نظر میں قہر
نکلے ہیں میرے درد کے درماں نئے نئے

وہ عندلیبِ باغِ سخن اب کہیں نہیں
مجھ جیسے مبتدی ہیں غزل خواں نئے نئے

احساں جتانے سے یہی مطلب ہے آپ کا
کہہ دوں کہ مجھ پہ ہوتے ہیں احساں نئے نئے

اندازِ دل شکن، ترے غمزے جگر خراش
پیدا ہوئے ہیں جان کے خواہاں نئے نئے

(۱۸۹)
کچھ لطفِ زندگی نہیں باقی رہا بشیر
چبھتے ہیں اب کلیجے میں پیکاں نئے نئے
(۵۶/۱۰)

ممکن نہیں کہ حال ہمارا بدل سکے
یعنی کسی کے وصل کا ارماں نکل سکے

دل سے خیالِ کاکلِ جاناں نکل سکے
کیوں کر بلا یہ آئی ہوئی سر سے ٹل سکے

اغیار چوٹ کھائیں محبت کی کیا مجال
مشکل یہ ہے کہ وار ترا اُن پہ چل سکے

پیری میں اب شباب کی باتیں کہاں رہیں
جو شاخ سوکھ جائے وہ کیا پھول پھل سکے

کیا سنگ دل پہ ہوا اثر آہِ شعلہ بار
پتھر ہوائے گرم سے کیوں کر پگھل سکے

دریائے ذوق و شوق کا ساحل کہیں نہیں
جو ڈوب جائے اس میں وہ کیوں کر اچھل سکے

میں لاکھ چاہوں رُخ نہ کروں آپ کی طرف
لیکن روش جو دل کی ہے وہ کیا بدل سکے

وہ کہہ رہے ہیں ضبطِ محبت سے کام لو
میں کیا کروں جو دل نہ سنبھالے سنبھل سکے

ماتم وہ کیا کرے دلِ بے اختیار کا
جو اپنے حال پر کفِ حسرت نہ مل سکے

دل دے کے تم نے مول لیا دردِ سر بشیر
یہ روگ وہ نہیں ہے جو پلے سے پل سکے

(۱۹۰) (۵/۱۸)

دل ہی میں آرزوئے دلِ زار رہ نہ جائے
اے بے کسی تڑپ مری بیکار رہ نہ جائے

تلوار اگر سنبھالی ہے تو وار بھی کرو
محرومِ قتل کوئی بھی اس بار رہ نہ جائے

کیوں اس کے پاس آئیں عیادت کو بار بار
مشتاقِ مرگ آپ کا بیمار رہ نہ جائے

قائل تو میں ہوں جب ترے درمانِ عشق کا
اے چارہ ساز کچھ خلشِ خار رہ نہ جائے

وہ پوچھتے ہیں حالِ دلِ بے قرار کا
ہاں بات اب کوئی پئے اظہار رہ نہ جائے

آماج گاہِ عشق دلِ زار کو بنا
ترکش میں تیر کوئی ستمگار رہ نہ جائے

اک اک کے وار کیجیے اک اک کے وار ہوں
خنجر اکشاری ہاں کھینچ ہاں تلوار رہ نہ جائے

یہ کہہ رہا ہے مجھ سے کوئی ہو کے مہرباں
اب دل میں آرزوئے دلِ زار رہ نہ جائے

کہتی ہے میکدے میں یہ ساقی کی چشمِ مست
بے ہوش سب ہوں اب کوئی ہشیار رہ نہ جائے

کہنے پہ آگیا تو رُکے کس لیے زباں
ہاں ہاں کوئی بات اے دلِ غمخوار رہ نہ جائے

جو دل میں ہے وہ کیوں نہ ہم اُن سے بیاں کریں
اندیشہ ہے کہ طاقتِ گفتار رہ نہ جائے

لازم ہے تیرے دل کو کچھ عقبیٰ کا دھیان بھی
دُنیا کے نشے میں کہیں سرشار رہ نہ جائے

خوانِ کرم پہ تیرے ہزاروں ہیں نعمتیں
مایوس دل شکستہ نمک خوار رہ نہ جائے

محشر میں جوش رحمتِ باری کو آگیا
اب بخشنے کو کوئی گنہگار رہ نہ جائے

تم ہو شفیعِ حشر، شفاعت سے ایک بھی
امّت میں اے سرخیلِ ابرار رہ نہ جائے

یثرب بلائیے، کبھی یثرب کے شوق میں
یہ بندہ آپ کا کہیں سرکار رہ نہ جائے

سرکار ہیں حضور کی حاضر ہیں سب غلام
اِس ہیچ کارہ کا کہیں دربار رہ نہ جائے

(۱۹۱)
رکھو بشیر دھیان غزل کی ردیف کا
بے کار ہو نہ جائے، یہ بیکار رہ نہ جائے
(۵۸/۹)

بزمِ دشمن میں وہ پھر پھیر کر اِدھر دیکھا کیے
آج چشمِ غور سے زخمِ جگر دیکھا کیے

آہ کا ہوتا ہے اُن پر کیا اثر دیکھا کیے
دردِ دل بڑھتا گیا ہم بے خبر دیکھا کیے

اُن کے وعدے کو سمجھتے تھے کہ بالکل ہے غلط
رستہ ملنے کا مگر ہم عمر بھر دیکھا کیے

خواب کا احسان سمجھیں یا تصور کا کرم
شکل اُس کی رات کو ہم تا سحر دیکھا کیے

تھی خموشی بزم میں دونوں کو خاموشی کے ساتھ
ہم اُدھر دیکھا کیے اور وہ اِدھر دیکھا کیے

قافلہ چلتا ہوا، میں پا شکستہ رہ گیا
میری بدبختی کو میرے ہم سفر دیکھا کیے

میری شوریدہ سری سے بدگماں تھے پاسباں
قفلِ زنداں کے عوض دیوار و در دیکھا کیے

اور کیا اِس کے سوا دُنیا میں اپنا کام تھا
انقلابِ گردشِ شام و سحر دیکھا کیے

(۱۹۲)
کس غضب کا ہے اثر تحریر میں تیری بشیر
خامہ کی جُنبش کو سب اہلِ نظر دیکھا کیے
(۵۹/۱۵)

بیٹھا ہے چپ بدگماں، کچھ تو کیا چاہیے
کرتا ہے کچھ ہوں نہ ہاں، کچھ تو کیا چاہیے

عمر چلی جاتی ہے، بیٹھا ہے بے کار کیوں
وقت نہ کر رائگاں، کچھ تو کیا چاہیے

آنکھ ذرا کھول کر، دیکھ ترے آس پاس
قدرتِ حق ہے عیاں، کچھ تو کیا چاہیے

کون ہمیشہ رہا، کون ہمیشہ جیا
تو ہے یہاں میہماں، کچھ تو کیا چاہیے

چل رہے ہیں دست و پا، اس کو غنیمت سمجھ
ہے ابھی تاب و تواں، کچھ تو کیا چاہیے

اُٹھ تو ذرا خواب سے، ساتھی جو تھے چل دیئے
جا بھی چکا کارواں، کچھ تو کیا چاہیئے

ڈھیل ہی کیوں دیر کیوں اتنی ہی تاخیر کیوں
پھر تجھے فرصت کہاں، کچھ تو کیا چاہیئے

چُپ ہی تجھے کیوں لگی، فکر ہی کس بات کی
چلتی ہی جب تک زباں، کچھ تو کیا چاہیئے

دُنیا میں غافل نہ بن، خلق ہیں کاہل نہ بن
آیا تھا تو کیوں یہاں، کچھ تو کیا چاہیئے

عذرِ عبث نفس کا، جھوٹے بہانے ہیں سب
کچھ نہیں یہ این و آں، کچھ تو کیا چاہیئے

سعی کیئے جا مدام، کام سے رکھ اپنے کام
نفع ہو یا ہو زیاں، کچھ تو کیا چاہیئے

چَین بھی ہے سُکھ بھی ہے درد بھی ہے دُکھ بھی ہے
کیا ہے یہ آہ و فغاں، کچھ تو کیا چاہیئے

حد سے زیادہ گراں، بوجھ گناہوں کا ہے
پُشت تری خم ہوئی، کچھ تو کیا چاہیئے

پیری و صد عیب ہے اس میں ذرا شک نہیں
دل تو ہے لیکن جواں، کچھ تو کیا چاہیئے

(۱۹۳)

شعر کہا کر بشیر، شغل بہت خوب ہے
طبع تری ہے رواں، کچھ تو کیا چاہیئے

(۶۰/۱۵)

ہماری بزم میں وہ کیا خیال کر بیٹھے
ملے بشوق مگر دیکھ بھال کر بیٹھے

خدا ہی جانے کہ وہ کیا خیال کر بیٹھے
خموش میں جو ہوا تو ملال کر بیٹھے

خدا نخواستہ کیا روئے تم بھی الفت میں
کہو تو کس لیئے آنکھوں کو لال کر بیٹھے

مرے مکان سے گئے وہ مرے رقیب کے گھر
نرالی گھات انوکھی یہ چال کر بیٹھے

جو اُن کی بزم میں جائے تو چاہیئے اُس کو
دل و جگر کو بہت کچھ سنبھال کر بیٹھے

دل اپنا صاف کرو اور دیکھو میری طرف
گزشتہ باتوں کا تم کیا خیال کر بیٹھے

ہزار شکر کہ وہ آج میری محفل میں
جو بیٹھے دل سے کدورت نکال کر بیٹھے

تمہارا طرز، تمہاری ادا ہے سب سے جدا
جبھی تو اُلٹی چھری سے حلال کر بیٹھے

خموش ہم رہے محفل میں ایک مدت تک
اشارہ پاتے ہی کچھ عرضِ حال کر بیٹھے

گزارش ایک نہ مانی سُنی نہ بات کوئی
مری اُمیدوں کو تم پائمال کر بیٹھے

جنوں کے جوش میں دامانِ صبر چاک ہوا
ترے فراق میں ہم غیر حال کر بیٹھے

عدو نے جو مری نسبت کہا، کہا لیکن
یقین آگیا یا احتمال کر بیٹھے

تمہارے وعدۂ فردا کا اعتبار نہیں
دنوں سے ماہ مہینوں سے سال کر بیٹھے

معاف کر چکے جب شکوہائے دیرینہ
پرانے قصّوں کو پھر کیوں نکال کر بیٹھے

ہوئی کچھ اور سے کچھ اور عشق میں صورت
بشیرؔ دیکھو تو کیا اپنا حال کر بیٹھے

مناجاتیں

مذہبی الف بے

(ا) الف اللہ کا پورا سہارا ہے ہر دل کا
یہی کب نسخۂ اکسیر ہے ایمانِ کامل کا

(ب) بِنا جس کام کی ڈالو تو بسم اللہ سے ڈالو
رکاوٹ بھی کوئی پیدا ہو لیکن صَبر نے ڈالو

(پ) پسندیدہ بہت کچھ خلق کو ہے خُلق انسان کا
نہیں تم میں جو یہ اوصاف تو درجہ ہے حیوان کا

(ت) تکبّر ہے بُرا یہ بات دل کی اور جی کی ہے
نہ اس کے پاس کوئی پھٹکے صورت بہتری کی ہے

(ٹ) ٹلیں ساری بلائیں قوم سے افلاس و نکبت کی
یہ ٹیڑھی چال سے بچ کر چلے راہیں صداقت کی

(ث) ثوابِ آخرت کا چاہیئے ساماں تمہیں کرنا
جو مشکل پیش آئے فرض ہے آساں تمہیں کرنا

(ج) جو ہے جنّت کی خواہش تم کو تو اعمال اچھے ہوں
طریقے ہر مہینے ہر گھڑی ہر سال اچھے ہوں

(چ) چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی
کرو وہ کام جس سے خود بخود ہو دور پریشانی

(ح) حسابِ اعمال کا بعدِ فنا ہوگا قیامت میں
کوئی بھی ساتھ دے سکتا نہیں اس دن مصیبت میں

(خ) خدا کا فضل ہے محشر میں سب کا پاسباں ہوگا
کسی کا راز اچھا یا بُرا ہو وہ نہاں ہوگا

(د) دل اپنا صاف رکھنا چاہیئے گردِ کدورت سے
نہیں کچھ فائدہ آپس کی رنجش سے عداوت سے

(ڈ) ڈرو اللہ سے اللہ سے اللہ سے دل میں
وہی کام آنے والا ایک ہے ایک ایک مشکل میں

(ذ) ذہانت کام آئے کچھ وہاں یہ غیر ممکن ہی
تملق پیش جائے کچھ وہاں یہ غیر ممکن ہی

(ر) روا کب ہی یہ بندے کو کرے وہ کوئی سرتابی
بجا کب ہی یہ بندے کو کرے وہ کوئی سرتابی

(ز) زر و مال و جواہر کام آسکتے نہیں ہرگز
نہ مرقد تمہارے ساتھ جا سکتے نہیں ہرگز

(س) سدا کرتے رہو تم ذکر خلاقِ دو عالم کا
یہی اچھا وظیفہ ہی بشیر کے حق میں ہر دم کا

(ش) شفیق و مہرباں بندوں پہ وہ سب سے زیادہ ہی
ہمیشہ سے زیادہ ہی وہ کیا اب سے زیادہ ہی

(ص) صفت اُس کی ثنا اُسکی کوئی کر ہی نہیں سکتا
اگر بھرنا بھی چاہے رنگ تو بھر ہی نہیں سکتا

(ض) ضعیف و ناتواں کو کس قدر امداد دیتا ہی
وہ اُٹھتے بیٹھتے شام و سحر امداد دیتا ہی

(ط) طریقت بھی شریعت بھی ہیں دونوں فرض انساں کو
یہی درکار ہی دُنیا و دیں میں اہلِ ایماں کو

(ظ) ظہورِ ذاتِ پاک و اقدس و اعلیٰ محمدؐ کا
شرف کُل انبیا کا فخر ہی اپنے اب و جد کا

(ع) علوِ مرتبت ذاتِ محمدؐ کا خدا جانے
جو بندہ ہو وہ کیا سمجھے بشر جو ہو وہ کیا جانے

(غ) غلامی میں اگر لے لیں تو بیڑا پار ہو میرا
دلدر دور ہو میرا مقدر یار ہو میرا

(ف) فرشتے قبر میں جب آئیں میں کچھ بھی نہ مضطر ہوں
نہ گریاں ہوں نہ حیراں ہوں نہ خائف ہوں نہ مضطر ہوں

(ق) قدیر و قائم و قیوم ہی میرا وظیفہ ہو
اسی کی روشنی سے دشتِ ایمن قبرِ تیرہ ہو

(ک) کہوں کیا حالِ دل اپنا عیاں ہی بندہ پرور پر
نہیں پوشیدہ کوئی رازِ دل ذاتِ منور پر

(گ) گناہوں میں گھرا ہوں میں مطیعِ نفسِ خود سر ہوں
بھٹکتا پھر رہا ہوں در بدر بے تاب و مضطر ہوں

(ل) لگا ہی روگ وہ دل کو مداوا کچھ نہیں جس کا
نہیں کوئی معاون فی الحقیقت کون ہی کس کا

(م) مرے دل کی جو حسرت ہی کہیں وہ جلد بر آئے
کہ کعبہ مکے کا روضہ مدینے کا نظر آئے

(ن) نہ ہو دل تنگ وہ چاہے تو مالا مال ابھی کر دے
گلِ مقصد سے میرے دامنِ اُمید کو بھر دے

(و) وہی تنہا مسبب ہی سبب ہی سارے عالم کا
وہی ہر وقت کا مالک وہی مختار ہر دم کا

(ھ) ہزاروں نعمتیں خوانِ کرم سے اُس نے بخشی ہیں
ذرا سوچو کہ اُن میں سے بہت کچھ خود تمہیں دی ہیں

(ی) یہی ہی التجا ہر دم خدائے پاک و برتر سے
بشیر پُر گنہ پر ابرِ رحمت روز و شب برسے

کہتا ہے دل ہر شخص کا میرا خدا میرا خدا
کیوں غیر کا میں نام لوں کیوں اور سے رکھیں کام کوں
اکسیر ہے اکسیر ہے اکسیر پُر تاثیر ہے
ہر علم اُس کا ہے اٹل ہر کام اس کا برمحل
محمود ہے معبود ہے ذات اُس کی نامحدود ہے
انسان ہو یا حیوان ہو ذی روح ہو بے جان ہو
واحد بھی ہے یکتا بھی ہے بے مثل و بے ہمتا بھی ہے
غائب بھی ہے حاضر بھی ہے منظور بھی ناظر بھی ہے
خلوت نشیں جلوت نشیں موجود ہے وہ ہر کہیں
فطرت کا سارا میل ہے قدرت کا سارا کھیل ہے
غیروں سے لے تو کیوں مدد جب خود ہی ہے مستند
آہستہ ہو یا شور سے خاموش ہو یا زور سے
جب مبتلائے نزع ہوں جب کوچ دنیا سے کروں
وردِ زباں پیہم رہے دم میں جہاں تک دم رہے
دُنیا میں جو مغموم ہیں عالم میں جو مظلوم ہیں
محشر میں پوچھے جائیں گے اعمال جب اچھے برے
وہ درد کا درماں بھی ہے حسرت بھی ہے ارماں بھی ہے
بندوں سے کیوں امداد لوں یہ سمجھ کر شاد ہوں
امت رسول اللہ کی محشر میں جس دم آئے گی
اُسکا کوئی ہمسر نہیں اس سے کوئی برتر نہیں
برہم خدائی ہوگئی سب سے جدائی ہوگئی

مناجات

ہے وِرد یہ صبح و مسا میرا خدا میرا خدا
جب ہے معاون برملا میرا خدا میرا خدا
ہر اک مرض کی ہے دوا میرا خدا میرا خدا
ہے مالکِ روزِ جزا میرا خدا میرا خدا
فہم بشر میں آئے کیا میرا خدا میرا خدا
سب کا وظیفہ ہے سدا میرا خدا میرا خدا
بے شُبہ بے چون و چرا میرا خدا میرا خدا
سب سے ملا سب سے جدا میرا خدا میرا خدا
ہے پردہ دار و خود نما میرا خدا میرا خدا
چرچہ یہی ہے ہر طرف میرا خدا میرا خدا
سنتا ہے اک اک کی دعا میرا خدا میرا خدا
سُنتا ہے سب کی دعا میرا خدا میرا خدا
جاری ہو لب پر یہ صدا میرا خدا میرا خدا
میرا یہی ہے مدعا میرا احد میرا خدا
کہتے ہیں با درد و بکا میرا خدا میرا خدا
مجھ پر کرم فرمائے گا میرا خدا میرا خدا
یہ کہہ کے ہو جاؤں فدا میرا خدا میرا خدا
عقدہ کشا مشکل کشا میرا خدا میرا خدا
رحم و کرم فرمائے گا میرا خدا میرا خدا
ساری خدائی سے سوا میرا خدا میرا خدا
میری طرف باقی رہا میرا خدا میرا خدا

میں عمر بھر کہتا رہا میرا خدا میرا خدا
میرا خدا میرا خدا میرا خدا میرا خدا

یہ ہاہی بشیر خستہ تن دل میں لگی جس کے لگن
کہتا ہی وہ صبح و مسا میرا خدا میرا خدا

(مناجات)

وہ تعلیم اسلام کی دینے والا
محمد رسولِ خدائے تعالیٰ

رسول ایسا بھیجا نہیں جس کا ثانی
جہاں تنگ ہو تو شکر اُس کا بجالا

ثنا و صفت اُس کی ہو جو تو کیا ہو
یتیمی میں جس کو حفاظت سے پالا

فقیرانہ اپنی بسر کی جہاں میں
تصدق تھا کملی پہ اُس کی دوشالا

ہمیشہ ضلالت کی تاریک شب میں
دکھاتا رہا نورِ حق کا اُجالا

خدا کی عبادت کا رستہ بتاکر
ہمیں کفر کے پیچ و خم سے نکالا

خدا کا کلام اُس نے پوہنچایا ہم تک
نہ دم بھر کو ٹھیرا نہ دم بھر کو ٹالا

سہارے دیئے بڑھ کے بے دست و پا کو
زمانے کے گرتے ہوؤں کو سنبھالا

جو قعر مذلت میں اوندھے پڑے تھے
انہیں دے کے اپنا سہارا اُچھالا

جدھر دیکھیئے بات اُس کی ہی اونچی
اُسی کا خدائی میں ہی بول بالا

تیرے رحمت اللہ نے عقل کل سے
کہا میرے محبوب کو تو بلا لا

براق ایک بھیجا سواری کی خاطر
چمکتا ہوا جیسے لولوئے لالا

عجب شان سے وہ چلا رب سے ملنے
ہر انداز ہر ڈھنگ اُس کا نرالا

دیا اوجِ معراج وہ حق نے اُس کو
کہ جس سے ہوا مرتبہ بھی دوبالا

فرشتے پوہنچ وائیں بائیں تھے اُسکے
رہے گرد مہتاب جس طرح ہالا

مخاطب ہوا اُس سے ربِ علیٰ جب
تو امت کی بخشش کا بخشا قبالا

بہ رغبت سُنے سارے احکام رب کے
بصد شوق بارِ امانت سنبھالا

کرے گا قیامت کے دن وہ شفاعت
نہ اس میں ہی مخصوص گورا نہ کالا

وہی ہے نجاتِ دو عالم کا مرکز
وہی ایک ہے سب کی بخشش کا آلا

خزانہ شفاعت کا اُس کی کھلا ہے
نہ اُس میں ہے کُنجی نہ اُس میں ہے تالا

قیامت میں ہر بات اپنی اُسی سے
کہیں گے گنہگار سب لا محالا

وہ بدر الدجیٰ ہے وہ شمس الضحیٰ ہے
وہ ہے چاند گردِ اُس کے اُمت ہے ہالا

عبادت خدائے یگانہ کی کر تو
سوا اس کے کیا روگ تو نے ہے پالا

کھڑی موت سر پر ڈراتی ہے مجھ کو
یہاں کوئی حیلت نہیں ٹالا بالا

مقرر ہے اک وقت آمد کا اُس کی
نہیں چھوڑتی ہے وہ بوڑھا کہ بالا

نہیں موت کا خوف خادم ہوں اُس کا
کہ طوقِ غلامی گلے میں ہے ڈالا

تمنائے دل ہے کہ حضرت کے در پہ
مجھے بھیج دے ای مرے حق تعالا

مرے دل کی جو آرزو ہے بر آئے
مرادوں کا تو ہی ہے بر لانے والا

بشیر حزیں بے طرح غم زدہ ہے
کہ گھل کر ہوا ہڈّیوں کی وہ مالا

ہوا گو ہو یہ حکم دلّی سے جا کر
ابھی جلد تو اُس حزیں کو اُٹھا لا

وہیں کی ہو مٹّی وہیں کا ہو مدفن
رہا ہند سو وہ تو ہے دیکھا بھالا

نہ کیوں اپنی قسمت پہ ہو ناز مجھ کو
تصوّر نے منظر دِکھایا نِرالا

طبق نور کے کچھ فرشتے لیئے ہیں
اُنہیں دیکھ کر میں پکارا کہ "لالا"

وہاں دیکھ کر یہ تصوّر کا عالم
فرشتوں سے بے ساختہ بولا جیالا

وہ جنت کے غرفوں میں حوریں کھڑی ہیں
مجھے ای مقدّر جھلک اک دکھالا

وہیں میرے والد مری والدہ ہیں
گھڑی بھر کو اُن سے مجھے تو مِلا لا

وہیں میری بیوی ہیں سیّد محمد مانی
وہ ہیں شاد لب پر نہ شیون نہ نالا

وہ ہے گود میں ایک چھوٹا سا بچّا
بڑے پیار سے جس کو ہم نے تھا پالا

اگر پاس سے دیکھنا ہو نہ ممکن
تو خیر اُن کو تو دُور ہی سے دکھا لا

بظاہر تو ہوں زندہ دُنیا میں لیکن
جدائی کے صدموں نے ہی مار ڈالا

فقیرانہ کٹتے ہیں دن زندگی کے
کہ بستر کے بدلے ہی اک مرگ چھالا

اگر سب یہ مِل جائیں جنّت میں تو پھر
نہ باقی رہے کوئی زخم اور چھالا

بشیرؔ آرزوئیں تری سب ہوں پوری
جو اک ابرِ رحمت کا پڑ جائے چھالا

دعا کو اُٹھا ہاتھ بس صدق دل سے
کر اب عجز پر ختم اپنا مقالا

(نعت)

ہمارا محمدؐ ہمارا محمدؐ
وہ ساری خدائی کا پیارا محمدؐ

نہیں اُس کی تعریف حدِّ بشر میں
خدا کو نہایت ہی پیارا محمدؐ

وسیلہ ہی بخشش کا دونوں جہاں میں
یہاں کا وہاں کا سہارا محمدؐ

خدا سے مِلا عرش پر جلد جا کر
تجھے کب تھی فرقت گوارا محمدؐ

بُلایا نبی کو فلک پر خدا نے
ہوا عرش پر محفل آرا محمدؐ

فرشتے یہ کہتے تھے پہلے فلک پر
خدا سے مِلا جا کے پیارا محمدؐ

تمہیں نے دکھائی تھی قدرت خدا کی
کیا چاند تم نے دو پارا محمدؐ

محمدؐ خدائی کی راحت کا باعث
خدائی کی آنکھوں کا تارا محمدؐ

ابھی پار کشتی ہو بحرِ گُنہ سے
جو فرمائیں کچھ بھی اشارا محمدؐ

قیامت میں سب امّتی یہ کہیں گے
مجھے بخشوا دے خدارا محمدؐ

فقط ہی تمہیں پر ہمارا بھروسہ
نہیں اور کوئی سہارا محمدؐ

پھنسا ہوں بہت بے کسی میں پھنسا ہوں
نہیں ہی نکلنے کا یارا محمدؐ

نہیں کوئی امّت کا تیری کھویّا
بجز تیرے کیا ہووے چارا محمدؐ

چلی ہے طرح مجھ پہ تیغِ جدائی
جگر ہو گیا پارا پارا محمدؐ

دنیا میں ہو گئیں مشکلیں ساری آساں
جہاں صدقِ دل سے پُکارا محمدؐ

زمانہ بہت ہو گیا ہی مخالف
کریں کس طرح ہم گزارا محمدؐ

یہ توحید تم نے سکھائی ہی ہم کو
تمہیں نے ہی ہم کو سنوارا محمدؐ

پڑے قعرِ ذلت میں ہم بے طرح تھے
تمہیں نے ہی ہم کو ابھارا محمدؐ

قیامت میں دیکھیں گے ہم اُن کا جلوہ
نظر آئیں گے آشکارا محمدؐ

پکاریں گے یوں اُن کو محشر میں جا کر
کہاں ہی کہاں ہی ہمارا محمدؐ

ہوا پار بیڑا ہمارا یقیناً
اگر ہو گیا تو ہمارا محمدؐ

تمہارا کرم ہی تمہارا سہارا
ہمارا ہی کیا کچھ اجارا محمدؐ

بشیرِ حزیں کی کرو دستگیری
وہ کہلاتا ہی بس تمہارا محمدؐ

سلام

مرحبا صلِّ علیٰ ہو تو سلام ایسا ہو
لوگ تعریف کریں وصفِ امام ایسا ہو

میں ہوں مداحِ حسنؑ میں ہوں ثنا خوانِ حسینؑ
جس سے جنت ہو خجل میرا مقام ایسا ہو

آرزو ہی کہ کوثر سے بجھے پیاس مری
اس طرح کی جو صراحی ہو تو جام ایسا ہو

درِ اقدس پہ جیوں میں درِ اقدس پہ مروں
یہ صلہ مجھ کو ملے فضل بھی تام ایسا ہو

دلِ کافر میں رہے سینۂ دشمن میں رہے
ذوالفقار ایسی ہو اور اُس کا نیام ایسا ہو

دل میں گھل مل کے رہے الفتِ شاہِ شہدا
ایسی معجونِ مرکب ہو قوام ایسا ہو

باغِ جنت کی ہوا سے ہوں معطر ہم بھی
گر دماغ ایسا ہو پھر کیوں نہ مشام ایسا ہو

حُر نے جان اپنی رفاقت میں نچھاور کر دی
ہو کسی کا تہِ دل سے تو غلام ایسا ہو

رتبہ اس مجمعِ جرار کا اللہ اللہ
جس میں ایسے ہوں جری اور امام ایسا ہو

شور برپا تھا ہی رن میں دمِ جنگِ مصاف
صف ہوں آراستہ لشکر کی نظام ایسا ہو

نہیں محتاج خزانے کا کبھی رہ سکتا / دل غنی ایک طرف فوزِ مرام ایسا ہو

مالکِ دیں جو ہو یا مالکِ خلد و کوثر / آب و دانہ اُسے دُنیا کا حرام ایسا ہو

کیوں نہ سَو جان سے دل اُن پہ تصدق ہو جائے / حسن کا رتبہ ہو سوا فضل و کرام ایسا ہو

شغل ہر دم یہ ہے مداحیِ ابنائے رسول / کیا ہی گزرے مری اچھی جو مدام ایسا ہو

حلّے جنت کے ملیں اور رضائے مولا / مل گیا سب مجھے گر اُس کا پیام ایسا ہو

نام میرا ہو عزاداروں کے زُمرے میں ضرور / ہاں کوئی مجھ سے بھی دُنیا میں تو کام ایسا ہو

لطف یہ ہے کہ بھلائیں نہ مجھے میرے بعد / لوگ جب ذکر کریں خیر سے نام ایسا ہو

سر سے پا تک ہے مرصّع نہیں اس میں ہے کلام / حسن کا آغاز ہوا ایسا تو ختام ایسا ہو

کیا عجب ہے کہ بشیر اپنی سخن گوئی پر
گلشنِ خلد ملے اور مقام ایسا ہو

سلام

کوئی رسول نہیں ختم مرسلیں کی طرح / فلک پہ کون ملا رہبر ہمنشیں کی طرح

یہ قرب کس کو میسّر ہوا زمانے میں / کہ باریاب ہوا پیشِ حق قریں کی طرح

فلک کو روضۂ عالی سے کچھ نہیں نسبت / جھکا وہ ایسا کہ نیچا ہوا زمیں کی طرح

حسینؑ ابنِ علیؑ کے فضائل و حسنات / ہمارے واسطے شیریں ہیں انگبیں کی طرح

حسنؑ وہ ہیں جنھیں تشبیہ خاص حسن سے ہے / حسینؑ وہ جنھیں لکھتے ہیں ہم حسیں کی طرح

وہ مہر جس سے نبوت کی شان ظاہر تھی / یہ دونوں اُس میں درخشاں ہیں نگیں کی طرح

انہیں کی ذاتِ مبارک ہے قابلِ تقلید / کہ ہر طریق سے ڈھالی ہمارے دیں کی طرح

وہ سینہ صاف کدورت سے مثلِ آئینہ / صفائے قلب کی تھی چشمۂ معیں کی طرح

وہ روئے پاک جو انوار کا خزینہ تھا / چمکتا کیوں نہ جہاں میں مہِ مبیں کی طرح

وہ آنکھیں جن میں بھری نور کی بصارت تھی / جھکی ہی رہتی تھیں بس چشمِ حورِ عیں کی طرح

کشادہ صدر نہ ہو کیوں کہ اُس میں تھا قرآں / مکانِ پاک وہ تھا اور یہ مکیں کی طرح

بلند مرتبہ کیا کیا بلند پیشانی
ہمیشہ داد و دہش کا کھلا تھا دروازہ
مجال کس کی جو دعوائے ہمسری کرتا
نہیں مجال کہ اوصافِ اہلِ بیت لکھوں
چلے ہی آئے مدینے سے کربلا میں حسینؑ
سوار جب ہوئے اسپِ سبک خرام پہ وہ
شقی ہے کون، کلیجہ ہی کہیں کا ایسا سخت
وہ گرم دشت و جبل کی ہوا، خدا کی پناہ
وہ تین دن کے پیاسے اور "العطش" کی پکار
وہ پھول باغِ رسالت کے اس طرح کملائیں
مہک جو سونگھ کے سنبل بھی زلفِ اکبر کی
بڑھے تھے بہرِ وغا یہ عدو کے لشکر میں
اُدھر سے شور مچاتا ہوا بڑھا اک لَیث
زرہ تھی جسم پہ سر پر تھا خود ہاتھ میں تیغ
اِدھر سے ایک ہی حملے میں کام ختم ہوا
نہایا خون میں فی النار ہو گیا وہ شقی
نہ دیکھا فوجِ عدو کو بھی قہر سے ہرگز
گناہگار ہوں امیدِ عفو رکھتا ہوں
سیاہ کاری اعمال سے خجالت ہے
مرے عیوب تو مجھ کو نظر نہیں آتے
ہلیں نہ لب کبھی افشائے نقص کی خاطر

نظر نہ آئی جبیں کوئی اس جبیں کی طرح
علاوہ کلمے کے کب "لا" کہا نہیں کی طرح
کہ دونوں وضع میں بالکل تھے شاہِ دیں کی طرح
ہیں مرتبے میں بلند آیۂ مبیں کی طرح
تھا اُن کو شوقِ شہادت بھی تو یقیں کی طرح
تو چال ڈھال تھی گھوڑے کی نازنیں کی طرح
یزید تا بہ قیامت رہے لعیں کی طرح
چمک بھی دھوپ میں تھی چشمِ خشمگیں کی طرح
دہن میں خشک زباں بھی ہوئی زمیں کی طرح
کھلے ہوئے تھے جو گلہائے یاسمیں کی طرح
تو خود مہکنے لگے زلفِ عنبریں کی طرح
سمٹ کے آ گئے دشمن بھی سب لعیں کی طرح
جو پیل تن تھا جواں، کوہِ آتشیں کی طرح
بپھر کے آیا لعیں، مارِ آستیں کی طرح
گرا وہ اسپ سے سر بھی کٹا جبیں کی طرح
مِلا وہ خاک میں سفّاکِ مار وطیں کی طرح
نگاہِ مہر نہ بدلی وہ خشمگیں کی طرح
رحیم کوئی نہیں جان آفریں کی طرح
جُھکا ہے سر مرا قدموں پہ شرمگیں کی طرح
ہے غیر پر یہ چھُری تیز عیب چیں کی طرح
بُری ہے بات جو کہہ جائیں خردہ بیں کی طرح

زباں جب کھلے تو مدحِ شاہِ دیں میں کھلے ۔۔۔ بھرے یہ دامنِ مقصد کو خوشہ چیں کی طرح
مصائبِ شہدا سے کلیجہ کیوں نہ ہو شق ۔۔۔ نہ تڑپوں کس لیئے اپنے دلِ حزیں کی طرح
ہمیشہ گردشِ ایام کا رہا دورہ ۔۔۔ قرار مجھ کو نہیں چرخِ چنبریں کی طرح
غمِ حسینؑ میں روؤں تو رو دل یوں مُتقی ۔۔۔ مگر وہ رونا بھی دل سے ہو بس یقیں کی طرح
نہیں ہے بحث کہ شیعہ ہو یا کوئی سُنّی ۔۔۔ غمِ حسینؑ میں شرکت ہو مومنیں کی طرح

یہ حُسنِ فکر یہ حسنِ سخن یہ حُسنِ بیاں
لکھے سلام تو کوئی بشیرِ دیں کی طرح

سلام

ای مجرئی سلام جو میں نے رقم کیا ۔۔۔ دُرہائے منتشر کو مسلسل بہم کیا
آلِ عبا پہ ماہِ محرم میں کیا بنی ۔۔۔ سب جانتے ہیں کیا کہوں میں کیا ستم کیا
شورش بپا ہوئی جو مدینے میں چند بار ۔۔۔ فتنے کے رفع دفع کو قصدِ حرم کیا
آئے یہاں تو چین نہ پایا یہاں بھی کچھ ۔۔۔ کوفے کا عزم آپ نے پھر لاجرم کیا
پیش آئیں کربلا میں ہزاروں صعوبتیں ۔۔۔ جُز صبر و شکر کے نہیں لا و نعم کیا
میدانِ کارزار میں سوکھی زبان کو ۔۔۔ قطرے سے آب کے نہ کبھی تازہ دم کیا
بچے تڑپ رہے تھے صدا العطش کی تھی ۔۔۔ اُن کی بھی تشنگی کا ذرا سا نہ غم کیا
جو گُل تھے خاص باغِ رسالت مآب کے ۔۔۔ تاراج کر دیا اُنہیں ہاں ظلمِ اتم کیا
رہتا تھا سر جو زانوئے پاکِ رسول پر ۔۔۔ واحسرتا کہ نیزے پہ اُس کو عَلَم کیا
تن پاش پاش ہو گیا ٹکڑے ہوا جگر ۔۔۔ اعضا بکھر گئے ہاں نہ اُنہیں بھی بہم کیا
تڑپا دیئے ہیں پیاس سے اطفالِ صغر سن ۔۔۔ اصغر کے لب کو آب سے مطلق نہ نم کیا
ساقیِ حوضِ کوثر و دلبندِ مصطفیٰ ۔۔۔ اس تین دن کے پیاسے کے سر کو قلم کیا

کیا صبر تھا جناب کرامت مآب کا
ان آفتوں کو سہہ کے بھی سب پر کرم کیا

لشکر میں اہلِ شام کے بجلی چمکتی تھی
جو آیا بس اُسے تہِ تیغ دو دم کیا

دو ایک ہوں تو نام بھی لوں ہیں کیا کہوں
کس کس کو شہ نے راہیِ مُلکِ عدم کیا

اللہ رے فیض! رکھ دیئے اپنے جہاں قدم
اُس سرزمیں کو شاہ نے رشکِ ارم کیا

سکہ بہادری کا دلوں پر بٹھا گئے
نقشِ دلاوری کو بھی نقشِ درم کیا

ساری یہ کائنات انہیں کا ظہور ہے
اِس خاکدانِ دہر کو بھی جامِ جم کیا

کوئی بھی رتبہ پا سکے ان کا محال ہے
رَبُّ العُلیٰ نے صاحبِ جاہ و حشم کیا

نکلی جو مُنہ سے بات اُسی پر اَڑے رہے
کٹوا دیا سر اپنا مگر سر نہ خم کیا

آتی ہے میرے کان میں اب یہ صدائے غیب
جتنے گنہ تھے تیرے انہیں کالعدم کیا

سوجی سے لطفِ خلص پہ قربان جاؤں میں
مجھ کو غلام بھی کیا پھر بے درم کیا

یہ اے بشیر بندہ نوازی کی شان ہے
اہلِ جہاں کے زمرے میں بندے کو ضم کیا

قومی قصیدہ جس میں دلّی کے رئیسِ اعظم عالی جناب فیض مآب نواب فیض احمد خاں صاحب دامت برکاتہم مخاطب ہیں

نواب فیض احمدِ ذی ہوش ذی وقار
دلّی کے اُجڑے باغ کی ہیں آخری بہار

اوصاف اُن کے حدِ بیاں سے زیادہ ہیں
گنتی میں کیوں کر آسکیں جب ہو وہ بے شمار

یہ شہر اُجڑ گیا رؤسا بھی بگڑ گئے
باقی جو رہ گئے ہیں مشکل ہیں دو ہی چار

ہیں بعض نام ہی کے نہیں فیض اُن کا کچھ
دولت کا نشہ جا چکا باقی ہے بس خمار

ایسوں کے ہونے سے تو نہ ہونا ہی خوب ہے
جچتے نہیں نگاہ میں خود اپنی زینہار

کب دیکھنے میں آئیں گی وہ پاک صورتیں — جن کو نگاہ ڈھونڈتی ہے اُٹھ کے بار بار
رہ جاتے ہیں مسوس کے دل اور کیا کریں — جب اُن کی یاد آتی ہے ہوتے ہیں بے قرار
اُٹھنے کو اُٹھ گئے وہ مگر نام رہ گیا — باقی جہان میں ابھی اُن کی ہے یادگار
اُن کے مکاں کھڑے ہیں نشانِ مکیں نہیں — زخمی اگر ہو دل تو اسے آئے کیا قرار
سُن سُن کے لوگ اُن کے عروج و کمال کو — فرطِ غم و ملال سے ہوتے ہیں اشکبار
شاہانِ نامور کا نہیں اب نشاں رہا — کچھ نام لیوا اُن کے ہیں بے عزّ و بے وقار
وہ نامدار تھا جنھیں صید افگنی کا شوق — اولاد اُن کی آج بنی آپ ہی شکار
اُن کے ہی باپ دادا کا تھا تخت و تاج بھی — مانگیں اگر کسی سے تو ملتا نہیں اُدھار
برٹش گورنمنٹ کے الطاف کی نظیر — پائے نہ خلق میں ورق اُلٹے کوئی ہزار
وہ سلطنت وسیع جہاں ہُن برستا تھا — زر خیز ملک آگیا قبضے میں استوار
اُن کا ہی صدقہ ملتا ہے نسلِ مغول کو — ہے بس اسی وظیفے پہ جینے کا انحصار
تعداد ان وظیفوں کی بالکل قلیل ہے — جس کے بیان سے ہمیں آتی ہے شرم و عار
ان شاہزادوں سے تو ہیں مزدور ہی بھلے — ملتا نہیں وہ اُن کو کماتا ہے جو کہار
جب ہو یہ حالِ زار تو کیوں کر نہ دل ہو خوں — ہونا گوار بات تو کیوں کر ہو خوش گوار
چھلنی کلیجہ ہوتا ہے افلاس دیکھ کر — برچھی سی ایک ہوتی فوراً جگر کے پار
اشراف گردی کا ہی دورہ ہے دیکھیے — اُنگلی اُٹھاتا ہے شرفا پر بھی اک چمار
ابوابِ رزق بند، گرانی کا دَور بھی — اک اک شریف پر پڑی چاروں طرف سے مار
تن پر نہیں ہے چیتھڑا، خالی شکم بھی ہے — فاقے پہ فاقہ ہوتا ہے کیا زور و اختیار
ادبار نے گھرانوں کی شکلیں بگاڑ دیں — ان بے کسوں کا کوئی بھی یاور نہ ہے نہ یار
گھر والی پردے والی ہے بیٹھی ہے آس میں — بچوں سے کہہ رہی ہے ٹھہر جاؤ نا بکار
باوا گیا ہوا ہے، کوئی دم میں آئے گا — لائے گا کچھ تو کیجیو پھر تم بھی زہر مار

بچّوں نے اس اُمید پہ کاٹا تمام دن
تشریف لائے رات کو اُن کے بزرگوار

مُنہ زرد ہونٹ خشک عجب حالِ زار تھا
تھے بدحواس چہرہ تھا آلودۂ غبار

بیوی تو بیوی، بچّوں کی بھی سُدھ نہیں رہی
مُنہ کیا دکھائے پیٹ کا مارا وہ شرمسار

دن بھر خدائی خوار پھرے، کچھ نہیں ملا
ڈنڈے ہلاتے آ گئے، شامت جو تھی سوار

ہے روزگار بند کریں بھی تو کیا کریں
ہاتھ اپنا بھیک کے لیے دیں کس طرح پسار

بیوی کو چکّی پیستے مدّت گزر گئی
لیکن بہت ہی ہے بُری اس پیٹ کی بھی مار

گھر میں جو ٹوم چھلّا تھا وہ سارا بک گیا
بیگم کو دیکھیے تو نہیں تن پہ ایک تار

برتن نہ ہے کوئی، نہ بچھونا ہے ٹھیک ہے
آمد تو دمڑی کی نہیں، ہے خرچ بے شمار

جو سیر آٹا ہو گیا، کیوں کر بھرے گا پیٹ
تو یوں یہ گھی کا نرخ یہ ہے رنگِ روزگار

ہے مختصر یہ حال، نہیں کچھ مبالغہ
ایسی نظیریں اپنی نظر میں ہیں سَو ہزار

ہر شے کا مول تول ہے بازار میں گراں
ارزاں جو پوچھیے تو ہے میدانِ کارزار

جو ہونا ہو گا، ہو کے رہے گا وہ ہر طرح
ہم نے فضول کر دیا، دل سب کا داغ دار

یہ ہے قصیدہ مدح کا یا کوئی مرثیہ
اب بات وہ سُنائیں کہ ہو دفعِ انتشار

ممدوح میرے دیکھیے دلّی کی ناک ہیں
گزرے ہوئے بزرگوں کا وہ رکھتے ہیں شعار

رونق ہے ان کے دم سے اِس اُجڑے دیار کی
ان کو جو دیکھ لیتے ہیں آ جاتا ہے قرار

صورت وہ ہے کہ جس کے فدائی ہیں اہلِ شہر
سیرت وہ ہے کہ جس پہ دل و جاں ہیں سب نثار

ظاہر سے باطن ان کا کہیں ہے بڑھا ہوا
خود دیکھ لیں وہ جن کو نہ آتا ہو اعتبار

یہ ہیں امیر اور پھر ابنِ امیر ہیں
ان کا ہے خُلق اور تواضع ہی پر مدار

ذی علم، ذی وجاہت و ذی عزّت و شرف
ذی جود ذی عنایت و ذی فیض و ذی وقار

جس سے ملے، وہ ان کا ہوا خواہ ہو گیا
کی جس سے گفتگو ہوا شوخی سے وہ نثار

دل اس جگہ نہ شاد ہو تو شاد ہو کہاں
دلّی میں ان کا گھر ہے فقط جائے پُر بہار

بچھ جاتے ہیں جو آتا ہے ملنے کے واسطے | لاتی ہے کھینچ کر یہ کشش مجھ کو بار بار
وہ نشۂ سرور ہے راتوں کو بزم میں | جس کا ہو وقتِ صبح نہ پیدا کوئی اُتار
وقتِ کلام جھڑتے ہیں لاکھوں طرح کے پھول | قند و نبات میں نہیں یہ بات زینہار
داد و دہش زمانے میں مشہور ہو گئی | چلتا ہے سائلوں کا بہت اس سے کاربار
بیوہ، یتیم، جن کا سہارا نہیں رہا | دستِ کرم ہے اُن کے لیئے ابرِ پُر بہار
اوصاف جو کھُلے تھے وہ ہم نے بیاں کیئے | مخفی کچھ اور فیض ہیں جن کا نہیں شمار
دل پر ہو جس کے چوٹ وہی جانتا ہے درد | سَو ہوں اگر مریض تو کیا کرے اک انار
دل میں ہے درد قوم کا کرتے نہیں دریغ | دام و درم سے رہتے ہیں ہر دم ممدِ کار
ظاہر کی طمطراق سے مطلب ذرا نہیں | لیڈر نہیں کہ یہ کریں تقریر لچھے دار
کم گو ہیں، کم سخن ہیں بڑے ہی غیور ہیں | جلسوں میں جا نکلتے ہیں لیکن کبھی کبھار
تعریف ہم نے اتنی لکھی، پھر بھی کچھ نہیں | بہتر یہی ہے اب کہ دعا پر ہو اختصار
اللہ رکھے ان کو ہمیشہ ہرا بھرا | رحمت ہو ان پہ ایسی کہ ٹوٹے نہ اُس کا تار
چشمہ یہ فیضِ عام کا جاری رہے مدام | ہوں دوست شاد اور رہیں دشمن ذلیل و خوار
پھولیں پھلیں، حوادث و آلام سے بچیں | بڑھتا ہی جائے دمبدم، اعزاز و افتخار
شاعر نہیں، ادیب نہیں، نکتہ داں نہیں | کٹتی ہے صبر و شکر ہی میں عمرِ مستعار

سوءِ ادب کا خوف ہے ورنہ بشیر کو
کہنا بہت تھا جس کا نہیں کوئی انحصار

قصیدہ در مدح جناب خان بہادر منشی سید احمد حسن صاحب ڈپٹی کلکٹر پنشنر رئیس قصبۂ کرت پور ضلع بجنور کہ در عشرۂ محرم الحرام گزرانیدہ شد

قابلِ مدح ہیں احمد حسن فخرِ زمن | خوش رہیں خلق میں دوران سے رہیں بے رنج و محن

کیوں نہ دم بھر میں ہو ہر عقدۂ مشکل آساں — عقل صائب ہے جواں اور ہے تدبیر کہن
ان کی تقلید ہی واجب کہ یہ ہیں مردِ بزرگ — ان کی صحبت ہے غنیمت کہ یہ ہیں ماہرِ فن
ایسے ہوتے ہیں کہاں لوگ جہاں میں پیدا — ایسے ملتے نہیں ڈھونڈے سے کہیں نیک چلن
ان کے دم سے ہی کرت پور میں جو ہے رونق — ان کے باعث سے ہی مشہور بہت ان کا وطن
جس قدر قدر کریں اہلِ وطن تھوڑی ہے — جس قدر بھی کریں تعریف وہ ہے مستحسن
رگڑے جھگڑے سے زمانے کے تعلق ہی نہیں — ہے فقیرانہ روش رہتے ہیں کملی میں مگن
بات کے پورے ہیں یہ، وضع کے پابند بھی ہیں — اور ہیں دشمنوں کے واسطے یہ سانپ کا پھن
جان حاضر ہے اگر دوست کے کام آجائے — سانپ کا پھن وہی ہو جاتا ہے پھر سانپ کا مَن
رکھتے ہیں قلبِ صفا، دل میں بہت حُبِّ ولا — اہلِ بیتِ نبوی پر ہیں تصدق ہمہ تن
رہتا ہے پنجتنِ پاک کا چرچہ ہر دم — رب سے اپنے ہے لگی آٹھ پہر ان کی لگن
جسکو ہو دیکھنا آپ دیکھ لے مومن کی طرح — بیٹھے ہیں سامنے وہ در سے لگے قبلۂ من
گو ہوئی عمر بسر دورِ حکومت میں تمام — بھول کر لائے جبیں پر نہ کسی وقت شکن
قول کے ایسے دھنی بات کے ایسے پکّے — کر کے دکھلا دیں جو کچھ جائے اگر دل میں ٹھن
جانتے ہی نہیں یہ کبر و غرور و نخوت — جھک کے ہر شخص سے ملتے ہیں وہ ہو مرد و زن
خُلق پہ ان کے ہی گرویدہ و شیدا عالم — پھر کسی سے کوئی جھگڑا نہ کسی سے اَن بَن
بے بہادر ہیں مگر خان بہادر بھی ہیں — ایسا نایاب نہ دیکھا نہ سُنا دُرِّ عدن
ملتے سائل کو کوئی ڈیوڑھی سے نہ بے نیلِ مرام — یہ ہے تاکید بلیغ اور بہت ہے قدغن
دیکھ سکتے نہیں تکلیف کسی کی ہرگز — دل میں اک خار سا گڑ جاتا ہے رہتی ہے چبھن
چشمۂ فیض ہیں، خود فیض ہے ان سے جاری — کرتے ہیں خیر و مبرّات یہ بالسّرّ علن
سب پہ ہے ایک نظر مہر و مروت کی مدام — اس میں پردیسی ہوں احباب کہ اربابِ وطن
نیک بالذات یہ ہیں، نیک ہمیشہ ہے خیال — کیا ہی اخلاق سے پیش آتے ہیں با حسنِ ظن

گھر کو گھر کیوں کہیں، ہی داد و دہش کا بازار
سیر کے بدلے میں ملتا ہی یہاں پورا من

دینا جو کچھ ہی وہ ہی خالصتہً حق کی رضا
جس میں ہرگز نہیں ایذا نہ ہی بعد اس کے منّ

صرف تعریف سے حاصل نہیں ہوتا مقصد
دیر کیا ہی اُٹھے بس ہاتھ دعا کو فورن

شاد آباد رہیں غم سے بھی آزاد رہیں
کُل حوادث سے رہیں دُور بری اور امن

دوست شاداں رہیں مسرور رہیں اور جو غم
جائیں بدخواہوں کے دل تیرِ حوادث سے چھن

جو ہی خواہ ہوں اُن کا ہو محافظ اللہ
خوار ہوں، زار ہوں نا چار ہوں جو ہوں دشمن

خضر کی عمر ملے اور سکندر کا نصیب
گرمِ رفتار رہے جاہ و حشم کا توسن

یہ کثرت پور کہاں اور کہاں بزمِ عزا
کہ سر انجامِ مجالس ہو بطرزِ احسن

آپ ہی آپ نظر آتے ہیں اک بانیِ خیر
جو محرم میں دکھا دیتے ہیں اپنا درشن

لکھنؤ سے جو محرم میں ہیں آتے ذاکر
جن میں ہر ایک ہی لاریب بڑا کاملِ فن

لکھنؤ چھوڑ کے اس قصبے میں کیوں آتے ہیں
کیا ہی وہ بات جو آتی ہی نظر مستحسن

مجھ سے سنیے کہ کشش کون سی لاتی ہے نہیں
قدردانی ہی فقط ان کی نہیں اس میں ظن

باعثِ رونقِ مجلس تو یہی ہیں فی الاصل
سامنے ان کے میں ہوں طفلِ دبستاں کودن

میرا پڑھنا تو فقط نقل ہی، وہ بھی ناقص
پڑھنا ان کا ہی جو ہیں پاک زباں پاکِ دہن

شوق ہی دلی سے لایا ہی یہاں تک مجھ کو
کیوں نہ بھر لوں، گلِ مقصود سے اپنا دامن

صاحبِ تجربہ ذی فہم و خرد ہیں ممدوح
تاڑ ہی جاتے ہیں جب دیکھتے ہیں ماہرِ فن

خود سخن فہم ہیں سخن سنج ہیں سخن گستر ہیں
آپ ہی نقدِ سخن، آپ ہی نقادِ سخن

جھوٹ سے مجھ کو ہی نفرت تو خوشامد سے بھی عار
شکریہ شفقتِ حضرت کا نہیں پڑتا بن

بے درم بندۂ احساں ہی بشیر احمد بھی
نذر لایا ہی نچھاور کے لیئے تن، من، دھن

بہ تقریبِ جلسہ وداعی، دی آنریبل مسٹر بیرن، سی ایس آئی، سی آئی ای سی وی او، چیف کمشنر بہادر صوبہ دہلی ادام اللہ اقبالہم منعقدہ ۲۴ مارچ ۱۹۲۴ء روشن آرا باغ دہلی

حاضرینِ بزم کیوں کس بات کا جلسہ ہے آج
جس طرف دیکھو غم و اندوہ ہی چھایا ہے آج
دورِ ساغر ہی جدا ہے شیشہ الگ صہبا الگ
کچھ نہیں معلوم ہوتا رنگ یہ کیسا ہے آج
آج کس کی ہے چڑھائی خاطرِ ناشاد پر
اب ستم پر ہے ستم بیداد ہے بیداد پر

ساری دلّی پر گھٹا آزار و غم کی چھا گئی
کیا خبر کس کی نظر رونق کو اس کی کھا گئی
تازہ آفت آ گئی تازہ مصیبت آ گئی
مرغِ بسمل کی طرح اک ایک کو تڑپا گئی
لو سنو مجھ سے جو کچھ ہے ماجرا دل کھول کر
اور سمجھو بات کو تم جانچ کر پھر تول کر

عیش میں آرام میں دن زیست کے ہوتے رہے
یعنی اپنے گھر میں میٹھی نیند ہم سوتے رہے
جنگ تھی برپا جہاں سب اُس جگہ روتے رہے
صرف سُن سُن کر خبر غمگین یہاں ہوتے رہے
دَوْر دورہ عادل و ذی جاہ بیرن کا رہا
خوف دل سے دور ظالم اور رہزن کا رہا

فضلِ حق ہم پر رہا ہم کو بڑی راحت رہی
دُور ہم سے ہر طرح آفت رہی زحمت رہی
کیا بتائیں ہم نہایت لطف کی صورت رہی
آپ کو الفت تھی ہم سے ہم کو بھی الفت رہی
لو وہ ساری عیش کی باتیں کہانی ہو گئیں
دن فسانے بن گئے راتیں کہانی ہو گئیں

آنریبل ہیرن خوشخو ہیں وہ اک نامور
جو رعایا کے لیئے ہر وقت ہیں سینہ سپر
اُن کے ہر انداز میں موجود اخلاقی اثر
ہر کسی پر خاص الطاف و ترحم کی نظر

عدل میں، انصاف میں ایسا کوئی افسر نہیں
بخشش و بذل و سخاوت میں کوئی بڑھ کر نہیں

آتشِ غم سے کلیجہ ہی رعیت کا کباب
پا تراب اُن کا ہوا رخصت ہوئے وہ کامیاب
دل میں اب اپنے نہیں صدمے اٹھانے کی بھی تاب
مبتلا اس غم میں ہیں سارے کے سارے شیخ و شاب

اشک آنکھوں سے ٹپکتے ہیں جگر میں درد ہی
چار دن کی زندگی سے دل ہمارا سرد ہی

اہلِ عالم کی نظر میں بے نظیر و بے عدیل
اہلِ حاجت کے مددگار اہلِ حاجت کے کفیل
حاکمِ ذی رتبہ و ذی شان و ذی ہوش و عقیل
سب ہیں خوش کافی ہی یہ ہر دل عزیزی کی دلیل

اپنے جن لفظوں سے ہم کو شاد کرتے جائیں گے
ہم اُنہیں ہر وقت ہر دم یاد کرتے جائیں گے

ہیں زمانے کے بڑے ہمدرد یہ عالی وقار
ڈوبتوں کو اپنی حکمت سے یہ کر دیتے ہیں پار
کیوں نہ یہ اوصاف ہوں کیسے ہیں یہ عالی تبار
سلطنت کے ہیں یہ اعلیٰ عہدہ دارِ ذی وقار

ہی انہیں کے دم قدم سے شان بھی سرکار کی
ہی انہیں کے دم قدم سے آن بھی دربار کی

آنے والے چیف صاحب ہیں بڑے صاحب تمیز
ہی غلام اقبال سطوت بھی ہی اک ادنیٰ کنیز
اپنے اوصافِ حمیدہ کے سبب سے خاص چیز
دل جو لے لیتے ہیں سب کا کیوں نہ ہوں ہر دل عزیز

بندہ پرور آپ ہم کو چھوڑ کر جاتے تو ہیں
آپ کے احسان بے حد دل کو یاد آتے تو ہیں

ہوں میں پنشنی نمک خوارِ گورمنٹِ نظام | جس کے ہیں تابع سب چھوٹے بڑے ہر خاص و عام
ہوں وظیفہ خوار کرتا ہوں دعائیں صبح و شام | اور کچھ باقی نہیں میرے لیئے دنیا میں کام
عافیت کے گوشے میں بیٹھا رہا کرتا ہوں میں
گھر سے باہر تک قدم ہر گز نہیں دھرتا ہوں میں

دل کے بہلانے کو لیکن مشغلہ درکار ہے | ورنہ کٹنا وقت کا آساں نہیں دشوار ہے
اس لیئے تالیف کا تصنیف کا آزار ہے | اور مجھ کو کچھ نہیں درکار اب نہ بہار ہے
زندگی کے دن کٹے جاتے ہیں اچھے طور سے
دیکھتا رہتا ہوں میں حالاتِ دُنیا غور سے

جبر ہم سب دل پہ سہتے ہیں بہت ناچار ہیں | ہے جدائی شاق دل ریش و جگر افگار ہیں
مخزنِ اندوہ و حرماں تودۂ افکار ہیں | یہ جو ہیں حالاتِ غم کب قابلِ اظہار ہیں
کیوں طوالت دیجیئے بس اپنا کچھ چلتا نہیں
جو مقدر کا لکھا ہے وہ کبھی ٹلتا نہیں

ہے یہ بہتر آپ کو رخصت کریں ہم صبر سے | کیوں رہیں محروم ہم سب صبر کے بھی اجر سے
نام لیتے ہم رہیں بیرن کا عزّ و فخر سے | تذکرے ہوتے رہیں آپس میں زید و بکر سے
نیّرِ اقبال یوں ہی کشمشِ تابندہ رہے
مامضیٰ سے اور بہتر شانِ آئندہ رہے

امن خواہِ سلطنت ہوں خیر خواہِ تاج دار | ہم کو اس پر ناز ہے ہم کو ہے اُس پر افتخار
جارج پنجم شاہِ شاہاں خسروِ دارا وقار | زندہ ماند شاد باشد تا ابد دار و قرار
اے بشیر الدین احمد ساری باتیں کہہ چکے
الفتِ بیرن میں بے تاب و پریشاں رہ چکے

ترانۂ قومی

ہے روز یہ وظیفہ وردِ زباں ہمارا — ہندوستاں کے ہم ہیں ہندوستاں ہمارا
جس پر پڑا ہو صدمہ، وہ خوب جانتا ہے — کب جانتا ہے کوئی دردِ نہاں ہمارا
کیسا مٹا دیا ہے کم ہمتی نے ہم کو — کھویا ہوا ہے اپنے ہاتھوں نشاں ہمارا
صحرائے پُرخطر میں رہبر نہیں میسّر — اس وجہ سے بھٹکتا ہے کارواں ہمارا
ہم کیوں بتائیں تم کو تم یہ بتاؤ ہم کو — کیوں پوچھتے ہو ہم سے نام و نشاں ہمارا
مدت ہوئی کہ طالع اپنا نہیں مساعد — برسوں ہوئے کہ اُجڑا ہے خانماں ہمارا
اب تو اُجڑ گیا وہ صیّاد کے ستم سے — تھا صحنِ باغ میں جب تھا آشیاں ہمارا
ہم میں بھی سلطنت تھی کشور کُشا تھے ہم بھی — تھا چار سُو جہاں میں سکّہ رواں ہمارا
اب خواب کی سی باتیں ہم کہہ رہے ہیں تم سے — بے خواب کیوں نہ کر دے خوابِ گراں ہمارا
افسانہ اک پُرانا، اک داستان غم کی — کیا سُن کے تم کرو گے ہم سے بیاں ہمارا
موجودہ حال اپنا ہے دیکھنے کے قابل — پہلے بھرا پُرا تھا کیا خانداں ہمارا
ہم پھنس رہے ہیں اب تو آپس کی کشمکش میں — ہے تیرِ غم کا تودہ یہ جسم و جاں ہمارا
آپس میں کٹ مریں ہم دشمن بجائیں بغلیں — نقصان اُن کا کیا ہے، ہے تو زیاں ہمارا
ناحق کی یہ چھیڑ خانی ہے بے وجہ کی لڑائی — کیا دم کے دم میں بگڑا بن کر سماں ہمارا
مشفق نے اپنے ہم کو یہ حکم دیدیا ہے — مل جائیے جو گلے سے ہے مہرباں ہمارا
دُنیا میں مل کے رہئیے جب تک یہاں ہے رہنا — ہے یہ اصولِ مذہب جو حرزِ جاں ہمارا
مذہب کی آڑ میں تم، کیوں خوں بہا رہے ہو — ہے ایک ہی خدا تو خلّاقِ جاں ہمارا
ہم تم شگوفہ و گل، قدرت کی صنعتیں ہیں — جو باغباں تمہارا وہ باغباں ہمارا
ہندو ہوں یا مسلماں ہے ان کے دم کی رونق — یہ میزباں ہمارا، وہ میہماں ہمارا

مِل کر ہم جو رہتے یہ دن کبھی نہ آتا … کیوں ہوتا غم الم سے تن خستہ جاں ہمارا
جھگڑا افسانہ، فتنہ ہی امن کے مخالف … ہم کو سکھا رہا ہی، قرآن ہاں ہمارا
اس رنجِ باہمی کو دل سے جو دور کر دیں … بن جائے کام بگڑا اب سب کے گماں ہمارا
دھو جائیں رنجشیں سب کلفت رہے نہ باقی … ہم مہربان اُس کے، وہ مہرباں ہمارا
یکسوئی اس طرح ہو، دل مثلِ آئینہ ہو … اک رنگ میں رنگا ہو، پیر و جواں ہمارا
ہو اتحادِ باہم، تو استوار و محکم … کافی سے ہی زیادہ، یہ پاسباں ہمارا
مجلس میں اُن کی جائیں تشریف وہ بھی لائیں … توقیر باہمی ہو، کہنا ہی ہاں ہمارا
سمجھا دیا ہی تم کو، تم مانو یا نہ مانو … ہلکا کبھی کرے گا، بارِ گراں ہمارا

خود ہی بشیر رو لیں، خود اشکِ چشم پونچھیں
اپنے علاوہ ہی کون اب نوحہ خواں ہمارا

دُنیا کی ایک جھلک

(۱) اُٹھ صبح ہوئی کیا سوتا ہی کیا سوتا ہی، کیا سوتا ہی
اب وقت سہانا کیسا ہی اب نور کا تڑکا ہوتا ہی
اس کشتِ جہاں میں خوش ہو کر کاٹے گا وہی جو بوتا ہی
پھر بعد کو حاصل کیا اس سے رونے کا زمانہ آتا ہی
(۲) وہ صبح ہوئی چڑیاں بولیں چڑیاں بولیں چڑیاں بولیں
خالق کی صفت میں اک اک نے کس شوق سے منقاریں کھولیں
شاخوں سے اُڑیں چگنے کے لیے رستے پر سمٹ کر سب ہو لیں
آئیں گی پلٹ کر شام کو پھر مل مل کے گلے کیا کیا رو لیں

(۳) چُپ چاپ وہ ساری رات رہیں، آرام سے شب کو سوتی تھیں
پھر جلد سویرے اُٹھ بیٹھیں کب پیاری ساعت کھوتی تھیں
دن رات مگن وہ رہتی تھیں، کب دُکھڑا باہم روتی تھیں
وہ چوں چوں چوں چوں کرتی تھیں، چہلیں آپس میں ہوتی تھیں
(۴) دن صرف کر اپنا کاموں میں پھر راتوں کو آرام بھی کر
کر محنت و کوشش ہر ساعت، یوں صبح بھی کر اور شام بھی کر
بے کام نہ رہ بے کام نہ رہ بے کام نہ رہ کچھ کام بھی کر
گم نام نہ رہ گمنامی سے، بہتر تو یہی ہے نام بھی کر
(۵) مہتاب ہے رخصت ہونے کو کیا جھلمل جھلمل تارے ہیں
اسبابِ طرب سامانِ خوشی، موجود جہاں میں سارے ہیں
اللہ کے صادق بندے ہیں، اللہ کے جتنے پیارے ہیں
مصروفِ عبادت ہیں دل سے، بس ہاں اُن کے پو بارے ہیں
(۶) اے مور کی تو جھنکار بھی سُن اور شیر کی تو ڈُنکار بھی سُن
قمری کی ہے کو کو میں بھی مزا، کوئل کی صدا ہر بار بھی سُن
بلبل کا کسی دن نغمہ سُن، طوطی کی کبھی گفتار بھی سُن
آ آ کے چمن میں دیکھ ذرا جا جا کے سرِ کہسار بھی سُن
(۷) سبزہ بھی لہکتا کیسا ہے، ہر پھول مہکتا کیسا ہے
یہ شبنم ہے پھولوں میں بھری، یا ساغر ہے یا صہبا ہے
جو پتّہ ہے جو پتّی ہے، انداز نرالا اُس کا ہے
جو غنچہ ہے وہ اپنی جگہ جھونکوں سے ہوا کے کھلتا ہے

(۸) کیا پیاری صورت والی ہی، کیا خوب سجی ہر ڈالی ہی
ہی فرطِ خوشی سے جھوم رہی، البیلی ہی متوالی ہی
کتنی ہی نم کتنی ہی تر، شادابی سے کب خالی ہی
پھر سبزہ خطوں سے نسبت ہی، کیا نسبت سب کی عالی ہی

(۹) بیدار ہوئے سونے والے، شبنم نے دھلائے مُنہ سب کے
گھڑیاں سے تو پوچھے کوئی، سوئے تھے بستر پر کب کے
ہی سر دکھڑا شمشاد کھڑا، اللہ رے کرشمے یہ رب کے
ہی جائے ادب چلتی ہی صبا، تو چلتی ہی وہ بھی دب کے

(۱۰) ہی شہد کی مکھّی کا یہ سماں، پھولوں پہ بہت منڈلاتی ہی
پھر چوس کے رس اور چوم کے مُنہ، ہر پھول کا پھر اُڑ جاتی ہی
وہ شہد کے چھتّے میں، ہر دم ہر لحظہ، آتی جاتی ہی
اس آنے جانے اُڑنے میں وہ لطف بڑا ہی پاتی ہی

(۱۱) کیا ہی یہ ذرا سی ایک چیونٹی، لیکن کیا ہمت والی ہی
ہر وقت پھرا ہی کرتی ہی، کس وقت غمِ پامالی ہی
دن رات نہیں ہی چین اُسے، کب دُھن سے اپنے خالی ہی
کس پُھرتی سے وہ پھرتی ہی، کیا حوصلہ اُس کا عالی ہی

(۱۲) وہ گھمر گھمر چکّی ہی چلی، آواز بھلی کیا آتی ہی
دم لے کے تھکی ہاری عورت، کس شوق سے دیکھو گاتی ہی
چھاتی سے لگائے بچّے کو چمکارتی ہی، بہلاتی ہی
وہ تھپک تھپک کے بچّے کا کس پیار سے سر سہلاتی ہی

(۱۳) گھر چھوڑ کے اپنا وقت سحر، گیا گھاٹ کو دھوبی جاتا ہے
کچھ رات گئے پھر بیل پہ لادی لادکے گھر کو آتا ہے
دن بھر کی مصیبت سہتا ہے، محنت سے نہیں گھبراتا ہے
بعد اتنے بکھیڑے جھگڑوں کے، کچھ روٹی ٹکڑا پاتا ہے

(۱۴) کر پلے والے پر بھی نظر، کیا بھاری بوری لاتا ہے
ہے پیٹھ پر اُس کے بوجھ بڑا، جس سے وہ جھک جھک جاتا ہے
وہ دھوپ کڑی محنت یہ بڑی، یہ پیٹ ہی سب کرواتا ہے
پھر سر کا پسینہ ایڑی تک گرمی سے ٹپک کر آتا ہے

(۱۵) دُنیا میں جسے تو دیکھے گا اسے کے ہی لیئے یہ دھندا ہے
ہے چین کسے آرام کسے، مجبور یہاں ہر بندہ ہے
سب کو ہے مصیبت تھوڑی بہت، ہر چار طرف یاں مندا ہے
تکلیف و مصیبت کا دیکھو، ہر اک کے گلے میں پھندا ہے

(۱۶) تو چین کی خاطر کب آیا، آرام کی خاطر کب آیا
دن کاٹے کس نے راحت سے، کب رہ کے کس نے سکھ پایا
مانا کہ سمیٹی دھن دولت اور خوب کمایا اور کھایا
پر ساتھ نہ کچھ جائے گا تیرے، رہ جائے گی یہ سب مایا

(۱۷) کیا مال کو کیا اُس دولت کو، تو نے سمجھا مورکھ نادان
یہ چلتی پھرتی چھاؤں ہے، کیا فائدہ ہے کیسا نقصان
جو آج ہے تیرے قابو میں، سو جان سے ہے تجھ پر قربان
کل اور کے گھر یہ جائے گی، سچ بات یہی ہے اس کو مان

(۱۸) جو راہِ خدا میں دے ڈالا، وہ مال کھرا ہی تیرا ہی
باقی کے لیئے کیوں کہتا ہی، "یہ میرا ہی یہ میرا ہی"
تو ہوش میں آ بے ہوش نہ بن کُو دن کا جہاں میں ڈیرا ہی
کیوں اپنے خدا سے غافل ہی، مُنہ اپنے رب سے پھیرا ہی

(۱۹) دُنیا میں رہنا ہی کب تک، یہ رین بسیرا ہی بے شک
بے کار کے سب یہ جھگڑے ہیں، ہر وقت ہی ناحق کی بک بک
جو پھنستا ہی کب چھٹتا ہی، ہو جاتا ہی پھنس کر ہک دھک
آئے گی مصیبت روز نئی سانس آئے جائے گا جب تک

(۲۰) یہ جورو جاتا، پوت اور دھی، یہ ناتی ہی کیا پوتا ہی
ہیں سب مطلب ہی کے ساتھی، کون اس میں کسی کا ہوتا ہی
ہی کوئی نہیں جُز ذاتِ خدا، کیوں غفلت میں تو سوتا ہی
ہاں چونک تماشہ دیکھ ذرا، اک ہنستا ہی اک روتا ہی

(۲۱) بچپن تو کٹا نادانی میں، پھر مفت جوانی بھی کھوئی
اب آیا بڑھاپا تو چیتا، جب بات نہیں سُنتا کوئی
کچھ زور نہیں طاقت بھی نہیں، تقدیر تری بے ڈھب سوئی
یہ دیکھ کے حالتِ زار تری، دُنیا تڑپی خلقت روئی

(۲۲) جھٹ پٹ کر لے جو کرنا ہی، پھر آخر کو تو مرنا ہی
جو کرتا ہی سو بھرتا ہی، مولا کے غضب سے ڈرتا ہی
بوجھل گٹھڑی ہی گناہوں کی، اک بوجھ یہ سر پر دھرتا ہی
کچھ سوچ سمجھ کچھ غور بھی کر، کیا ہونا ہی کیا کرنا ہی

(۲۳) عالم میں جو تو نے کی نیکی، عالم کے اگر کچھ کام کیے
دل تیرا دُکھا اوروں کے لیے اور اُن کو ہیں آرام دیئے
لوگوں کی دعائیں لیں تو نے، تکلیف سہی غیروں کے لیے
اُس وقت یہ تو کہہ سکتا ہے، "ہم خوب جیئے، ہم خوب جیئے"

(۲۴) جب آئے تھے دُنیا میں ہم، کیا چاند سا مُکھڑا پایا تھا
کچھ پیری نے کچھ پاپوں نے، بدلا عالم کیسا کیسا
وہ زلفیں کالی بھونرا سی، اب دیکھ سفید ہیں گالا سی
اس گورے چِٹّے مکھڑے کو، کیوں کالا بھٹ تو کر لایا

(۲۵) یہ بال ترے بگلا جیسے، پیغام اجل کا لائے ہیں
بس باندھ کمر طیار رہو، اب چلنے کے دن آئے ہیں
تکلیفیں لاکھوں جھیلی ہیں، آرام ہزاروں پائے ہیں
پچھتائے گا جب دیکھے گا، جو کچھ کہ کما کے لائے ہیں

(۲۶) تو خوب رہا دُنیا میں مگن، تو بھول گیا مالک کی لگن
وہ وعدہ کر کے آیا تھا، کیا یاد نہیں وہ تجھ کو بچن
لاکھوں ہیں سخن لاکھوں ہیں بچن، بہتر ہے یہی اچھا ہے سخن
بس دھیان خدا پر رکھ اپنا، بس ڈال خدا میں اپنا مَن

(۲۷) ہاں موت ترے ہے سر پہ کھڑی، مہلت ہے کہاں اب ایک گھڑی
یہ بات کٹھن ہے بن دیکھی، منزل ہے لمبی اور بڑی
اپنا نہ پرایا ساتھ کوئی، یاں سب کو ہے اپنی اپنی پڑی
ہر وقت رہے یہ لب پہ دعا، ہو سہل مری ایک ایک گھڑی

(۲۸) یہ نیّا میری ڈگمگ ہے، اک موج بلا کی آتی ہے
جب بادِ حوادث چلتی ہے، تو ناؤ تھپیڑا کھاتی ہے
الطاف و کرم کا پروانہ، اللہ کی رحمت لاتی ہے
ہیں بیم و رجا دونوں باہم، مخلوقِ خدا گھبراتی ہے

(۲۹) وہ اَن داتا وہ مالک ہے، اُس جیسا کوئی اور نہیں
اُس چوکھٹ پر رکھ سر اپنا، ایسا تو ٹھکانا ٹھور نہیں
قدرت کے تماشے پر تو نظر، کیوں کرتا دل میں غور نہیں
وہ تیرا خدا تو بندہ ہے، تو اور نہیں وہ اور نہیں

(۳۰) ہم اُمت میں احمدؐ کی ہیں، وہ سب کا شفیع و حامی ہے
محبوبِ احد، مطلوبِ صمد مشہور ہے سب میں نامی ہے
یہ مانا ہم میں نقائص ہیں، یہ مانا ہم میں خامی ہے
لیکن ہے اُسی کی آس ہمیں، یہ باگ اُسی نے تھامی ہے

(۳۱) جنّت میں اُسے لے جائے گا، ایمان جو اُس پر لائے گا
وہ سارے گنہ دُھلوائے گا، ہر شخص کے وہ کام آئے گا
ہر قسم کی نعمت پائے گا، میوے بھی تازے کھائے گا
واں کمی بھلا کس بات کی ہے، جو چاہے گا سو پائے گا

(۳۲) یہ کیا ہے نصیحت اوروں کو، مُنہ اپنا گریباں میں ڈالو
اپنے ہی کو پہلے جانچو، اپنے ہی کو تم پرتالو
دُنیا کو الگ بھی دل سے کرو، کھٹراگ بڑا ہے بس ٹالو
سمجھو تو بشیر ان باتوں کو، یہ روگ نہ آگے کو پالو

گھر

پھر تو فرمایئے کہ گھر کیا ہے؟ — اس میں کیا بات ہے اثر کیا ہے؟
کیا کشش ہم کو کھینچ لاتی ہے؟ — بات اک اک پسند آتی ہے
یاد پردیس میں اگر آئی — اور صورت ہمیں نظر آئی
جس میں رہنا کبھی نہ ہو دم بھر — تو فقط نام ہی کا ہے وہ گھر
اُس کی دیواریں ہیں بڑی بھاری — ہیں تصاویر سے لدی ساری
پردے زربفت کے پڑے بھی تو کیا — اور خدام ہوں کھڑے بھی تو کیا
رونق اُس کی بیان سے باہر — کیسا آراستہ ہے سر تا سر
خانہ باغ اُس میں ہے تر و تازہ — حُسن کا پھولوں پر ملا غازہ
دیکھیئے کیاری پیاری پیاری ہے — تخمِ الفت کی کاشتکاری ہے
ہر طرف لالِ بجری کی سڑکیں — سڑکیں بھی کیسی جس پہ دل پھڑکیں
پھولوں سے لد رہے ہیں سب اشجار — نہ کوئی جس کی حد نہ کوئی شمار
پھول پھل کا شمار ہی کیا ہے؟ — جب نہ یہ ہوں بہار ہی کیا ہے؟
ہو رہے ہیں علاج رندوں کے — ہیں مزے خوب آج رندوں کے
جانور بھی کلیلیں کرتے ہیں — کھیلتے کودتے ہیں چرتے ہیں
نہ جھجکتے ہیں وہ نہ ڈرتے ہیں — ہم اداؤں پہ اُن کی مرتے ہیں
ہے صدا قمریوں کی چار طرف — ہے ہزارہ آج بھی ہزار طرف
دور چلتے ہیں توبہ کا قُل ہے — ساقیِ ماہوش لیئے مُل ہے
کوک کوئل کی دل لبھاتی ہے — ایک آتی ہے ایک جاتی ہے
بلبلیں نغمہ زن ہیں بادلِ شاد — دیتی آپس میں ہیں مبارکباد
مورِ جھنکارتے ہیں مستی میں — ناچتے ہیں ہوس پرستی میں

چرخ پر اُٹھی ہی گھٹا کالی ‌‌ ‌ دوڑتے ہیں ادھر اُدھر مالی
کچھ گرج ہی تو کچھ چمک بھی ہی ‌ ‌ اب برسنے میں کوئی شک بھی ہی
ہر طرف سے پھوار آتی ہی ‌ ‌ دھوم سے یوں بہار آتی ہی
گھر کی رونق ہی بس مکیں کے لیئے ‌ ‌ حُسنِ زیبندہ ہی حسیں کے لیئے
گھر ہی وہ گھر جہاں محبت ہو ‌ ‌ چپّے چپّے میں جس کے راحت ہو
دلِ پژمردہ کی کلی کھِل جائے ‌ ‌ عیش و آرام کا مزا مِل جائے
جس سے ہو دل لگی وہ ہو موجود ‌ ‌ پھر خوشی ہی خوشی ہو غم مفقود
آرزو مدّتوں کی بر آئے ‌ ‌ نخلِ اُمید میں ثمر آئے
گھر وہی گھر ہی جس میں دلبر ہو ‌ ‌ جان بھی صدقے اپنی جس پر ہو
اور اُس کو بھی عشق و الفت ہو ‌ ‌ کچھ ترحّم ہو کچھ عنایت ہو
قمری و سرو کا سا ہو قصّہ ‌ ‌ مِلے دونوں کو چاہ کا حصّہ
ہم ہوں اُس پر فدا وہ ہم پہ نثار ‌ ‌ نہ اُسے چین ہو نہ ہم کو قرار
جب یہ حاصل نہیں تو گھر کا نام ‌ ‌ لینا بے سود ہی، نہیں ہی کلا[illegible]
رہنا سہنا حرام ہی اپنا ‌ ‌ ایسے گھر کو سلا[illegible] چھیا
در و دیوار سر بسر بیکار ‌ ‌ میز و کرُسی اِدہر اُدھر بیکار
اُس میں موجود دلنواز بھی ہو ‌ ‌ پردے کے ساتھ سوز و ساز بھی ہو
لطف سے زندگی گزر جائے ‌ ‌ سر سے اپنے یہ دردِ سر جائے
ہی وہی گھر نمونہ جنّت کا ‌ ‌ آرزوؤں کا اور منّت کا
جب کوئی قدرداں نہ ہو گھر میں ‌ ‌ ہی دھرا خاک بام میں در میں
جب نہ کوئی ہو اپنا پُرساں حال ‌ ‌ زندگی ہی وہاں کی سخت وبال
بیٹھنے اُٹھنے میں مصیبت ہو ‌ ‌ بدلے راحت کے اور کلفت ہو

وہ تو ویرانے سے بھی بدتر ہے
دوڑتا کاٹ کھانے کو گھر ہے

بلکہ بدتر سے بھی نکمتر ہے
اپنا اپنا جدا مقدر ہے

کٹتی آرام سے کسی کی ہے
ہیں کسی کو مصائب و آلام

عیش کا دن ہے شب خوشی کی ہے
گھیرے رہتے ہیں رنج صبح و شام

نہ خوشی کی خوشی نہ غم کا غم
قیدِ ہستی سے چھوٹ جائیں گے

اس دورنگی میں رہ سکیں کیا ہم
رشتے ناتے یہ ٹوٹ جائیں گے

جس طرح بن پڑا گزار ہی دی
عافیت کی خبر خدا جانے

بات بگڑی ہوئی سنوار ہی دی
بندہ بے چارہ کہیئے کیا جانے

درگزر کر کے ہم کو دے عزت
وہ نہ بخشے تو کیا شکایت ہے؟

جوش پر اس کی رہتی ہے رحمت
اپنے دکھ درد کی حکایت ہے

نظم کیا ہے جگر کے پار ہے تیر
عفوِ تقصیر چاہتا ہے بشیر

مبارکباد ولادت برخوردار اسلم حسین سلمہ اللہ تعالیٰ فرزندِ دلبند ڈاکٹر اجمل حسین و بشریٰ بیگم

ہے نسیمِ صبح کیا اٹھلا رہی
کیوں زمیں پر پاؤں رکھتی ہی نہیں

آرہی ہے اور اکثر جا رہی
بانکپن کے ساتھ ہے اترا رہی

دید کے قابل ہے سورج کی کرن
روشنی اپنی ہے کیا چمکا رہی

بات جو ہے وہ نرالی بات ہے
بات کیا ہے کیوں ہے دل بہلا رہی

ہر جگہ ہے عیش و عشرت کا وفور
ہے مسرت ہر طرف منڈلا رہی

کیوں ہنسی ہے تیرے ہونٹوں پر کھلی
کہہ بھی چڑیا کیوں ہے مجھے ترسا رہی

گھر میں اجمل کے ہوا نورِ نظر
بیسویں تاریخ اکتوبر کی آج
جمعہ کا دن ہے مبارک روز آج
سال بھی ہے عیسوی بائیس کا
مژدۂ جاں بخش ہے ایسا سُنا
تیری ہیں اٹکھیلیاں کچھ اور ہی
ہاں طبیعت خود بشّاش ہے
بچّے کے [illegible] کی آتی ہے صدا
اس [illegible] خدا پر بار بار
[illegible] تو مبارک باد دوں
[illegible]ی ہے صورت پیاری واہ واہ
کیجیے اس پر تصدّق مال و زر
ہیں تصدّق اُس خدائے پاک کے
ہیں کہاں اور نظمِ نسیمی برملا
ہیں مرے بھائی میاں اشرف حسین
کیسی قدرت ہے خدا کی واہ واہ
ہے نواسہ یہ بشیر الدین کا
آج مُنہ مانگی مِلی دل کی مراد
دل کی جو تھی آرزو بر آ گئی
کشت میں اُمید کی آئی بہار
یہ خوشی، ایسی خوشی، اتنی خوشی

یہ خبر بادِ صبا ہے لا رہی
شام سے ہے روشنی پھیلا رہی
اور اذانِ مغرب کی ہے دی جا رہی
اب نہیں کچھ اس میں شک کی جا رہی
کیوں صبا ہے شوق کو بھڑکا رہی
بے طرح ہے آج تو مچلا رہی
پر رہی یہ کچھ اور بھی اُکسا رہی
دائی ہے شاید اُسے نہلا رہی
ہے طبیعت خوب ہی گرما رہی
ہے جھنڈولا گود میں بہلا رہی
سب کے دل اور جان کو ہے [illegible] رہی
ہے خوشی خود نوبتیں یہ جو [illegible]
جس کی رحمت ہے یہ ہے [illegible]
مجھ سے بھی ہے [illegible] رہی
ہے یہ نعمت اُن کے گھر میں آ رہی
ہے خوشی آئی تو کُلفت جا رہی
جن پہ ہے خالق کی رحمت چھا رہی
تھی جو مدّت سے مجھے تڑپا رہی
اب شکایت کی کہو کیا جا رہی
ہو گئی تازہ جو تھی مرجھا رہی
ہے خزانے مال کے لُٹوا رہی

دو گھروں میں شادیاں ہیں بچ رہیں
اجمل و اسلم رہیں تا دیر گاہ
میری بشریٰ کو خدایا شاد رکھ
ہے یہی میری دعا شام و سحر

عید کی سی ہے خوشی منوا رہی
ہے دعا میری فلک تک جا رہی
ماسوا اس کے تمنا کیا رہی
دل سے نکلی ہے لبوں پر آ رہی

خوب ہے یہ نظم تیری اے بشیر
ہے طبیعت خوب ہی گرما رہی

مبارکباد شادی اختری بیگم سلمہا

مبارک سلامت کی ہے دھوم آج
طبیعت خوشی سے ہوئی باغ باغ
خزاں اجاڑ کے آئی ہے فصلِ بہار
مرے [illegible] یا شادی کی ہے دھوم دھام
بہا[illegible] میرٹھ سے آئی برات
کیا رو[illegible] اس شب نے مات
مرا گھر [illegible] رشکِ ارم بن گیا
ہیں مہمان جتنے [illegible] ذی شان ہیں
یہ اُن کا کرم ہے جو تشریف لائے
رئیسِ کرت پور، بندہ حسن
یہ شادی اُنہیں کی بدولت ہوئی
یہ ہے دخترِ خورد عصمت مآب
لکھی بھی پڑھی بھی بڑی خوش چلن

نشاط و مسرت کی ہے دھوم آج
ہے عرشِ بریں پر مرا بھی دماغ
مبدّل ہوا رنگِ لیل و نہار
سحر ہے خوشی کی مسرت کی شام
جو آئے ہیں وہ لوگ ہیں خوش صفات
انوکھا سماں ہے نرالی ہے رات
کہ ملجائے اہلِ کرم بن گیا
دل و جاں سے سب اُن پہ قربان ہیں
خوشی ہے بہت ہے میرے گھر آج آئے
وہ ہیں نامور اور بہت خوش چلن
جبھی اس کی یہ شان و شوکت ہوئی
اُنھیں کی، نہ کیوں کر ہو پھر لاجواب
بنی نیک ساعت میں نادر دُلھن

میں اوصاف اس کے بیاں کیا کروں
نہاں کچھ نہیں ہے عیاں کیا کروں

یہ بے مثل از غرب تا شرق ہے
سر مو نہیں اس میں کچھ فرق ہے

سُگھڑ ہے ہنرور ہے، لائق ہے یہ
ہزاروں میں واللہ فائق ہے یہ

یہ سیرت میں صورت میں ہے لاجواب
یہ ہے فرد، ہزاروں میں ہے انتخاب

مزاج اس کا سلجھا ہوا خوب ہے
جبھی سب کی پیاری ہے محبوب ہے

پڑھایا لکھایا سکھایا اسے
سُگھڑ باسلیقہ بنایا اسے

مبارک ہے وہ گھر، جہاں جائے گی
دعا پیچھے پیچھے وہاں جائے گی

یہ ہے بھانجی میری، سالی بھی ہے
مری گودیوں کی یہ پالی بھی ہے

اسی واسطے ہے یہ دل سے عزیز
کہ ہے خوش سلیقہ و صاحب تمیز

مناسب ہے دو چار باتیں کہوں
نہ چُپ رہ سکوں میں تو کیوں چُپ رہوں

یہاں تم رہو، یا وہاں تم رہو
رہو شاد و خرم، جہاں تم رہو

کشیدہ کبھی تم سے شوہر نہ ہو
وہ زن کیا ہے، جس میں یہ جوہر نہ ہو

نہ ہو فرق ہرگز اطاعت میں ہاں
بڑا سخت درپیش ہے امتحاں

اطاعت میں گر تم رہو مستقل
تو ممکن نہیں ہے [illegible] بدل

ادب ساس نندوں کا پیہم رہے
خیال اس نصیحت کا ہر دم رہے

جو بے موقع ہنستا ہے روتا ہے وہ
جو تنتا ہے تو قدر کھوتا ہے وہ

جو خادم ہے سب کا وہ مخدوم ہے
نہیں یہ تو ہر شے سے محروم ہے

غرور اور تکبر سے رکھو نہ کام
کہو لیں انہیں دور ہی سے سلام

لگائی بجھائی سے بچتی رہو
سُنو اور کی جب تم اپنی کہو

جدائی سے اُمّی کے تم ہو ملول
نہ کیوں شاق ہو داستاں ہے یہ طول

بڑے چاؤ سے تم نے پالا اُسے
گرا وہ تو فوراً سنبھالا اُسے

کھلایا، کدایا، اچھالا اسے
دکھایا اندھیرا اجالا اسے

وہ تھا بھانجا، تم تبھی اس کی ماں
وہ رویا تو کی تم نے آہ و فغاں

سنا کرتے تھے، خالہ اور ماں ہیں ایک
محل شک کا اس میں مجھے تھا ولیک

مگر اب جو دیکھا، تو سچ بات ہے
یہ قدرت کی بے شک کرامات ہے

کہاں چھ مہینے کہاں نو برس
دیا چین اسے ہر طرح ہر نفس

یہ ننھا سا بچہ بڑا کر دیا
کہ پاؤں پر اپنے کھڑا کر دیا

جدائی کا اس کی نہ غم کیجیو
نہ جاں پر تو اپنی ستم کیجیو

وہ بچہ ہے دیکھو مچل جائے گا
پچھاڑیں نہ کھائے دہل جائے گا

کڑا وقت یہ بھی نکل جائے گا
بہلتے بہلتے بہل جائے گا

نہ دلی سے میرٹھ ہے کچھ دور ہے
چلی آؤ جب تم کو منظور ہے

خدا رکھے ہر دم تمہیں شاد کام
بحقِ محمد علیہ السلام

یہ اک جا کسی کو بیٹھاتا نہیں
کسی کا اسے عیش بھاتا نہیں"

چھڑاتا ہے یہ دوست سے دوست کو
جدا کرتا ہے جسم سے پوست کو

بچھڑتے ہیں اس کی بدولت عزیز
اٹھاتے ہیں آزارِ فرقت عزیز

تولد سے لڑکی کے جو ڈرتے ہیں
اسی وقت کا رنج وہ کرتے ہیں

یہ گھر سے ہمارے چلی جائے گی
زمانے کا دکھ دے کے تڑپائے گی

یہ اکیا جائے گی تن سے جاں جائے گی
یہ رونق یہاں کی وہاں جائے گی

خدا کی حفاظت میں تم کو دیا
پناہِ رسالت میں تم کو دیا

جہاں تم رہو شاد و خرم رہو
جہاں جاؤ بے فکر و بے غم رہو

مرادیں جو دل کی ہوں بر آئیں سب
رہے فضلِ مولا، رہے فضل رب

زر و مال و دولت ملے بے شمار
کرو روز و شب شکر پروردگار

ہو یہ گود اولاد ہی سے بھری
یہ دولت ہی سب دولتوں میں کھری
جدائی کا صدمہ رہے گا مدام
کہ دل بیٹھا جاتا ہی یاں لاکلام

لشبیر اب کہاں تک کرے عرضِ حال
بہت ہوگئی طول یہ قیل و قال

مثنوی ولادت مسلم احمد طول عمرہ

بشاشت مجھے بہت کچھ آج ہی
کہ عیش و مسرت کی معراج ہی
خوشی سی خوشی ہی نہیں جس کی حد
نہ کچھ شک ہی اس میں نہ ہی رد و کد
کرت پور سے مژدۂ جاں فزا
ملا یک بیک اور میں نے سُنا
نسیمِ سحر کی یہ اٹھکھیلیاں
نظر آئیں تھیں مجھ کو پہلے کہاں
گلستاں میں آئی ہی فصلِ بہار
کہیں ہی صنوبر کہیں ہی چنار
درختوں کا انداز سے جھومنا
جُھکی ڈالیوں کا زمیں چومنا
ہی کہنے کو سروِ رواں پا بگل
قدِ یار اس سے مگر منفعل
بچھا ہر طرف سبزے کا فرش ہی
زمیں حسن میں غیرتِ عرش ہی
اُٹھی قبلہ سے کالی کالی گھٹا
دھواں دھار دل لینے والی گھٹا
ہوا چل رہی ہی بڑے ساز سے
چمکتی ہی بجلی بھی انداز سے
گرج کا تھا نقارہ بھی بج رہا
فضا سے یہ عالم ہی بھرتا رہا
جو شاخوں میں پتّی ہی جھک آئی ہی
دُھن گو یا [illegible]
تقاطر پیاپی جو ہونے لگا
تو [illegible]
یہ بوندیں نہیں بلکہ موتی ہیں اب
کہ بکھرے ہیں [illegible]
ہی سبزہ بھی فرشِ زمیں ہو رہا
لبِ آب [illegible] سے تر ہیں ہو رہا

تمنا ہی سبزے کی ہو فرشِ راہ
عنادل درختوں پہ ہیں نغمہ سنج
وہ قمری کی کوکو، وہ حق سترہ
گلے میں غلامی کا قمری کے طوق
وہ پیہم ہی باغوں میں کوئل کی کوک
پپیہے کی رہ رہ کے پی پی کی ٹیر
ہی طاؤس مصروفِ رقص و خرام
سبب اس مسرت کا کھلتا نہیں
کوئی بات ایسی ہی نایاب ہی
ہی کس تو بحالِ چمن کی بہار
وہاں ہی مسرت وہاں ہی خوشی
وہاں ہی مسرت کی کیا دھوم دھام
مبارک سلامت کا ہی شور و غل
بروزِ مبارک و ماہِ سعید
پس از ماہِ رمضان جو عید تھی
مبارک ہی تاریخ بائیس بھی
یہ الیا جائے کی رکھ ہجرت کا سنہ
خدا کی حفاظت فرخندہ تم مرفال
ہوا فضلِ شمسی بھی رکھ دیا
ہی تمہارا یہ نام آنکھوں کا نور
نذیر احمدِ دہلوی ذی کمال

تو کہتا ہی پھر اس کا کیا واہ واہ
لٹاتے ہیں شیریں زبانی کے گنج
سمجھ میں ہی آتی، سنو ہو ہو
کہ حق حق وہ کرتی ہی با ذوق و شوق
کہ سنتے ہی جس کے اٹھے دل میں ہوک
نرالا اثر ہی، انوکھا ہی پھیر
یہی مشغلہ ہی، یہی اس کا کام
جو اہر میں تو تو تلتا نہیں
کھلا سیر و تفریح کا باب ہی
کروں میں بھی بڑھ کر جواہر نثار
یہاں دل ہی مضطر تڑپتا ہی جی
خوشی ہی خوشی ہی وہاں صبح و شام
کہ ہیں جمع احباب سب جزو و کل
ہی جمعے کا دن ہی مہینا بھی عید
خوشی بھی بہت قابلِ دید تھی
کہ جس میں خدا نے خوشی ایسی دی
کہ جس میں ہوا دل خوشی سے مگن
خجستہ خیال و خجستہ خصال
کہ مسلم کو احمد سے مدغم کیا
وہ کم ہی جو حاصل ہوا اس سے سرور
زمانے میں مشہور ہی جن کا حال

کرن یہ اُسی شمسِ تاباں کی ہے
جھلک یہ اُسی روئے خنداں کی ہے

ہے دادا کی صورت نہیں کچھ کلام
خدا اُن کی سیرت اسے دے تمام

خدایا اسے علم دے فضل دے
علوم و ہنر میں اسے دخل دے

بہن بھائیوں میں رہے اتّحاد
نہ جھگڑا لڑائی نہ ہو کچھ فساد

سلامت رہیں بھائی بہنیں تمام
چلے باپ دادا کا اِن سب سے نام

جواں بخت ہو یہ جواں سال ہو
خوش اطوار ہو یہ خوش اقبال ہو

اب و جد کا نام اِس سے دائم رہے
علوِّ مراتب سے قائم رہے

رئیسِ کرت پور ہے بندہ حسن
امیرِ زمان و شہیرِ زمن

وہ اور اُن کے فرزند ابنِ حسن
کہ ہیں وہ بڑے خوش سِیَر خوش چلن

وہ نانا یہ ماموں رہیں شاد شاد
بس اب خانہ آباد دولت زیاد

نظر ڈالتا ہوں تو سب خوب ہیں
بہت نیک ہیں اور خوش اسلوب ہیں

یہ جھرمٹ ہے خالاؤں کا مُغتنم
کسی سے زیادہ نہ کوئی ہے کم

غرض سب اعزّہ سلامت رہیں
سلامت رہیں تا قیامت یہیں

حوادث زمانے کے بھٹکیں نہ پاس
نہ پہنچے کوئی غم نہ آئے ہراس

بہار اِن کے دم کی ہمیشہ رہے
گھٹے غم خوشی دن بدن ہاں بڑھے

الٰہی یہ باغِ بہاری رہے
سدا لہلہاتی کیاری رہے

سدا شکر تیرا میں کرتا رہوں
ترا دم ہمیشہ ہی بھرتا رہوں

ہر اولاد اور آل میری ہو نیک
ہزاروں تمناؤں میں ہے یہ ایک

دکھا سب کو اپنی رہِ راست تو
یہ ہوں تیرے بندے بخُلقِ نکو

لکھی خوب ہے نظم تو نے بشیر
عطارد رقم ہے بڑا ہے دبیر

نظم بہ تقریب شادی خانہ آبادی افسری بیگم سلمہا

باچھیں کیوں آج کھلی جاتی ہیں نقشا کیا ہے
کچھ ہمیں بھی تو سناؤ کہ تماشا کیا ہے

کیوں نہ دل شاد ہو ہے آج خوشی مجھکو بڑی
بعدِ مدّت کے ہوئی آج یہ شادی کی گھڑی

شکر صد شکر میں ہوں شاد ہوا گھر آباد
خانہ آباد رہے اور ہو دولت بھی زیاد

شادیِ دخترِ اختر ہے بفضلِ ربِ داور
اوج پر آج نصیبہ ہے مقدّر یاور

رشتے میں میری وہ سلیح ہیں بہت مجھکو عزیز
صاحبِ عقل و ہنر سیکھے کوئی اُن سے تمیز

اُن کے اوصاف نہیں حدِ بیاں میں آتے
اُن کی تعریف کے سارے ہیں ترانے گاتے

بامروت ہیں سگھڑ ہیں وہ ملنسار بھی ہیں
میری ہمدرد ہیں اور میری وہ غمخوار بھی ہیں

رشتۂ مردہ میں کیا روح ہے پھونکی تازہ
جس کا احساس مجھی کو ہے مجھے اندازہ

سلسلہ آمد و شد کا جو ابھی جاری ہے
رونق اس دم ہی کی سچ مانیئے یہ ساری ہے

ایسے اوصاف یہ اطوار سلیقہ ایسا
دیکھنے میں نہیں آیا ہو تو ملنا کیسا؟

اِن کا بر چھانواں پڑے جس پہ وہ انساں ہو جائے
کیوں نہ ایسوں پہ بھلا جان سے قرباں ہو جائے

افسری کی ہے یہ شادی رہے وہ شاد مدام
صدقِ دل سے ہے دعا میری یہی صبح و شام

ماں نے کیسا ہے اُٹھایا؟ نہیں محتاجِ بیاں
نہیں پوشیدہ نہ مخفی ہے یہ ہے سب پہ عیاں

میرے اس قول کی تصدیق میں کچھ دیر نہیں
بات سیدھی ہے ذرا ہیر نہیں پھیر نہیں

ہاتھ کنگن کو کبھی آرسی درکار نہیں
ہے کھُلی بات اسے حاجتِ اظہار نہیں

ماں کے اوصاف سُنے باپ کے اوصاف سُنو
میری خاطر سے نہیں، بات خدا لگتی کہو

سیّد القوم ہیں حافظ بھی ہیں حاجی بھی ہیں
صابر و شاکر و ہر حال میں راضی بھی ہیں

نام اُن کا علی اشرف ہے شرف کے قابل
دو جہاں کی ہوں مرادیں اُنہیں ہر دم حاصل

ہیں ولی اور وصی آپ کے فرزندِ رشید
اُن کی شادی کا بھی دکھلائے خدا روزِ سعید

نیکوں کے نیک ہی ہوتے ہیں سبھی جانتے ہیں
ہم بھی اس بات کو سچ جانتے ہیں مانتے ہیں
ماں کے اور باپ کے اوصاف بھرے اِن میں ہیں
جتنے جوہر ہیں چمکدار نکھرے ان میں ہیں
مختصر کرتا ہوں اوصاف میں کچھ طول نہیں
جو لکھا میں نے ہے کچھ چوک نہیں بھول نہیں
اب سُناتا ہوں تمہیں سُن لو بنی اختر سہرا
اب پُر لطف سُنا ہوگا بھی کمتر سہرا

سہرا

افسری تجھ کو مبارک ترے سر پر سہرا
واقعی شان میں شوکت میں ہے افسر سہرا
پھولوں میں کیسا بسایا ہے معطّر سہرا
فرق پر تیرے ہوا خوب منور سہرا
اس دل آرام کو کچھ حاجتِ مشّاطہ نہیں
رخ پہ دُلہن کے خود ہوتا ہے نچھاور سہرا
ہیں کہاں دیکھنے والے ذرا آکر دیکھیں
سچ کہیں ایسا کہیں دیکھا ہے خوشتر سہرا
لڑیاں سہرے کی لڑیں تیری نگاہوں سے ضرور
اک نظر میں ہی یہ کرے گا مسخّر سہرا
پھولوں میں اس کے ہے فردوسِ بریں کی خوشبو
زلف سے مل کے ہوا اور معنبر سہرا
سہرا نوشاہ کا کچھ اور ہی انداز کا ہے
بھیجا فردوس سے رضواں نے مقرّر سہرا
ہو یہ دولھا کو مبارک یہ دعا سب کی ہے
ہو محبت کا بھی الفت کا مکرر سہرا
اور دُلہن کو مبارک ہو سزاوار بھی ہو
بہتری کا ہو بنا ایسا ہو بہتر سہرا
دیتا ہوں دل سے دعا تم کو شفیق احمد
ہو مبارک کا سلامت کا سراسر سہرا

مرحبا صلِّ علیٰ خوب لکھا تو نے شبیر
سنتے ہی کیوں نہ پھڑک جائیں سخنور سہرا

مبارک بادِ تولدِ فرزند

عبد الحسین کی یہ ولادت کی دھوم ہے
در پہ لگی ہے بھیڑ یہ کیسا ہجوم ہے؟

نعمت یہ گھر میں کس کے کہو آج آئی ہے
کس نے دلی مراد یہ برسوں میں پائی ہے

وہ شہرِ بمبئی کے بڑے سیٹھ نامور
روشن ہے جن کے گھر کا ہوا آج بام ودر

اسمِ گرامی ساتھ محمد کے بھائی ہے
شہرت جبھی انہوں نے بڑی ایسی پائی ہے

فیض اللہ بھائی سیٹھ ہیں وہ جدِّ نامور
شہرہ ہے جن کے نام کا ہر جا اِدھر اُدھر

اولاد دینے والا نہیں کوئی جز خدا
لیکن دعا میں اُس نے اثر رکھا ہے بڑا

سیّد محمدِ ابوطاہر ہیں سیفِ دیں
کہیئے تو کون ہے جو اُنہیں جانتا نہیں

ہیں برگزیدہ پاکِ نفس اس میں شک نہیں
پابندِ شرع حامیِ دیں ہیں وہ بالیقیں

یہ اُن کی ہی دعا کا اثر ہے نہیں کلام
جاری ہے فیض آپ کا ہرِ خواص و عام

کرتے ہیں رد سوال کسی کا کبھی نہیں
اُن کی دعا ہے بابِ اجابت سے ہم قریں

مقبولِ بارگاہِ خداوندِ ذوالجلال
آساں ہے اُن کے واسطے جو ہم کو ہے محال

اُن کی دعا کی دیر ہے ہوتی ہے مستجاب
ایسوں ہی کے لیئے سدا ہوتا ہے فتح باب

پچیس تھی رجب کہ جو آیا یہ نونہال
گھر بھر ہوا خوشی سے کہوں کیسا کچھ نہال

گر پوچھتے ہیں آپ کہ ہجرت کا کیا تھا سال
دو چہل پر فزوں تھے کہ آیا یہ خوش خصال

عبدالحسین پھولے پھلے عمر ہو دراز
مقبول ہو دعا یہ مری ربِّ کارساز

اس کا قدم ہو گھر کے لیئے ایسا بھاگوان
دولت کے ساتھ ساتھ بڑھے سب کی عزوشان

یعقوب علی کی نظم ہے کیا دُرِّ شاہوار
ہر مصرع جس کا سلکِ جواہر ہے آبدار

گر ہو قبول تو مری محنت حصول ہے
اور کیوں نہ ہو قبول، دعا کا شمول ہے

نظم کامیابی امتحان منذر احمد سلمہ اللہ تعالیٰ

مرحبا صلِّ علی مژدۂ جاں بخش آیا
حبذا صلِّ علی مژدۂ جاں بخش آیا

سلہ انہیں کی فرمائش سے یہ مبارکباد لکھی گئی ہے۔ ۱۲

شکر صد شکر تمنّائے دلی بر آئی
پھول مرجھائے ہوئے از سرِ نو تازہ ہیں
غنچے سب کھِل گئے گلشن میں بہار آئی ہے
کون کہتا ہے کہ ہیں صحنِ چمن میں یہ گڑے
جتنے ہیں طائرِ خوش لہجہ ہیں سب صف بستہ
چہچہے زمزمے دلکش ہیں دل آویزہ بھی ہیں
کیسی ہے سرد ہوا جس سے طبیعت کو سرور
فرش مخمل کا بچھا نام کو باقی نہیں گرد
پھولوں پر شبنمِ تازہ نے کیا ہے چھڑکاؤ
زلف سنبل کی بڑھی آنکھ کھلی نرگس کی
نہریں لہراتی ہیں فوّاروں کی ہے کیسی بہار
چاندنی رات ہے شب بھی ہے نہیں آج کی تار
یہ تو تمہید تھی اب جلد کہو ہے کیا بات
سنیئے سنیئے کہ ہوئی خاطرِ غمگین کیوں شاد
منذر احمد مرے فرزند سعید و اسعد
بی۔ اے میں پاس ہوئے شکرِ خدائے برتر
کامیابی پہ مجھے فخر ہو جتنا کم ہے
فرطِ بہجت سے نہ کیوں دل کی کلی کھِل جائے
حق نے جتنی تھیں مرادیں مری پوری کر دیں
زر دیا مال دیا اور زن و فرزند دیئے
جتنے فرزند دیئے سب ہیں مطیعِ فرماں

شاخ مدّت سے جو سوکھی تھی ثمر وہ لائی
روئے معشوق پہ مَلنے کا یہی غازہ ہیں
جس طرف دیکھیئے سبزے میں نکھار آئی ہے
خوب تن تن کے شجر سرو کے ہیں آج کھڑے
نہ جگر ریش ہے کوئی نہ کوئی دل خستہ
نغمے بھی ان کے ہیں شیرین شکر ریز بھی ہیں
بات ہی ایسی ہے جس سے ہے خوشی کا یہ وفور
وہ تری ہے کہ ہوئی بادِ سموم آج سے سرد
بارشِ ابرِ کرم سے ہے انہیں خاص لگاؤ
لطف دیکھے تو کوئی اس کا کرے سیر اسکی
لاکھوں اسبابِ مسرّت ہیں نہیں جن کا شمار
پھولوں کو خدشہ نہیں کیونکہ ہے گلشن بے خار
کس کی خاطر ہے وہ ہے کون ستودہ عادات
میرا کاشانہ مسرّت سے ہوا کیوں آباد
یہ خوشی اُن کی ہے جسکی نہیں باقی کوئی حد
اس مسرّت میں مرے ساتھ ہے میرا گھر بھر
موقع شادی کا ہے معدوم دلوں سے غم ہے
میری مُنہ مانگی مرادِ دلی جب مِل جائے
جھولیاں بھی دُرِ مقصد سے سراسر بھر دیں
شکر کیوں کر ہو ادا اتنے ہیں احسان کیئے
کیوں نہ ہو جان مری ان پہ فدا و قرباں

نعمت یہ گھر میں کس کے کہو آج آئی ہے
کس نے دلی مراد یہ برسوں میں پائی ہے

وہ شہرِ بمبئی کے بڑے سیٹھ نامور
روشن ہے جن کے گھر کا ہوا آج بام و در

اسمِ گرامی ساتھ محمد کے بھائی ہے
شہرت جبھی انہوں نے بڑی ایسی پائی ہے

فیض اللہ بھائی سیٹھ ہیں وہ جدِ نامور
شہرہ ہے جن کے نام کا ہر جا اِدھر اُدھر

اولاد دینے والا نہیں کوئی جز خدا
لیکن دعا میں اُس نے اثر رکھا ہے بڑا

سید محمدِ ابوطاہر ہیں سیفِ دیں
کہیئے تو کون ہے جو اُنہیں جانتا نہیں

ہیں برگزیدہ پاکِ نفس اس میں شک نہیں
پابندِ شرع حامیِ دیں ہیں وہ بالیقیں

یہ اُن کی ہی دعا کا اثر ہے نہیں کلام
جاری ہے فیض آپ کا ہر خواص و عام

کرتے ہیں رد سوال کسی کا کبھی نہیں
اُن کی دعا ہے بابِ اجابت سے ہم قریں

مقبولِ بارگاہِ خداوندِ ذوالجلال
آساں ہے اُن کے واسطے جو ہم کو ہے محال

اُن کی دعا کی دیر ہے ہوتی ہے مستجاب
ایسوں ہی کے لیئے سدا ہوتا ہے فتحِ باب

پچیس تھی رجب کہ جو آیا یہ نونہال
گھر بھر ہوا خوشی سے کہوں کیسا کچھ نہال

گر پوچھتے ہیں آپ کہ ہجرت کا کیا تھا سال
دو چہل پر فزوں تھے کہ آیا یہ خوش خصال

عبدالحسین پھولے پھلے عمر ہو دراز
مقبول ہو دعا یہ مری ربِ کارساز

اس کا قدم ہو گھر کے لیئے ایسا بھاگوان
دولت کے ساتھ ساتھ بڑھے سب کی عز و شان

یعقوب[1] علی کی نظم ہے کیا درِ شاہوار
ہر مصرع جس کا سلکِ جواہر ہے آبدار

گر ہو قبول تو مری محنت حصول ہے
اور کیوں نہ ہو قبول، دعا کا شمول ہے

نظم کامیابی امتحان منذر احمد سلمہ اللہ تعالیٰ

مرحبا صلِ علیٰ مژدۂ جاں بخش آیا
حبذا صلِ علیٰ مژدۂ جاں بخش آیا

[1] انہیں کی فرمائش سے یہ مبارکباد لکھی گئی ہے - ۱۲

شکر صد شکر تمنائے دلی بر آئی
پھول مرجھائے ہوئے از سرِ نو تازہ ہیں
غنچے سب کھل گئے گلشن میں بہار آئی ہے
کون کہتا ہے کہ ہیں صحنِ چمن میں یہ گڑے
جتنے ہیں طائرِ خوش لہجہ ہیں سب صف بستہ
چہچہے زمزمے دلکش ہیں دل آویز بھی ہیں
کیسی ہے سرد ہوا جس سے طبیعت کو سرور
فرشِ مخمل کا بچھا نام کو باقی نہیں گرد
پھولوں پر شبنمِ تازہ نے کیا ہے چھڑکاؤ
زلفِ سنبل کی بڑھی آنکھ کھلی نرگس کی
نہریں لہراتی ہیں فوّاروں کی ہے کیسی بہار
چاندنی رات ہے شب بھی ہے نہیں آج کی تار
یہ تو تمہید تھی اب جلد کہو ہے کیا بات
سنیئے سنیئے کہ ہوئی خاطرِ غمگین کیوں شاد
منذر احمد مرے فرزند سعید و اسعد
بی۔ اے میں پاس ہوئے شکرِ خدائے برتر
کامیابی پہ مجھے فخر ہو جتنا کم ہے
فرطِ بہجت سے نہ کیوں دل کی کلی کھل جائے
حق نے جتنی تھیں مرادیں مری پوری کر دیں
زر دیا مال دیا اور زن و فرزند دیئے
جتنے فرزند دیئے سب ہیں مطیعِ فرماں

شاخِ مدت سے جو سوکھی تھی ثمر وہ لائی
روئے معشوق پہ ملنے کا یہی غازہ ہیں
جس طرف دیکھیئے سبزے میں نکھار آئی ہے
خوب تن تن کے شجر سرو کے ہیں آج کھڑے
نہ جگر ریش ہے کوئی نہ کوئی دل خستہ
نغمے بھی ان کے ہیں شیریں شکر ریز بھی ہیں
بات ہی ایسی ہے جس سے ہے خوشی کا یہ وفور
وہ تری ہے کہ ہوئی بادِ سموم آج سے سرد
بارشِ ابرِ کرم سے ہے انہیں خاص لگاؤ
لطف دیکھے تو کوئی اس کا کرے سیر اسکی
لاکھوں اسبابِ مسرت ہیں نہیں جن کا شمار
پھولوں کو خدشہ نہیں کیوں کہ ہے گلشن بے خار
کس کی خاطر ہے وہ ہے کون ستودہ عادات
میرا کاشانہ مسرت سے ہوا کیوں آباد
یہ خوشی ان کی ہے جسکی نہیں باقی کوئی حد
اس مسرت میں مرے ساتھ ہے میرا گھر بھر
موقع شادی کا ہے معدوم دلوں سے غم ہے
میری منہ مانگی مرادِ دلی جب مل جائے
جھولیاں بھی درِ مقصد سے سراسر بھر دیں
شکر کیوں کر ہو ادا اتنے ہیں احسان کیئے
کیوں نہ ہو جان مری ان پہ فدا و قرباں

ہے انہیں سے مری رونق مرے گھر کی رونق
چشمِ پُر شوق میں ہے نورِ نظر کی رونق

دین و دُنیا میں سدا خوش رہیں آباد رہیں
غم نہ پھٹکے کبھی پاس ان کے یہ دل شاد رہیں

باپ دادا کے کریں نام کو روشن ہر آن
ہر گھڑی اِن کی ترقی ہو بڑھے ان کی شان

مامتا ماں کی نہ دیکھی نہ اُنہوں نے جانی
ایک کی شکل نہیں دوسرے نے پہچانی

ماں کی شفقت سے یہ محروم ہیں صغرِ سن سے
میری اُمید ہے وابستہ فقط اب ان سے

چھوڑ کر چل بسیں وہ چھوٹی سی ننھی بچی
آفتِ تازہ ہوئی پال بھی کیسی بچی؟

چھاتی پہ راتوں کو میں نے ہی سُلایا اِن کو
ماں کا غم باتوں ہی باتوں میں بھلایا اِن کو

رات دن اپنے کلیجے سے لگایا میں نے
نکلی جب دھوپ وہیں کر دیا سایہ میں نے

آفتیں جھیلیں مصیبت بھی اُٹھائی سر پر
پرورش ہی سے مجھے کام رہا شام و سحر

بڑے ارمانوں بڑے چونچلوں سے پالا ہے
خوب سمجھے گا اسے وہ جو سمجھ والا ہے

منذر احمد سے ہے اُمید مری وابستہ
میرے بچوں میں یہی خوب ہے اک گلدستہ

یہ سعیدِ ازلی ہے نہیں اس میں کوئی شک
اس کی تعریف کروں میں تو کہاں تک کب تک

دادا کے نقشِ قدم پر یہ چلا کرتا ہے
کام جو کچھ بھی یہ کرتا ہے بھلا کرتا ہے

ہے یقیں مجھ کو مرے گھر کو سنبھالے گا یہ
بوجھ جو اس پہ پڑے گا وہ اُٹھائے گا یہ

بعد میرے یہی کنبے کا نگہباں ہوگا
حق نے چاہا تو یہی ہوگا یہی ہاں ہوگا

میری اُمیدوں کا سب دار و مدار اس پہ ہے
کامیابی کا جو سہرا ہے وہ اِس کے سر ہے

فضلِ حق شاملِ حال اس کے رہے ہے یہ دعا
اور میری ہے نہیں کچھ آرزو اب اس کے سوا

کاش پوری یہ تمنا کہیں اُمید کرے
زندگی میں مری، اولاد سے گود اِسکی بھرے

سچ تو یہ ہے مرا مُنہ قابلِ انعام نہ تھا
جس کا بدلہ یہ مِلے ایسا مرا کام نہ تھا

یہ نوازش ہے کہ یوں حق نے سرفراز کیا
فارغ البال کیا خلق میں ممتاز کیا

دے دیا مجھ کو نواسہ یا کرم کیا کم ہے
دل مرا شاد کلیجہ بھی مرا خُرّم ہے

یہ کوئی بات ہے پھیلاؤں نہ کیوں دستِ سوال
عرض اُس سے نہ کروں کس سے کروں اپنا حال

اک تمنائے دلی اور رہی جاتی ہے
عمر گزری ہوئی پھر کر بھی کہیں آتی ہے

منذر احمد کا پسر مجھ کو دکھائے اللہ
لختِ دل، لختِ جگر، مجھ کو دکھائے اللہ

دلِ پر درد کی میں نے بھی کہانی لکھی
بات اپنی تھی تو اپنی ہی زبانی لکھی

غم زدہ دل ہے مرا لطف و خوشی سے معمور
بھر گئے زخمِ جگر ہو گئے چنگے ناسور

وہ جو دل تھا مرا زخموں سے بہت چکنا چور
اُس سے غم دور ہوا بلکہ ہوا کوسوں دور

ہاں بشیر اب پئے اظہارِ دعا اُٹھیں ہاتھ
سارے حضّار بھی آمین کہیں میرے ساتھ

سہرا بہ تقریب شادی ڈاکٹر محمد اجمل حسین صاحب کپتان سلمہ الرحمٰن

منعقدہ ۱۵ر جنوری سنہ ۱۹۲۲ء

بقعۂ نور ہے یا حُسن کی مشعل سہرا
سارے ارمانوں کا لب ہے یہ محصّل سہرا

اے خوشا بخت مبارک ہو ترے سر سہرا
غیرتِ حور ہے، پر نور ہے، بے بدل سہرا

حسبِ اُمید خدا نے ہے دکھایا ہم کو
ہو ہزار و بار مبارک تجھے اجمل سہرا

دستِ قدرت میں ترے حق نے شفا بخشی ہے
نسخۂ اکسیر کا ہے یا ہے مکلّل سہرا

چشمِ بد دور یہ دُولھا ہے دُلھن ہے بشریٰ
پھر نہ ہو کس لیے ہر طرح سے اکمل سہرا

ہیرے اور موتی لگے لعل ہیں یاقوت جڑے
دیکھیے کیسا بنا ہے یہ مسلسل سہرا

سہرے دیکھے ہیں بہت پر یہ ہے کچھ اور ہی شان
اپنی شوکت میں نرالا ہے یہ چھلبل سہرا

فرطِ انوار سے مکھڑا ابھی چمک اُٹھا ہے
ابرِ رحمت ہے کہ ہے چاند پہ بادل سہرا

کیوں نہ مسرور ہوں اشرف کہ ملا اُن کو شرف
جب بندھا سر پہ یہ نوشاہ کے جھلجھل سہرا

ضوءِ خورشید عیاں، رونقِ مہتاب عیاں
اس پہ چہرے کی دمک سے ہے مکمّل سہرا

وصفِ نوشاہ لکھوں سہرے کی تعریف کروں
پھر بھی رہ جاتا ہے توصیف سے مجمل سہرا

لڑیاں سہرے کی جھلکتی ہیں رخِ انور پر
تابشِ حسن سے بڑھتا ہے یہ پل پل سہرا

چھوٹے بھائی کا ہے لڑکا، تو بڑے کی لڑکی
جب ہی تو کھاتا ہے سَو ناز سے یہ بل سہرا

شبھ گھڑی شادی کی ہے اور یہ گھڑی اٹھلاتی
وقت ہے تنگ لکھا میں نے معجّل سہرا

مختصر لکھا ہے میں نے نہیں طول اس میں ذرا
دیکھیے اور ہی خوبی کا مفصّل سہرا

آباد و آماد مبارک ہو بشیر احمد کو
ہو دعاؤں کا بس اب سہروں میں افضل سہرا

حق سے سرور[1] کی دعا ہے کہ رہو شاد مدام
کل مقاصد کا ترے واسطے ہو حل سہرا

جھوٹ سے مجھ کو ہے نفرت ابن عم شادی سے ہوں دور
دیکھیے کیسا ہے لکھا یہ مدلّل سہرا

نئے انداز سے سرور نے لکھا یہ سہرا
خوبی و حسنِ خداداد کی ہے کل سہرا

برخوردار امتیاز الدین احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کی تقریبِ ختنہ پر

۲۲ اپریل یوم شنبہ سنہ ۱۹۴۲ء بمقام کرت پور

مالن بنا کے لائی کیا پُر بہار سہرا
ذی اقتدار بدھی، ذی افتخار سہرا

خوشبو میں بس رہا ہے ہر سو مہک رہا ہے
رخ پر سے ہو رہا ہے کیا کیا نثار سہرا

ننھا سا ہے یہ دولہا گل پوشی کی ہے تقریب
دکھلا رہا ہے اپنا کیسا نکھار سہرا

صدقے کروں ہزاروں خوانِ زر و جواہر
ہے کیا ہی آرزو کا یہ ذی وقار سہرا

دولہا کے رخ پہ چڑھ کر کیسا مچل رہا ہے
بے شک نظر گزر کا ہے یہ اُتار سہرا

ممتاز کو مبارک نورِ نظر کی شادی
دولت لُٹا رہا ہے کیا بے شمار سہرا

دولہا بنا ہے امّی کیا خوب رو بنا ہے
چہرے پہ جلوہ گستر ہے پُر بہار سہرا

[1] یہ نظم میری سب سے پہلی نظم ہے جو میں نے سرور جہاں بیگم اپنی بڑی بہو کی فرمائش پر لکھدی تھی - ۱۲

مکھڑے کی یہ بناوٹ، عارض کی یہ سجاوٹ ۔۔۔ کرتا ہے جان و دل سے دولھا کو پیار سہرا
چٹ چٹ بلائیں لے کر قربان ہو رہا ہے ۔۔۔ چھپ چھپ کے کر رہا ہے بوس و کنار سہرا
ننھی سی لائے دلہن جو چاند کا ہو ٹکڑا ۔۔۔ ہو پیارا پیارا مکھڑا جس پر ہو وار سہرا
اس کی دلھن کا تجھ کو ہو دیکھنا مبارک ۔۔۔ اس سے بھی بڑھ کے چڑھ کے پھر اب کی بار سہرا
اختر کو بھی مبارک ہو بھانجے کی شادی ۔۔۔ صدرن کا اب دکھائے پروردگار سہرا
آنکھیں ذرا لڑائیں ہاں پرکھیں پرکھنے والے ۔۔۔ دہلی سے بن کے آیا یہ زرنگار سہرا

کیوں کر بشیر سے ہو شکریہ تیرا یا رب
کیسا دکھایا تو نے دل کی بہار سہرا

دوسرا سہرا

چمکتا ہے رخِ نوشہ پہ کیسا پُر ضیا سہرا ۔۔۔ نظر میں کھُب گیا، ایسا بنا یہ خوش نما سہرا
سنوارا ہے اسے اور پردہ کس کے دستِ نازک نے ۔۔۔ جُھکا جاتا ہے فرطِ شرم سے، یا صد حیا سہرا
جو اُترا گود سے دیکھو چڑھا[1] گھوڑی بصد ارماں ۔۔۔ ثمر ور شاخ طوبیٰ پر کھلا، پھولا پھلا سہرا
ہے ختنہ سُنتِ اسلام لازم ہے ہر مسلماں پر ۔۔۔ تو پھر شک کیا رہا اس میں کہ ہے دستِ شفا سہرا
تصدق کیوں نہ جان و مال ہوں نظارہ بازوں کے ۔۔۔ اِدھر ہے خوش ادا چہرا، اُدھر ہے خوش نما سہرا
ریاضِ باغِ رضواں کے گندھے ہیں پھول چن چن کر ۔۔۔ سجا ہے مصحفِ رخ پر یہ کیسا حق نما سہرا
گندھے ہیں باپ کے تارِ نظر سے پھول شفقت کے ۔۔۔ نہ ہو کیوں سارے سہروں میں زیادہ دل ربا سہرا
وہ بدعت ہو تو بدعت ہو یہ ہو سکتا نہیں بدعت ۔۔۔ درودِ پاک پڑھ کے گوندھا ہے صلِّ علیٰ سہرا
مرا گھر بھر دیا حق نے متاعِ نیک، دنیا سے ۔۔۔ جو خالی گھر تھا، قدرت سے کیا کیسا عطا سہرا
مبارک تم کو ہو ممتاز یہ دن حق نے دکھلایا ۔۔۔ بھلا منہ تھا ہمارا کیا کہ دیکھیں خوش نما سہرا
کریں گر شکر ساری عمر ہے تیری نعمتوں کا ہم ۔۔۔ ادا کب شکر اس کا ہو کہ جس نے یہ دیا سہرا

[1] ختنہ میں غسل صحت کے بعد دولھا بنا کر گھوڑے پر چڑھا کر ادائے نماز شکرانے کیلئے لڑکے کو مسجد لے جاتے ہیں اس تقریب کو گھوڑی چڑھانا

مبارک پر مبارک سارے کنبے کو یہ شادی ہو
بہو کا بھی خدا دکھلائے ہم کو پھر نیا سہرا

خدا وہ دن کرے صدرِ جہاں پروان چڑھ جائے
دلھن نادرہ بنے بندھ جائے جبیں وم مہ لقا سہرا

تری فخرِ جہان و عاصمہ دونوں پھلیں پھولیں
ملے عمرِ خضر سب کو بنے آبِ بقا سہرا

بڑی محنت سے پالا امتیاز الدین کو تم نے
تمہیں بھی اختری بیگم مبارک مرحبا سہرا

تمہارے پھول سہرے کے کھلیں یا رب بہت جلدی
کہ لاؤں کشتیِ زر میں لگا کر میں نیا سہرا

کہاں ہیں مفتی بندہ حسن نانا وہ دولہا کے
ادھر آئیں، بھریں اب گود، ہے پھولا پھلا سہرا

سخاوت جن کی ہے مشہور، اُن کا یہ نواسہ ہے
مجھے بھی دیکھنا ہے، کیا دلاتا ہے صلہ سہرا

چھپے پھرتے ہیں کیوں ابنِ حسن ایک کونے میں
پیارے بھانجے کے سر پہ باندھیں جگمگا سہرا

بشیرِ دہلوی منہ مانگی تم پاؤ گے داد اس کی
بنا کر لائے ہو لعل و گہر سے واہ! کیا سہرا

سہرا بہ تقریبِ شادی جناب صاحبزادۂ والا شان رئیس ریاست منگرول

باندھے ہوئے ہے سر پر اک گل عذار سہرا
کیسا دکھا رہا ہے اپنا نکھار سہرا

مہمان آ رہے ہیں، شادی رچی ہوئی ہے
سہروں میں منتخب ہے یہ پُر بہار سہرا

منگرول میں ہے جلسہ، عالم میں ہے مسرت
دولھا کے رخ پہ دیکھو ہے کیا نثار سہرا

یہ ہے برات کس کی دلّی میں دھوم جس کی
ہر شخص لکھ رہا ہے ایک آبدار سہرا

دولھا ہے بدرِ کامل، مہ پارہ ہے دلھن بھی
سجتا ہے دونوں جانب کیا پُر وقار سہرا

خورشید کا ہے دھوکا، مہتاب کا گماں ہے
یوں جگمگا رہا ہے اب زر نگار سہرا

سر پر جگہ ملی ہے، کیوں کر نہ اس خوشی میں
نوشاہ کی بلائیں لے، بار بار سہرا

والد کو ہو مبارک، مسعود والدہ کو
فرزندِ بدرِ دیں کا ذی اقتدار سہرا

صادق، عزیز، خالق ان تینوں بھائیوں کو
خوش رکھے تا قیامت یہ نامدار سہرا

سر پر رہیں ہمیشہ نواب بھی سلامت
سہرے کی جس طرح سے لڑیاں گندھی ہوئی ہیں
ہے صید افگنی کا دولھا کو شوق از بس
ہیں خوش نما پرندے مصروف نغمہ سنجی
وابستہ جس قدر ہیں دامانِ عافیت سے
دولھا دلھن کی جوڑی قایم رہے جہاں میں
نوابِ محتشم کو لانا ہو مبارک
اگلے برس ہی پیدا پوتا وہ چاند سا ہو [۱]

چہرے پہ بیٹوں پوتوں کے دے بہار سہرا
یہ سلسلہ برابر دے باندھ تار سہرا
دشت و جبل میں بھی ہے جلوہ نگار سہرا
ہیں گا رہے چہک کر کیا خوش گوار سہرا
اُن کے لیئے شگون ہے یہ ہو بہار سہرا
اُن کا سہاگ قایم ہو ساز گار سہرا
رخ کے دلھن کو کیوں کر کرلے نہ پیار سہرا
پھر اس کا میں لکھوں اک ذی افتخار سہرا

دولھا کی نذر لائی بیگم ہنسی خوشی سے
مقبول بارگاہ ہو اے کردگار سہرا

سہرا بہ تقریب شادی کدخدائی دختر نیک اختر

جناب قاضی شمس الحق صاحب سہارنپوری

وہ شان کا شوکت [۲] کا ہے صل علیٰ سہرا
یہ ناز بھرا سہرا یہ حسن بھرا سہرا
تعریف کا حق کیوں کر مجھ سے ہو ادا ہمدم
یہ شمسِ درخشاں ہے یہ ماہِ درخشاں ہے
پھولوں کی مہک اس میں موتی کی دمک اس میں

جو فرقِ مبارک پہ ہے آج بندھا سہرا
ہے بھولے سے چہرے پر کیا ہوش ربا سہرا
میں نے تو نہیں دیکھا ایسا بخدا سہرا
پُر نور نہ ہو اتنا کیوں تا بہ سما سہرا
گوٹے کی چمک اس میں کیا خوب سجا سہرا

[۱] یہ سہرا فرماں روائے ریاست منگرول علاقہ کاٹھیاواڑ کے صاحبزادے بدرالدین صاحب کا ہے۔ محمد صادق محمد عزیز۔ محمد خالق دولھا کے بھائی ہیں۔ دولھا کو شکار کا بہت شوق ہے لہٰذا اُس کا تذکرہ خاص طور پر کیا گیا ہے میرے عزیزوں میں ایک بیوی بیگم کے نام سے مشہور ہیں بہ پاسِ خاطر اُن کے میں نے نظم کر دیا۔ ۱۲

[۲] دلہن کا نام شوکت جہاں۔ دلہن کے والد ماجد کا نام شمس الحق۔ دولھا کا نام محمود الحق۔ ۱۲

یہ جانِ ملاحت ہی یا کانِ ملاحت ہی
حوروں نے بنایا ہی، بہنوں نے سنوارا ہی
یہ باغِ معطر ہی، یہ شاخِ گلِ تر ہی
یہ نرگسِ شہلا ہی، جو شوق میں یوں وا ہی
یہ بادِ بہاری ہی، یہ نعمتِ باری ہی
کیوں کر نہ معطر ہو، کیوں کسبِ اِسے سونگھیں
جب ہی تو یہ خوشبو ہی، پھیلی جو یوں ہر سو ہی
پھر وجد میں آ جائے، یہ طبعِ رواں میری
وہ شان وہ شوکت ہی وہ حُسنِ لطافت ہی
چہرے سے شرافت کے، آثار نمایاں ہیں
دولھا ہی مہِ انور، خورشید دلھن بھی ہی
لڑیوں سے نظر لڑ کر، چہرے پہ نہیں جاتی
صورت کے علاوہ یاں سیرت بھی نمایاں ہی
صورت پہ یہ سیرت ہی، سیرت پہ یہ صورت ہی
کچھ اور نہیں حسرت، کچھ اور نہیں خواہش
کچھ تارِ محبّت سے، کچھ رشتۂ الفت سے
لو، تم کو مبارک ہو شمس الحق خوش سیرت
دولھا کو مبارک ہو، دلہن کو مبارک ہو
محمود صفت دولھا، الحق ہی صفت اُن کی
کیا خوب لکھا تو نے، کس شوق و محبّت سے
میرا بھی کہا سُن لو، میری بھی دعا سُن لو

کس حُسن سے خوبی سے، دیکھو ہی بنا سہرا
جب ہی تو ہی یہ ایسا، سونے کا ڈلا سہرا
یا سرو کی صورت ہی، حیرت میں کھڑا سہرا
ایک ایک کی نظروں میں، آنکھوں میں کھُبا سہرا
یہ خلد کی کیاری کے پھولوں سے بنا سہرا
فردوس کے پھولوں میں، برسوں ہی بسا سہرا
اک بار مہک اپنی دے ہم کو سُنگھا سہرا
محفل کو کروں خوش میں پھر پھر کے سُنا سہرا
سہروں میں نرالا ہی، سج دھج میں جدا سہرا
اور اُس پہ لیاقت کا اک اور پڑا سہرا
چہروں پہ چمکتا ہی تاروں سے سِوا سہرا
عصمت کا بنا برقعہ، با شرم و حیا سہرا
تعلیم کی رونق سے کچھ اور پھبا سہرا
خوش وقتی و خوش بختی، دونوں سے مِلا سہرا
دیکھا ہی کروں بیٹھا میں صبح و مسا سہرا
اخلاص سے گوندھا ہی، جب جا کے بنا سہرا
دخترِ کا لطرزِ نو، میں نے جو لکھا سہرا
اور سب کو مبارک ہو، یہ شمس ضیا سہرا
اُن کی ہی دلہن کا ہی یہ سب سے نیا سہرا
مقبولِ ملائک ہی یہ سب سے سِوا سہرا
دونوں کے لیے بس ہو، یہ آبِ بقا سہرا

لایا ہی بشیر احمد دہلی سے بہت نادر
کشتی جواہر میں سجوا کے نیا سہرا

سہرا بہ تقریب شادی جناب سید شمس الحق صاحب رئیس میرٹھ

فضلِ خالق سے بندھا جو ترے سر پر سہرا — ہی گراں قدر، یہ سہروں میں ہی بہتر سہرا
یوں نظر آنے کو تو آئے ہیں اکثر سہرے — لیکن اس شان کا دیکھا گیا، کمتر سہرا
ہر طرف خلق ہیں پھیلی ہی تجلّی اِس کی — شمسِ تاباں ہی کہ ہی ماہِ منوّر سہرا
محفلِ عیش و مسرّت کی تجلّی، نوشاہ — منزلِ مقصدِ مطلوب کا رہبر سہرا
ضوِتے گوہر کے جو پُر نور بنائی بدھی — نکہتِ گُل نے بنایا ہی معطّر سہرا
کھِل گئی دل کی کلی، دیکھ کے زیبا صورت — خامے کی باچھیں کھلی جاتی ہیں لکھ کر سہرا
آسماں حسن کا نوشاہ ہی چاند اُسکی ہی شکل — کیوں کہا جائے نہ مجموعۂ اختر سہرا
مہر طلعت ہی دلھن، رشکِ قمر دولھا ہی — فرق پر دونوں کے کیوں ہو نہ مفتخر سہرا
تار جھانوں کا میرٹھ سے بندھا دلی تک — اور ان سب کا بنا مطلع و منظر سہرا
تختِ جلوے کی ہوا کرتی ہیں پوری رسمیں — پھونکتا رہتا ہی، اخلاص کے منتر سہرا
شمسؔ دولھا ہی تو حق یہ ہی کہ اختر ہی دلہن — پھر کہو کیوں نہ جہاں میں ہو یہ خوشتر سہرا
یہ مہینا ہی یہ دن، اور یہ سال اچھا ہی — ہی یہ خوش وقتی و اقبال کا، بہتر سہرا
میں دلھن کو یہ دعا دیتا ہوں خوش ہو ہو کر — سازگاری و محبّت کا ہو یکسر سہرا

ہر طرف دھوم ہی اس سہرے کی دنیا میں بشیر
کیوں نہ دیں داد سنیں جب یہ سخنور سہرا

عسہ دولھا کا نام شمس الحق دلھن کا نام اختری بیگم۔ یہ قرآن سعدین ملاحظہ طلب ہی - ۱۲

محمد احمد صاحب کے صاحبزادے اور صاحبزادی کا سہرا

ہے عجب شان کا شوکت کا نرالا سہرا
معدنِ لعل و جواہر سے نکالا سہرا

اک پری کو دیا یہ حکم، پرستان میں جا"
اَور ابھی جا کے تو فی الفور بنا لا سہرا"

ایک ہی سہرے کی ہوتی ہے بہت کچھ رونق
اور یہاں ایک کے دو، دو سے دوبالا سہرا

بھائی کی ختنہ ہے ہمشیرہ کی ہے بسم اللہ
چاند کے گرد بنا جب ہے تو ہالا سہرا

سہرا اس شان کا دیکھا نہ سُنا ہم نے کبھی
ست لڑا ہار ہے ہیکل بھی ہے مالا سہرا

دل سے دیتی ہوں دعائیں تجھے اخلاق احمد
سر پہ جھمکے ترے یہ لو لوئے لالا سہرا

بہن ہے چھوٹی، مگر اس کے مقدر ہیں بڑے
کیسی سج دھج سے ہے بچّی نے سنبھالا سہرا

نام اُس کا ہے مبشّر جو بشارت ہے کھُلی
ابرِ رحمت کا ہے دراصل یہ چھالا سہرا

چھوٹے چھوٹے ہیں یہ سہرے مگر آگے چل کر
ایک سے ایک یہ ہو جائے گا اعلا سہرا

شادیوں کی ہے گھڑی در پہ کھڑی اُٹھلاتی
یہ اسی کی ہے چمک اُس کا اُجالا سہرا

تم کو دکھلائے خدا جلد محمد احمد
شُبھ گھڑی شادی کا پھر حق تعالا سہرا

سہرے میں کیوں نہ ہو اشرف[۱] ہے کہ سہرے کو شرف
بھانجے بھانجی کا لائی ہے خالا سہرا

نوحۂ وفاتِ حسرت آیات سروری دختر کہتر اختر

کیوں کان میں کچھ دیر سے، آتی صدا رونے کی ہے
دیکھو تو کیا ہے ماجرا، کیا بات جی کھونے کی ہے

۱ے میری عزیزہ اشرف جہاں بیگم صاحب کی فرمائش سے لکھا گیا۔ ۱۲

حافظ علی اشرف کے گھر سب عورتیں ہیں رو رہیں
بے وجہ یہ زاری نہیں، بے وجہ یہ رونا نہیں
چھوٹی جو لڑکی اُن کی تھی، آفاق سے وہ چل بسی
اِس گھر میں رونق جتنی تھی، ساری اُسی کے دم سے تھی
ہاں اپنے دل کو تھام لو، اپنے جگر کو تھام لو
اللہ بس باقی ہوس، اللہ ہی کا تم نام لو
اُس بلبلِ شیریں سخن، سے ہو گیا خالی چمن
اُس کی جدائی شاق ہے، اک اک کو ہے رنج و محن
وہ طوطیِ شیریں بیاں، جھڑتے زباں سے پھول تھے
کچھ چہچہے، کچھ زمزمے، کچھ مختصر، کچھ طول تھے
عذب البیاں، رطب اللساں، لاکھوں کروڑوں خوبیاں
خود دستِ قدرت نے اُسے، سانچے میں ڈھالا بے گماں
ہر بات مصری کی ڈلی، قند و شکر میں تھی گھلی
جو بات کی، دل کو لگی، جانچی تھی کانٹے میں تلی
خالی چمن کو کر گئی، دیکھو وہ چڑیا اُڑ گئی
نعمت خدا کی تھی بہت، پر دیکھو کیسی تھڑ گئی
سُنسان گھر کو کر گئی، اُجڑا ہوا سا باغ ہے
چھلنی کلیجہ کر دیا، سب کے دلوں پر داغ ہے
خالی نشیمن ہے پڑا، ہے باغباں بھی نوحہ خواں
مضطر ہے ہر چھوٹا بڑا، دیکھو جسے ہے نیم جاں

صورت میں وہ تھی اک پری، سیرت میں اُس پہ برتری
کیا ہو کسی کو ہمسری، تھا نام اُس کا سروری
وہ پھول کی تھی اک کلی، کھلنے نہ پائی تھی ابھی
دس سال کی پوری نہ تھی، خالق سے اپنے جا ملی
ہے موت گو سب کے لیئے کس کے ہٹائے سے ہٹے
یہ سانحہ ہے صعب، کیوں کر نہ دل اِس سے پھٹے
جو بات ہے دل پر لکھی، وہ ہی رقم میں نے ہے کی
دل کو مرے کب تاب ہے، قابو میں کب ہے اپنا جی
نوحہ کہو یا مرثیہ، جو کچھ بھی ہے حاضر ہے یہ
دل کا ہمارے حال ہے، مخفی نہیں ظاہر ہے یہ
ہے جوش پر بحرِ الم، ہے موج پر دریائے غم
حکمِ خدا کے سامنے، سر عجز سے ہیں سب کے خم
داماں خدا کے ہاتھ ہے، انسان بھلا کیا خاک ہے
حالت رفو کی بھی نہیں، دامن سراسر چاک ہے
دُنیا میں بشیر اب کوئی، بس موت کا در ہے کھُلا
آیا جو ہے وہ جائے گا، چھوٹا ہو یا اِس میں بڑا
مفلس، غریب و بینوا، ہو بادشہ یا ہو گدا
پیدا ہوا کچھ دن رہا، پھر مر گیا، پھر چل بسا
ہے بے ثباتی ہر طرف، ہر چیز آنی جانی ہے
عالم میں جو ذی روح ہے، موت اُس کی اک دن آنی ہے

یہ واقعی ہی اک سرا، انساں مسافر اِس میں ہی
ہر دم ہی دھڑکا کوچ کا، رہنا یہاں ہی تا بکی
چھوٹی اگر ہم سے سرا، گھر اپنا ہم کو مل گیا
رونے کا یہ موقع ہی کیا، موقع یہ ہی خوش ہونے کا
دنیا میں جب تک رہتے ہیں، درد و الم سب سہتے ہیں
اِس قید سے چھٹکارے کو، مرنا ہی تو ہم کہتے ہیں
لیکن حقیقت موت کی، گر غور سے دیکھو ذرا
ہی جاودانی زندگی، دُنیا میں کیا خاک ہی دھرا
محبوب حق کے جتنے ہیں، دن زندگی کے شاق ہیں
مل جائیں ربّ سے جلد وہ، اس کے ہی بس مشتاق ہیں
اچھّوں کو کیا محشر کا غم، ہی موت کا کیا اُن کو ڈر
جلدی سے جا ملتے ہیں وہ، رب سے بلا خوف و خطر
پرسش وہاں اعمال کی، اچھے بُرے افعال کی
بے شک بڑا ہی معرکہ، امید ہی افضال کی
جب رحم وہ فرمائے گا، کیا کیا مزے پھر آئیں گے
ہم عاصیوں کے واسطے، جنّت کے در کھُل جائیں گے
حضرت محمد مصطفیٰ، صلّ علیٰ روحی فدا
اُمّت کو اُن کی آسرا، اُن کا ہی کافی سے سوا
وہ ہیں شفیع المذنبیں، اور اُس پہ حق کے ہیں امیں
ہیں رحمۃ العالمیں، ہی یہ عقیدہ بالیقیں

اُمّت کے پشتیباں وہ ہیں، افضل تریں انساں وہ ہیں
دونوں جہاں کی جان ہیں، حق ہے خدا کی شان ہیں
وہ ہیں کفیلِ عاصیاں، اُمّت کے وہ ہیں پاسباں
بگڑی سنور جائے وہیں دے دیں اگر کچھ وہ اماں
عصیاں کا سر پر بار ہے، ایک ڈھیر ایک انبار ہے
بندہ بہت مجبور ہے، انساں بہت ناچار ہے
اچھے ہیں یا ہم ہیں بُرے، کچھ ہیں مگر اُمّت میں ہیں
مصروف ہم خدمت میں ہیں مشغول ہم طاعت میں ہیں
ہاں! دستگیری ہو گئی، تو بیڑا اپنا پار ہے
ورنہ بہت دشوار ہے، مٹّی مری تو خوار ہے
اب اصلِ مطلب کی طرف، رخ موڑنا ہم کو پڑا
اور اُس اُدھوری بات کو، پھر جوڑنا ہم کو پڑا
گوری بھبو کا گو نہ تھی، لیکن تھی یوں اُس میں چمک
ہو جیسے بجلی کی چمک، ہو جیسے کُندن کی دمک
پیشانی تھی یا نور کا اک تختۂ بلّور تھا
ایسا مجلّا با صفا، جس پہ گمانِ طور تھا
تھی وہ کشادہ اور بڑی، تختی تھی کُندن سے جڑی
اقبال سے تھی وہ بھری، اور شان و شوکت میں بڑی
آنکھیں رسیلی مدھ بھری، کیسی بڑی کتنی بھلی
جن پر پڑی پلکوں کی چک، مژگاں تھیں برچھی کی انی

آنکھیں کٹورا سی کھُلی، موتی بھرے تھے کوٹ کر
صبر و قرارِ دل کو وہ لے جاتی تھیں بس لوٹ کر

جُٹواں بھنویں دو نیمچے، یا خنجرِ خم دار تھیں
گو حدِّ فاصل ناک تھی، دونوں مگر ہموار تھیں

بینی کتارا سی کھڑی، اک سدّ تھی اسکندری
دانش سے وہ بھرپور تھی، اور تھی دلیلِ باوری

چہرے کی بس وہ ناک تھی، شفاف تھی اور پاک تھی
مکھڑا ہی کیسا چاند سا، چاروں طرف ہی دھاک تھی

وہ لب نہ تھے یاقوت تھے، یا پھول تھے یا پنکھڑی
کیا بات کوئی کر سکے، تھی اُن کی بات اتنی بڑی

بتّیس دانتوں کی لڑی، کیا خوب وہ خوش اسلوب تھی
موتی کی لڑیوں کو بھی وہ، مرغوب تھی مطلوب تھی

ہنسنے میں جب وہ کھُلتے تھے، موتی پڑے داں رُلتے تھے
ہیرے کی تھی جیسے کنی، عقدے زباں کے کھُلتے تھے

وہ کان تھے، یا کان تھی، لعل و جواہر سے بھری
آویزے دل آویز تھے، کیسی تھی یہ صنعت گری

اُس کے دہن میں تھی زباں، اور وہ بھی تھی شیریں سخن
کیوں کر بھلا دے کوئی وہ، میٹھے سخن میٹھے بچن

باتوں سے وہ پرچاتی تھی، اور دل کو وہ بہلاتی تھی
سب کے دلوں کو بھاتی تھی، رونق عجب دکھلاتی تھی

وہ پھولے پھولے گال تھے، مانندِ گُل جولاں تھے
مطلق نظر جمتی نہ تھی، پُر نور ایسے گال تھے
سر پر جو لمبے بال تھے، وہ کاشفِ احوال تھے
یعنی سراپا جال تھے، دل کے لیئے جنجال تھے
بل دار موٹی سی گُندھی، تھی پیٹھ پر چوٹی پڑی
قدموں کو آ کر چوم لے، کتنی بڑی، اتنی بڑی
تھیں مینڈھیاں گوندھی ہوئی، اور مانگ بھی نکلی ہوئی
چہرہ منوّر کیسا تھا، تھی چاندنی چھٹکی ہوئی
گردن بھی کتنی خوب تھی، گردن بھی تھی کتنی بھلی
لمبی صراحی دار تھی، شفّاف سانچے میں ڈھلی
سینہ خزینہ تھا بھرا، جو نور کا گنجینہ تھا
اُس کی صفائی دیکھ کر، حیراں بہت آئینہ تھا
بغض و حسد سے پاک تھا، نامِ کدورت واں نہ تھا
اور کیوں نہ ہو یہ معجزہ، کیا اس میں تو قرآں نہ تھا
شانے خدا کی شان تھے، دو ہاتھ دو دربان تھے
سارے بدن کی روح تھے، سارے بدن کی جان تھے
مہندی لگے وہ ہاتھ تھے، ہیہات کیسے ہاتھ تھے
جو چوڑیوں سے تھے بھرے، دل سب کے اُس کے ساتھ تھے
دیکھو تو غول جائے بہَل، دس انگلیاں دس تھے کنول
پنجے میں قدرت کے تھے پھل لبِ مثل تھے وہ بے بدل

دو پاؤں تھے اُس کے سُبک مستانہ کیسی چال تھی
المختصر خوش طبع تھی، خوشخو تھی خوش اقبال تھی

جھانجن کی اور غلتاں کی جھنکار، کیسی پیاری تھی
سر تا قدم تھی نکھ سے سُکھ، رحمت خدا کی ساری تھی

دُہرا اگٹھیلا وہ بدن، پھر جامہ زیبی کی پھبن
قد اُس کا پَوڈا سرو کا، رونق وہ باغ و چمن

رکھتی تھی آنکھوں پر قدم، پُروردۂ ناز و نعم
آتی ہے کیا کیا یاد وہ، دل کو ہمارے دم بدم

کیوں کر بھلا دیں اُس کا غم، جس پر رہے قربان ہم
بے تاب ہیں ہر وقت ہم، مضطر بھی ہیں ہر آن ہم

مانا علیل و زار تھی، مجبور تھی ناچار تھی
مٹ جائے گی وہ شکل یوں، ایسی نہ کچھ بیمار تھی

دُنیا میں کچھ دیکھا نہ تھا، تھا سن ابھی دس سال کا
مرنے کا کچھ خدشہ نہ تھا، غفلت کا تھا پردہ پڑا

بے عیب تھی بے نقص تھی، اک غنچۂ سربستہ تھی
گھر کا کھلونا تھی وہی، لڑکی نہ تھی گلدستہ تھی

پُتلی سراپا نور کی، اک شمع تھی کافور کی
رونق قریب و دُور کی، مرہم دلِ رنجور کی

رونق تھی گھر کی سر بسر، تھی کُنبے بھر کی لاڈلی
کیا جلد ہم سے چھین لی، حق نے جو نعمت بھیجی تھی

جب حال بگڑا ایک بیک، سب دیکھ کر گھبرا گئے
جو تھے عزیز و اقربا، سُن کر خبر وہ آ گئے
تھے جو اطبا ڈاکٹر، تدبیر اپنی کر چکے
لیکن رہے مجبور سب، دن زندگی کے بھر چکے
مُلّا سبیلنے چارہ گر، عامل سبھی آئے مگر
تدبیر اُلٹی ہی پڑی، گو لاکھ پٹکا اپنا سر
دی جو دوا بے کار تھی، بابِ دعا مسدود تھا
جب زندگی ہی ختم تھی، جو کچھ کرو بے سود تھا
آخر نہ جاں بر وہ ہوئی، اشکوں کا مینھ برسا گئی
ماں باپ کو تڑپا گئی، گھر بھر کو وہ ترسا گئی
جب پیش آیا سانحہ، تو دوسری شوال تھی
یہ غم جو سر پر آ پڑا، پھر عید کی کیسی خوشی
باسی اگرچہ عید تھی، لیکن خوشی تھی کس گھڑی
زحمت میں جانِ زار تھی، بے ڈھب پھنسی بے ڈھب پڑی
سورج نے ڈھانکا اپنا مُنہ، مہتاب غم سے چھپ گیا
ناشاد و غمگیں نوحہ کُن ایک ایک تھا چھوٹا بڑا
ہجری کا سن چالیس تھا، بائیس تھا ہاں عیسوی
پوچھو تو دن منگل کا تھا، جب راہ تھی جنّت کی لی
ماتم بپا تھا ہر جگہ، دریا تھا اشکوں کا رواں
چاروں طرف سوز و بکا، چاروں طرف آہ و فغاں

ماں باپ تو بدحال تھے، ہم سب پریشاں حال تھے
چھوٹے بڑے جتنے تھے سب، وہ مبتلائی الحال تھے

دیکھی نہ جاتی تھی تڑپ، اُس مادرِ بدحال کی
جس کی کمائی لُٹ گئی، افسوس یوں دس سال کی

کس کو خبر تھی سروری، یوں دفعتہً چھُٹ جائے گی
دولت جو اپنے گھر میں تھی، وہ مفت ہی لُٹ جائے گی

جیسی وہ آئی تھی یہاں، ویسی ہی وہ اُٹھ جائے گی
اپنی جدائی کا ہمیں، اس طرح دے دُکھ جائے گی

جس کو کھلایا گود میں، اُس کو سُلایا گور میں
دیکھو ہا گنوایا لعل کو، کیسا زمینِ شور میں

چھاتی سے جو ہٹتی نہ تھی، دم بھر کو جو چھُٹتی نہ تھی
افسوس ہا صد افسوس، کیسی نیند تھی اٹھتی نہ تھی

جس کو اکیلا چھوڑنا، دم بھر بھی دل کو بار تھا
افسوس اُس کے جسم پر، اک خاک کا انبار تھا

پھولوں میں جو تُلتی رہی، مٹی میں ہے وہ اب نہاں
کیڑوں مکوڑوں کی خورش، ہا جسمِ زار و ناتواں

جنت کو وہ سیدھی گئی، پھوپی سے اپنی جا ملی
پھوپی بھتیجی مل گئیں، جی کھول کر کیا کیا ملی

پھوپی کی وہ ہم شکل تھی، اور ہو بہو تصویر تھی
وہ چاند تھیں یہ چاندنی، وہ ضَو تھیں یہ تنویر تھی

وہ اصل تھیں یہ نقل تھی، پر نقل مثلِ اصل تھی
کیا کچھ تسلّی ہو گئی، جب شکل اُس کی دیکھ لی
سیّد زمانی پھوپی تھیں، اُن کی بھتیجی سروری
زخمِ جگر آئے ہوئے، بے کار ہی بخیہ گری
بادِ فنا کے ہاتھ سے یہ باغ، کیا تاراج ہی
دنیا میں دیکھو جس طرف، بس موت ہی کا راج ہی
جو سیج پر پھولوں کی کل، آرام کرتے تھے یہاں
ڈھونڈے سے بھی ملتا نہیں، اُن کا پتہ اُن کا نشاں
نظروں سے وہ اوجھل ہوئے، بے تاب دل کو کر گئے
سب موت سے اپنی مرے، بن موت ہی ہم مر گئے
اب چند روزہ زیست کا، مطلق مزا باقی نہیں
کیا لطف دے یہ زندگی، مُطرب نہیں ساقی نہیں
سرور، تمہیں پیغام بھی، وہ کچھ ہمارا یاد ہی
پھوپا کی کیا تھی آرزو، کیسا دلِ ناشاد ہی
جب سے تمہاری پھوپی جاں، رخصت ہوئیں کیا حال ہی
ہیں کس قدر بے چینیاں، کس درجہ اضمحلال ہی
بارہ برس گو ہو گئے، چھوٹا ہمارا ساتھ ہی
لیکن یہ کل کی بات ہی، تسکیں خدا کے ہاتھ ہی
گزری بہت تھوڑی رہی، وہ دن بہت نزدیک ہی
جس دن ملیں گے جا کے ہم، کیا اُس خوشی کا ٹھیک ہی

ای اختر پامالِ غم، سمجھائیں تم کو کس طرح
یہ حادثہ ایسا نہیں، جو بھول جائے اس طرح

کچھ شک نہیں، کچھ شک نہیں صدمہ بڑا تم پر پڑا
یہ کوکھ کی ہی مامتا، صدمہ بھی ہی بے شک بڑا

لیکن صوابِ صبر کا، کچھ حال بھی معلوم ہی؟
پھر کس لیے کس واسطے، دل اس قدر مغموم ہی؟

کرتا فرشتہ قبض ہی، بچّے کی جاں جب برملا
تو پوچھتا ہی اُس سے رب، بندے نے میرے کیا کہا

مُنہ سے اگر نکلا گِلا، کھوئی رہِ صبر و رضا
جا تو گنوایا جان کر، دین اور عقبیٰ کا بھلا

ہاں صبر و استقلال سے صدمہ اگر اُس نے سہا
دروازہ جنّت کا کھُلا، راضی ہوا اُس سے خدا

ہو آل یا اولاد ہو، سب کچھ امانت رب کی ہی
نقشہ یہی ہم سب کا ہی، صورت یہی ہم سب کی ہی

دیتا بھی ہی لیتا بھی ہی، غم بھی خوشی بھی برملا
پھر عیش کیا، تکلیف کیا، پھر ہجر کیا پھر وصل کیا

بھیجی امانت بڑھ کے لی، مانگی امانت اُس کو دی
تابع ہیں ہم فرمان کے، اُس کی مقدّم ہی خوشی

دو دن کی یہ بھی بات ہی، یہ رنج کیوں دن رات ہی
ہم کو بھی جانا ہی وہیں، رونے کی پھر کیا بات ہی؟

دُنیا کا عالم ہے یہی، اُس کی انوکھی چال ہے
جو سر بلندی پا گیا، وہ ایک دن پامال ہے

جو نیک بندے اُس کے ہیں، سہتے مصیبت رہتے ہیں
وہ آزماتا اُن کو ہے، آزار و غم وہ سہتے ہیں

ممکن نہیں ہم کہہ سکیں، ہم پر سراسر جبر ہے
کیسا کرم کا ابر ہے، کیسی جزائے صبر ہے

اس راہ میں لغزش ہوئی، کانپے اگر اپنے قدم
وہ اجر بھی جاتا رہا، جو مل رہا تھا بیش و کم

مانا ہے یہ صدمہ کٹھن، دل کو سنبھالے تم رہو
کیوں غم سے ہو تم نعرہ زن، دل کو سنبھالے تم رہو

جنّت میں وہ دل شاد ہے، معصوم ہے نادان ہے
یہ بات ہے فیصل شدہ، یہ بات ہے پہلے سے طے

ہونا نہیں دُنیا میں کچھ، جب تک نہ ہو فرمانِ ربّ
بس چاہیئے بندوں کو یہ، جُھک جائیں اُس کے آگے سب

نعمت کا شکریہ کریں، اور جو مصیبت ہو سہیں
شایاں ہے کب بندے کو یہ لفظِ شکایت ہم کہیں

راحت مصیبت دونوں ہی، آتی ہیں اُس کے پاس سے
کچھ عقل سے ہم کام لیں، تو واسطہ کیا یاس سے

دل کو الٰہی چین ہو، یہ بے قراری دُور ہو
وہ صبر ہو ہم کو عطا، جو مرہمِ کافور ہو

ٹھنڈک پڑے، ڈھارس بندھے، پژمردہ دل ہو کچھ ہرا
کم ہو تڑپنا لوٹنا، بھولے تو یہ صدمہ ذرا

آئے خوشی کی شبھ گھڑی، پھٹکے نہ ہرگز پاس غم
بچھڑے نہ اِن میں سے کوئی، خرّم رہیں مِل کر ہم

صدمہ کوئی آفاق میں، ایسا نہ آئے پیش اب
یہ چند روزہ زندگی، کٹ جائے با عیش و طرب

بس بس بشیرِ غم زدہ، ہے کیسی دل کش یہ صدا
طولِ سخن سے نفع کیا، طولِ سخن سے باز آ

"برقی" کی موت

دُنیا ہے جس کا نام عجب کائنات ہے
بنتا بگڑنا دونوں یہاں ایک بات ہے
پیدا ہوا ہے جو اُسے مرنا ضرور ہے
شادی تو کم یہاں ہے الم کا وفور ہے
مانا کہ آج دل کو میسّر ہے کچھ خوشی
کل جھیلنے پڑیں گے بہت ہم کو رنج بھی
وہ کون ہے جو شاد زمانے میں رہ گیا
آزار و غم کا حال فسانے میں رہ گیا
حاصل سکون ہو تو کریں شکر دمبدم
ایسا نہ ہو خدا کو کہیں بھول جائیں ہم
چھائے اگر مصیبت و اندوہ کی گھٹا
لازم ہے مانگیں خالقِ اکبر ہی سے دعا
صبر و رضا بھی ہے ہمیں درکار ہر گھڑی
سر پر ہمارے یہ نئی آفت نہیں پڑی
دُنیا میں لوگ خلق ہوئے اور مر گئے
نام اپنا چند روز یہاں رہ کے کر گئے
جو مرتا ہے جہان سے جاتا ہے بے گماں
ڈھونڈے سے اُسکا پھر نہیں ملتا کہیں نشاں
رونا تو صبح و شام کا دستور ہو گیا
دل آہ آہ کرنے پہ مجبور ہو گیا
تھا یاد سانحہ ابھی سیّد زمانی کا
حملہ ہوا یہ اور دنیا دارِ فانی کا

اک شیر خوار بچی کو وہ چھوڑ کر گئیں
دنیا سے نامراد ہی مُنہ موڑ کر گئیں

سامانِ پرورش کیا پروردگار نے
دیکھے کرشمے حق کے دلِ سوگوار نے

ماں کے عوض میں خوب ہی نعم البدل دیا
مشکل کو اپنے لطف سے یوں اُس نے حل کیا

غیروں کے دل میں اُس کی محبت جو ڈال دی
ننھی سی جان باتوں ہی باتوں میں پال دی

اک چھوکری کو ماں کی جگہ لا کھڑا کیا
چھوٹی سی اِس کنیز کو کیسا بڑا کیا

برقی تھا نام چھوٹی دلہن کی کنیز کا
ممکن نہیں کہ وصف ہو اُس خوش تمیز کا

بچی کو چاؤ چوچلوں سے پالنے لگی
باہیں گلے میں شوق سے وہ ڈالنے لگی

تھی خیر خواہ اور وفادار و جاں نثار
تھیں خوبیاں بھی اتنی نہیں جن کا کچھ شمار

دیں دار و پارسا و محبت شعار تھی
چھوٹی سی حیثیت پہ بڑی ذی وقار تھی

کرتی تھی ہوشیاری سے گھر بھر کا سارا کام
سب سے زیادہ رکھتی تھی بچی کا اہتمام

طالب نہ زر کی تھی نہ طمع تھی اُسے کبھی
پوری رفیق دل سے رہی ایک ایک کی

خوش وضع خوش سلیقہ، خوش اطوار خوش چلن
ہر حال میں وہ شاد تھی ہر حال میں مگن

رکھتی نہ تھی کسی پہ وہ احسان کام کا
کیا حسنِ انتظام تھا اُس نیک نام کا

ہر چیز کی خبر تھی عجب باخبر تھی وہ
برقی تھی اور برق کا رکھتی اثر تھی وہ

گھر کا تمام بوجھ لئے اپنے سر تھی وہ
بچوں کے واسطے بڑی سینہ سپر تھی وہ

بچوں پہ جان و دل سے وہ رہتی تھی مہرزن
دل اِن کو جانتی تھی سمجھتی تھی اپنی جان

وہ کرتی اپنی جان فدا کیوں نہ ہر گھڑی
گو چھوٹی تھی اُسی کو سمجھتے تھے سب بڑی

گھر بھر کی خادمہ تھی مگر مالکہ بھی تھی
خدمت ہی کا نتیجہ تھا عزت جو یہ ملی

خدمت جو کرتا ہے وہی مخدوم[1] ہوتا ہے
کرتا ہے جو غرور وہ محروم ہوتا ہے

مارے جو آپ کو وہی اکسیر ہوتا ہے
ایسا ہی شخص قابلِ توقیر ہوتا ہے

[1] برقی کے شوہر کا نام بھی مخدوم علی ہے۔ ۱۲

نعمت خدا کی شکل میں برقی کے آئی تھی
ادنیٰ کو اعلیٰ کرے، ہی شانِ خدا بڑی
بیگم کا رتبہ لونڈی نے بے شبہ پایا تھا
المختصر نہ عمر تھی ایسی کہ مر وہ جائے
چھ روز کے بخار میں بس ہو گئی تمام
مرنے سے پہلے اُس کی زباں بند ہو گئی
حسرت دمِ آخیر بھی گفتار کی رہی
درماں علاج اور بھی وجہِ گزند تھا
سر پر کھڑی اجل تھی جو ٹلے نہ ٹل سکے
وقتِ نمازِ صبح ہی وقتِ آخیر تھا
جنّت کو روح اُس کی جو پرواز کر گئی
جب وہ سدھاری گھر سے ماتم بپا ہوا
آئی ندا کہ شمعِ حیات آج گُل ہوئی
غمگیں یہاں کوئی ہی کوئی اشک بار ہی
اپنے بدن کو مر کے تہِ خاک کر دیا
لازم ہی اُسکی روح سے اب گفتگو کریں
صدمہ تری وفات کا بچّوں کو ہی بڑا
ماں کی وفات کا انہیں غم تازہ ہو گیا
ظاہر اسی سے ہی کہ قلق ہی انہیں کمال
منذر بھی روتے ہیں تجھے منجھو بھی روتے ہیں
چیتو[1] ہا سراج، دونوں تجھے یاد کرتے ہیں

قسمت کے ہم دھنی تھے جو نعمت یہ پائی تھی
تقدیر اُس کی کیسے بڑے گھر میں جا لڑی
اُس کے کمال ہی نے یہ رتبہ بڑھایا تھا
دُنیا سے آخرت کا سفر جلد کر وہ جائے
باقی جو رہ گیا ہی تو وہ ہی خدا کا نام
شدت مرض کی اور بھی وہ چند ہو گئی
جو دل میں بات تھی وہ کسی سے کہاں کہی
بابِ حیات پہلے ہی سے اُس کا بند تھا
مجبوریاں وہ تھیں کہ کسی کی نہ چل سکے
یہ حکمِ خاص خالق و ربِّ قدیر تھا
ہم سب کے واسطے درِ غم باز کر گئی
حیرت میں ہم رہے کہ الٰہی یہ کیا ہوا!
یہ موت ہی مقدرِ ہر جز و کُل ہوئی
دُنیا میں کس کو چین ہی کس کو قرار ہی
خود چل بسی وہ، ہم کو المناک کر دیا
رنج و غم و ملال کی یوں شست و شو کریں
ان ننھی ننھی جانوں پہ کیسا یہ آ پڑا
دُنیائے بے ثبات کا اندازہ ہو گیا
چہرے اُتر گئے ہیں تو ہیں صورتیں نڈھال
شاہد بھی دامن اشک سے اپنا بھگوتے ہیں
ہر وقت آہ، یادِ دلِ ناشاد کرتے ہیں

[1] اصل نام صفیہ ہی چیتو چیتو پیار سے کہتے ہیں۔ ۱۲

بشریٰ کے خط پہ خط چلے آتے ہیں آج کل / لاہور میں نہیں ہے اُسے چین کوئی پل
فکّو کو کچھ سمجھ نہیں، وہ ڈھونڈتی ہے گھر / ہر بار کہتی ہے کہ "بوا[51]" ہیں مری کدھر
عشّو بھی روتی اور مچلتی ہے روز و شب / مضطر ہیں بے قرار ہیں مغموم ہیں سب کے سب
برسوں رہے گی یاد نہ بھولیں گے ہم تجھے / ہم اپنی جان سے نہ سمجھتے تھے کم تجھے
اس میں نہیں غلط نہیں کچھ اس میں فرق ہے / بحرِ غم و الم میں یہاں جو ہے غرق ہے
مرقد میں باغِ خلد کی تجھ کو ہوا ملے / بچھڑے ہوؤں سے اپنے قیامت میں آ ملے
چھوٹی دلہن نے پالا تو اُن سے جا ملی / اچھا ہوا بھلائی کی تجھ کو جزا ملی
پھر ایسی جا ملی کہ بچھڑتا نہیں ہے اب / جاتے رہے جدائی کے آزار و رنج سب
کہنا سلام اُن سے ہمارا باشتیاق / وہ وقت ہے قریب کہ اُٹھ جائے یہ فراق
لے گود میں منیر[52] کو اُٹھ اور پیار کر / جو کچھ نثار کرنا ہو، اُس پر نثار کر
چھبّو کو تو نے پالا تھا کیوں چھوڑ کر گئی / کیا بے مروّتی ہے کہ مُنہ موڑ کر گئی
ارمان اُنکی شادی کا تو دل میں لے گئی / کیسا یہ داغِ ہجر کلیجے کو دے گئی
بچّوں پہ یوں ہی مہر کی تیری نظر رہی / فکر اُن کی ہی فلاح کی آٹھوں پہر رہی
مرنے کے بعد چین الٰہی ہر آن دے! / جنّت میں اُس کو حقِ تعالیٰ مکان دے
جو کام کرنے آئی تھی وہ کام کر گئی / دو دن کی زندگی میں بڑا نام کر گئی
غم ایک ہو تو سہہ بھی لیں پر ہیں ہزار غم / ہر وقت جان و دل پہ وہی بار بار غم

صدمہ بشیرِ زار کہاں تک اُٹھائیے گا؟
کب تک نہ رونے دھونے سے تو باز آئیے گا؟

۵۱ برقی کو سب بچّے بُوا کہہ کر پکارتے تھے۔ ۱۲ ۵۲ میرے اُس شیر خوار بچّے کا نام ہے جو سوا برس کا ہو کر اپنی ماں کی گود خالی کر گیا۔ ۱۲

تقریظ نوشتہ ناخدائے سخن تاج الشعراء جناب مولوی محمد نوح صاحب نوحؔ ناروی" جانشین داغ دہلوی آنریری مجسٹریٹ تعلقہ دار و رئیس قصبہ نارہ ضلع الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم مغفور مصنف مراۃ العروس، توبۃ النصوح وغیرہ سے دُنیا میں کون واقف نہیں۔ مولوی بشیر الدین احمد صاحب اُنہیں کے بیٹے ہیں۔ ناشر ہیں ناظم ہیں۔ دلّی جیسے مقام کے رہنے والے ہیں وہ بھی متعدد کتابوں کے مصنف و مؤلف ہیں ان کو کسی تعارف کی ضرورت نہ تھی لیکن اُن کے اصرار سے چند سطریں لکھتا ہوں۔ ان کا نام میں بہت دنوں سے سُنا کرتا تھا۔ لیکن ملاقات کی نوبت نہ آئی تھی۔ اتفاق سے میں پارسال دلّی گیا اور بہت دنوں تک جناب بھائی نواب ابو المعظم مرزا سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی کا مہمان رہا۔ وہاں کے احباب بیشتر مجھ سے ملنے کے لئے تشریف لاتے تھے۔ ایک روز یہ بھی آئے اور بھائی سائل صاحب نے خاص طور پر ان کو مجھ سے ملایا اُس دن سے ان کا معمول ہوگیا کہ روزانہ تکلیف گوارا فرماکر میرے دورانِ قیام تک مجھ سے ملنے کو آتے تھے۔ اور بہت دیر تک میرے پاس بیٹھتے تھے۔ اور اظہارِ خلوص کرتے تھے کئی کتابیں بھی اپنی تصانیف سے مجھ کو عنایت کیں جنھیں میں نے نہایت ذوق و شوق سے دیکھا اور بہت کچھ ان کو ان کی محنت اور کوشش کی داد دی۔ کئی ملاقاتوں کے بعد جب کچھ بے تکلفی بڑھی تو انہوں نے چند غزلیں مجھے دکھائیں اور یہ بھی خواہش ظاہر فرمائی کہ میں ان میں کچھ ترمیم و تنسیخ کروں چنانچہ میں نے کئی غزلیں وہیں اصلاح کیں۔ اور پھر میں جب اپنے وطن (نارہ) آیا تو ان کا جدید کلام برابر میرے پاس اصلاح کے لئے آتا رہا۔ ابھی دو ہی تین مہینے گزرے تھے کہ اُنہوں نے مجھے لکھا کہ میں چاہتا

ہوں کہ جس قدر میرا پچھلا کلام میرے پاس بطور دیوان کے موجود ہے وہ بھی دیکھ لیا جائے۔ اور جہاں تصرف کی جگہ ہو تصرّف کیا جائے۔ اگرچہ مجھ جیسے عدیم الفرصت کے لیئے یہ بڑی دشوار بات تھی تاہم میں نے ان کی دل شکنی کے خیال سے اور اُن احسانوں پر نظر کرتے ہوئے جو مجھ پر اُنہوں نے دہلی میں اکثر موقعوں پر کیئے تھے۔ اس کو منظور کر لیا اور دیوان آنے پر شروع سے آخر تک ایک گہری نظر ڈالی اور جہاں اصلاح کی ضرورت محسوس ہوئی اصلاح کی۔ اگرچہ یہ کام میں نے اپنی خاص چند پریشانیوں کے سبب سے کئی مہینوں میں کیا لیکن آج مجھے ان کی طرف سے سرخروئی حاصل ہے اور میں خدا کا ہزار ہزار شکر کرتا ہوں کہ وہ مسودے دیوان کی صورت میں اب شائع ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس دیوان کو قبولیت کا جامہ پہنائے اور مصنفِ دیوان کو قیامت تک سلامت باکرامت رکھے۔ آمین ثم آمین فقط ۲۴ اگست ۱۹۲۴ء

"نوحِ ناروی"

قطعۂ تاریخ

دیوان چھپا، کیا خوب چھپا، بے مثل چھپا، بے عیب چھپا
ظاہر ہوئے سارے عالم پر اسرارِ بشیر الدین احمد

اللہ اللہ، اک اک مطلع، اللہ اللہ اک اک مقطع
اللہ اللہ ایک ایک، دُرِ شہوارِ بشیر الدین احمد

پھولوں کی بھی طرفہ نگہت ہے، کلیوں کی بھی طُرفہ زینت ہے
دُنیا سے الگ، دُنیا سے جدا، گلزارِ بشیر الدین احمد

تدبیر و ذُکا، اخلاص و وفا، ایثار و سخا، احسان و عطا
دل چسپ و دل آویز و دل کش، اطوارِ بشیر الدین احمد

امواجِ طبیعت کا بڑھنا، رُکتا ہی نہیں، تھمتا ہی نہیں
ساحل ہی نہیں رکھتا بحرِ ذخّارِ بشیر الدین احمد

وہ باپ تھے یہ اُن کے بیٹے، لائق بیٹے، قابل بیٹے
مشتاقِ نذیر احمد دیکھے، انوارِ شبیر الدین احمد

تقریرِ شبیر الدین احمد، جلسوں میں اگر سُن لے کوئی
تو چاہے وہ سنتا ہی رہوں، گفتارِ شبیر الدین احمد

غزلیں بہتر، مصرعے نادر، بندش عمدہ، ترکیب اچھی
بے کار نہیں، باکار ہیں سب، افکارِ شبیر الدین احمد

الفاظ و مضامیں کے گاہک، معنی و مطالب کے خواہاں
آئیں تو اِدھر، دیکھیں تو ذرا، بازارِ شبیر الدین احمد

ہر سال کوئی تالیف نئی، ہر سال کوئی تصنیف نئی
یہ نظم میں ہی، یہ نثر میں ہی، رفتارِ شبیر الدین احمد

تقریظیں لکھیں لوگوں نے، تاریخیں لکھیں یاروں نے
ای نوح کہو تم بھی "اعلیٰ"، اشعارِ شبیر الدین احمد

۱۳۷۳

تقریظ نوشتۂ عزیزی مولوی محمد ولی اشرف صاحب دہلوی

اظہارِ جذبات کا مادّہ انسانی عالم کی ہر ہر فرد میں ناظمِ کائنات وواہبِ عطیات نے نُطق یعنی گویائی کے نام سے ودیعت کیا ہی۔ مگر محض گویائی کچھ چیز نہیں جب تک کہ وہ قابلیت وتبحّرِ علمی سے منوّر و مُنجلی نہ ہو۔ یہی سبب ہی کہ ایک قادر الکلام شاعر ایک اِنچ کے چھوٹے سے مصرع سے اپنے سُتھرے اور پاکیزہ خیالات کی بدولت سامعین کے دلوں پر انواع واقسام کے جذبات پیدا کر سکتا ہی۔ انسان کے دریائے تصور میں ہیجان پیدا کر دینا ایک کامیاب شعر کا معمولی کرشمہ ہی شعر فقط الفاظ کے مجموعے کا نام نہیں بلکہ مناسب الفاظ اور پاکیزہ خیالات کا مجموعہ ہی۔ اسی وجہ سے شعر کی خوبی اور نفاست شاعر کی قادر الکلامی اور مبلغِ علم پر موقوف و منحصر ہی۔ اور جس کے کلام

میں جتنے محاسن ہیں اُسی پر تنقید کی بنیاد ہی۔
شاعری کا بے نظیر سلسلہ بھی انقلابِ زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکا۔ چنانچہ سرزمینِ عرب جہاں کی شاعری کی نظیر دُنیا میں ملنی محال ہی، آج تقریباً شاعروں سے قطعی خالی ہی۔ فارسی شاعری جس نے دُنیا میں قیامت برپا کر رکھی تھی۔ گویا کہ فنا ہو چکی ہی۔ اب اُردو کی باری ہی۔ وہ بھی کس مپرسی اور ناقدردانی سے دم توڑ رہی ہی۔ اب معدودے چند ایسے بزرگ بہ مشکل نظر آتے ہیں جنکے دم قدم سے ابھی اُردو کی شاعری میں کچھ جان باقی ہی اور جنکی بدولت زبانِ اُردو زندہ ہی وہ ضرور قابلِ قدر ہیں ان میں کی ایک فردِ فرید اِس دیوان کے مصنف بھی ہیں جن کو وراثتہً اور اکتساباً دونوں طرح اقلیمِ سخن کی حکمرانی ملی ہی میں خود شاعر نہیں مگر شعر کے حسن و قبح کو میں کیا ہر شخص جسکو ذراسی بھی عقلِ سلیم ہی جانتا ہی اسکی کسوٹی یہ ہی کہ جس شعر سے دل پر چوٹ لگے وہ شعر شعر ہی۔ ورنہ نری تُک بندی ہی۔ اس دیوان میں کثرت سے اسی صنف کے شعر ہیں۔ جو ایک زخمی اور چوٹ کھائے ہوئے دل سے بے ساختہ نکلے ہیں۔ اور جس طرح شاعر کے جذبات اس سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اُسی طرح سُننے والوں کے دل پر بھی اپنا اثر کئے بغیر نہیں رہتے اور یہی کلام کی بڑی خوبی ہی ؎

قائل ہوں اِس کلام کا اللہ رے کلام | سُننے سے اسکے دم میں دم آتا ہی جاں میں جاں

قطعۂ تاریخ نوشتۂ جنابِ مولوی محمد فضلِ ستار صاحب لااُبالی، مولوی فاضل مدرسِ فارسی گورنمنٹ سکول امروہہ ضلع مرادآباد

چمنِ دہر نمودہ دلکش
کرد مفتوں ہمہ عالم برخود
وہ چہ اعجاز بہ گیتی کردہ
کشورِ حسنِ بیاں زیرِ نگیں
لااُبالی سنِ طبعش گفتہ

رنگِ رعنائیِ دیوانِ بشیر
طرزِ یکتائیِ دیوانِ بشیر
شانِ شیوائیِ دیوانِ بشیر
کارفرمائیِ دیوانِ بشیر
گشت زیبائیِ دیوانِ بشیر
۱۳۵۴